معیاری ادب

باغ و بہار

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

باغ و بہار

میر امّن دہلوی

مُرتّب

رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ 202001

بار ہفتم ستمبر ۱۹۸۹ء   تعداد 1000   قیمت =/21

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی۔

نقل

عرضی کی جو مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دی گئی

صاحبانِ والا شان نجیبوں کے قدردانوں کو خدا سلامت رکھے۔ اس بے وطن نے حکم اشتہار کا سن کر چار درویش کے قصّے کو ہزار جدّ و کد سے اُردوئے مُعلّا کی زُبان میں باغ و بہار بنایا۔ فضلِ الٰہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہوا۔ اب اُمّیدوار ہوں کہ اس کا پھل مجھے بھی مِلے، تو میرا غنچۂ دِل مانند گُل کے کِھلے۔ بقول حکیم فردوسی کے کہ شاہ نامے میں کہا ہے:

بے رنج بُردم دریں سال سی   عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی

سو اُردو کی آراستہ کر زُباں   کیا میں نے بنگالا ہندوستاں

خاوند آپ قدردان ہیں حاجت عرض کرنے کی نہیں۔ الٰہی تارا اِقبال کا چمکتا رہے۔

عرضی میر امّن دلّی والے کی

پیش لفظ

۱۰؍جولائی ۱۸۰۰ء کو کلکتے میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔ اسی سال "ہندستانی پروفیسر" کی حیثیت سے ڈاکٹر جان بارتھ وک گِل کرسٹ کا تقرر ہوا۔ گِل کرسٹ کی کوششوں سے ہندستانی زبان کے شعبے میں، اُس زمانے کے لائق ترین نثر نگار جمع ہو گئے تھے۔ انھیں اربابِ قلم میں، دہلی کے رہنے والے میر امّن لطف بھی تھے، جن کی کتاب "باغ و بہار" اُردو نثر کی اُن چند کتابوں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔

میر محمد حسین عطا خاں تحسین، اٹاوہ (یو۔پی) کے رہنے والے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ انھوں نے فارسی کی کتاب قصۂ چہار درویش کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۷۷۵ء تک مکمّل ہو چکا تھا۔ ترجمے کی زبان پُرانے انداز کی ہے۔ مقفّیٰ جملوں، مرصّع عبارتوں اور عربی فارسی کے مشکل لفظوں کی بہتات ہے۔ تحسین نے اپنے ترجمے کا نام نوطرزِ مرصّع رکھا، نام ہی میں اس کے اندازِ عبارت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ "اسی کا نتیجہ ہے کہ شہرتِ دوام تو یقیناً تحسین کے حصّے میں آئی، مگر قبولِ عام سے وہ قطعاً محروم رہے۔"

گِل کرسٹ نے میر امّن سے فرمائش کی کہ وہ اس کو بول چال کی زبان میں لکھیں۔ مقصد یہ تھا کہ فورٹ ولیم کالج کے انگریز طالب علموں کے لیے نثر کی ایک اچھی کتاب تیار ہو جائے، جس کی مدد سے وہ سادہ اور بامحاورہ زبان سیکھ سکیں۔ میر امّن نے، نوطرزِ مرصّع کے ساتھ

ساتھ، اصل فارسی قصّے کو بھی سامنے رکھا، اور "اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔"

جیسا کہ میر امّن نے کتاب کے آخر میں صاف صاف لکھا ہے، انھوں نے ۱۲۱۵ھ کے آخر میں اسے لکھنا شروع کیا تھا، ۱۲۱۷ھ کے شروع میں یہ کتاب مکمّل ہوئی۔ عیسوی سنہ کے لحاظ سے ۱۸۰۱ء کے شروع میں، کتاب کا آغاز ہوا، اور ۱۸۰۲ء کے وسط میں تکمیل ہوئی۔ باغ و بہار تاریخی نام ہے، جس سے سالِ تکمیل (۱۲۱۷ھ) نکلتا ہے۔ شروع میں اس کا نام چہار درویش ہی تھا۔ اور پہلی بار اس کے ۱۰۲ صفحے اسی نام سے چھپے تھے۔ یہ صفحے، گِل کرسٹ کے مرتّب کیے ہوئے ایک انتخاب ہندی مینول میں شامل ہیں۔ یہ انتخابی مجموعہ ۱۸۰۲ء میں چھپا تھا۔ پوری کتاب باغ و بہار کے نام سے پہلی دفعہ ۱۸۰۴ء میں ہندستانی پریس کلکتہ میں چھپی۔ یہ اڈیشن کم یاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اُردو علی گڑھ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ اڈیشن میر امّن کی موجودگی میں بلکہ ان کی نگرانی میں چھپا تھا۔ اس لحاظ سے اس کتاب کا معتبر ترین نسخہ یہی ہے۔ میں نے اسی اڈیشن کو، نسخۂ جامعہ کے متن کی بنیاد بنایا ہے۔

باغ و بہار کا ایک قابلِ ذکر اڈیشن وہ ہے، جس کو مشہور مُستَشرِق ڈنکن فوربس نے ۱۸۴۶ء میں لندن سے شائع کیا تھا۔ فوربس نے یہ دعوا کیا ہے کہ اُس کے نسخے کا متن، دو قلمی نسخوں پر مبنی ہے، جن میں سے ایک مکمّل میر امّن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا چوتھا اڈیشن لندن ہی سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ یہ نسخہ میرے سامنے ہے۔ باغ و بہار کی اشاعتِ اوّل میں اور اس میں بعض معمولی اختلافات ہیں۔ ایسے سارے مقامات پر اشاعتِ اوّل کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ اشاعتِ اوّل میں خاصا بڑا غلط نامہ شامل ہے، اس کے باوجود، بہت سی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ان غلطیوں کی تصحیح کے لیے نسخۂ فوربس کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

مکتبہ جامعہ نے اُردو کی معیاری کتابوں کے سستے اڈیشن پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے،

یہ کتاب اِس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ اِس سلسلے کی کتابوں کی ترتیب میں مندرجہ ذیل امور کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جائے گا:

"(۱) اس بنیادی اصول کے تحت کہ کتاب کا متن معتبر ترین اشاعت پر مبنی ہو، اِن کتابوں کے اوّلین اڈیشن، یا بصورت دیگر قابلِ ذکر اشاعتیں پیشِ نظر رکھی جائیں گی اور دوسرے قدیم نسخوں سے بھی مدد لی جائے گی۔

(۲) جن کتابوں کے معتبر اڈیشن موجود نہیں، ان کے معتبر قلمی نسخوں کو متن کی بنیاد بنایا جائے گا۔

(۳) بیش تر کتابوں کے آخر میں ضروری الفاظ کی فرہنگ ہوگی۔

(۴) عربی، فارسی اور ہندی کے وہ لفظ جو آج کل کم استعمال ہوتے ہیں یا متروک ہو چکے ہیں یا جن کے تلفظ میں کسی غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے، اِن کو احتیاط کے ساتھ مع ضبطِ حرکات درج کیا جائے گا۔"

اِس کتاب میں بھی ان تمام امور کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ طلبہ، اور اساتذہ دونوں اِس سلسلے سے مستفید ہوں گے۔ عام لوگوں کو اچھی کتابیں صحیح متن کے ساتھ کم قیمت میں دستیاب ہوں گی، اِس سے اِن کے ذوق کی تسکین کے ساتھ ساتھ، اُردو کی اچھی کتابوں کی اشاعت بھی بڑھے گی۔

دہلی یونی ورسٹی

رشید حسن خاں

۲۰ راگست ۱۹۶۴ء

سُبحان اللہ! کیا صانع ہے، کہ جس نے ایک مُٹھی خاک سے، کیا کیا صورتیں اور مِٹّی کی مُورتیں پیدا کیں! با وجود دو رنگ کے، ایک گورا، ایک کالا۔ اور یہی ناک، کان، ہاتھ پانوسب کو دیے ہیں؛ تس پر رنگ بہ رنگ کی شکلیں جُدی جُدی بنائیں کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں؛ کروڑوں خلقت میں جس کو چاہیے، پہچان لیجیے۔ آسمان، اُس کے دریاے وحدت کا ایک بُلبُلا ہے اور زمین پانی کا بتاشا؛ لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے، پر اُس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ جس کی یہ قدرت اور سکت ہو، اُس کی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے؛ کہے تو کیا کہے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مار سکے، چُپکا ہو رہے؎

عرش سے لے فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے
حمد اُس کی گر لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے
جب پیمبر نے کہا ہو "میں نے پہچانا نہیں"
پھر جو کوئی دعوا کرے اس کا، بڑا نادان ہے
رات دن یہ مہر و مہ پھرتے ہیں صنعت دیکھتے
پر ہر اک واحد کی صورت دیدۂ حیران ہے
جس کا ثانی اور مُقابل ہے، نہ ہووے گا کبھو
ایسے یکتا کو، خدائی سب طرح شایان ہے

لیکن اتنا جانتا ہوں، خالق و رازق ہے وہ
ہر طرح سے مجھ پر اُس کا لطف اور احسان ہے

اور دُرُود اُس کے دوست پر، جس کی خاطر زمین اور آسمان کو پیدا کیا، اور درجہ رسالت کا دیا ہے

جسمِ پاکِ مُصطفےٰ، اللہ کا اک نور ہے
اس لیے پرچھائیں اُس قد کی نہ تھی، مشہور ہے
حوصلہ میرا کہاں اتنا جو نعت اُس کی کہوں!
پر، سخن گویوں کا یہ بھی قاعدہ دستور ہے

اور اُس کی آل پر صَلوٰۃ و سلام، جو ہیں بارہ امام۔

حمدِ حق اور نعتِ احمد کو یہاں کر انصرام
اَب مَیں آغاز اُس کو کرتا ہوں جو ہے منظور کام
بار الٰہی! واسطے اپنے نبیؐ کی آل کے
کر یہ میری گفتگو، مقبولِ طبعِ خاص و عام

مَنشا اس تالیف کا یہ ہے کہ سنہ ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی، مطابق ایک ہزار دو سو سات سنہ فصلی کے، عہد میں اَشرفُ الاَشراف مارکوئس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگرداں ہے۔ جتنے وصف سرداروں کو چاہییں، اُن کی ذات میں خدا نے جمع کیے ہیں۔ غرض قسمت کی خوبی اس مُلک کی تھی، جو ایسا حاکم تشریف لایا، جس کے قدم کے فیض سے، ایک عالم نے آرام پایا۔ مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے؛ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں، سارے غریب و غُربا دُعا دیتے ہیں اور جیتے ہیں) چرچا علم کا پھیلا۔ صاحبانِ ذی شان کو شوق ہوا کہ اُردو کی زبان سے واقف ہو کر، ہندستانیوں سے گفت و شنود کریں، اور مُلکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں؛ اس واسطے کتنی کتابیں اِسی سال، بہ موجب فرمایش کے تالیف ہوئیں۔

جو صاحب، دانا اور ہندُستان کی زبان بولنے والے ہیں، اُن کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں: کہ یہ قصہ چار درویش کا، ابتدا میں امیر خُسرو دہلوی نے اس تقریب

سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش، جو اُن کے پیر تھے، اور درگاہ اُن کی دلّی میں قلعے سے تین کوس، لال دروازے کے باہر، مٹیا دروازے سے آگے، لال بنگلے کے پاس ہے؛ اُن کی طبیعت ماندی ہوئی؛ تب مُرشد کے دل بہلانے کے واسطے، امیر خسرو یہ قصّہ ہمیشہ کہتے اور بیمار داری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی۔ تب اُنھوں نے غسلِ صحّت کے دن یہ دُعا دی، کہ جو کوئی اِس قصّے کو سُنے گا، خدا کے فضل سے تن دُرُست رہے گا۔ جب سے یہ قصّہ فارسی میں مُروّج ہوا۔

اب خُداوندِ نعمت، صاحبِ مُروّت، نجیبوں کے قُدردان، جان گلکرسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے، جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اِس قصّے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو۔ مُوافق حکمِ حُضور کے، میں نے بھی اِسی محاورے سے لکھنا شُروع کیا، جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

پہلے اپنا احوال یہ عاصی، گنہ گار میر امّن دِلّی والا بیان کرتا ہے کہ: میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے، ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں، پُشت بہ پُشت جاں فشانی بجا لاتے رہے اور وہ بھی پرورش کی نظر سے، قدردانی جتنی چاہیے، فرماتے رہے۔ جاگیر و مَنصَب اور خِدمات کی عنایات سے سَرفراز کر کر، مالا مال اور نہال کر دیا، اور خانہ زادِ موروثی اور منصب دارِ قدیمی، زُبانِ مُبارک سے فرمایا؛ چناں چہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا۔

جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اُس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے، عیاں راچہ بیاں؛ تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا، اور احمد شاہ دُرّانی نے گھر بار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر، ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے، اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلا وطن ہوا، اور ایسا جہاز (کہ جس کا ناخُدا بادشاہ تھا) غارت ہوا۔ میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے؛ کتنے برس بلدۂ عظیم آباد میں دم لیا، کچھ بنی کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اُکھڑے، روزگار

نے مُوافقت نہ کی، عیال و اطفال کو چھوڑ کر، تن تنہا کشتی پر سوار ہو، اشرف البلاد کلکتے میں آب و دانے کے زور سے آ پہنچا۔ چندے بے کاری گزری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بُلوا کر، اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مُقرّر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا، لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادُر علی جی کے وسیلے سے، حُضور تک جان گلکرسٹ صاحب بہادُر دام اِقبالہٗ کے رسائی ہوئی۔ بارے، طالع کی مدد سے ایسے جواں مرد کا دامن ہاتھ لگا ہے، چاہیے کہ دن کچھ بھلے آویں؛ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر، پانو پھیلا کر سو رہتا ہوں، اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر، دُعا اُس قدر دان کی کرتے ہیں، خدا قبول کرے۔

حقیقت اُردو کی زُبان کے بزرگوں کے مُنہ سے یوں سُنی ہے کہ دلّی شہر ہندوؤں کے نزدیک چَوجُگی ہے۔ انھیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا۔ پھر غوری اور لُودی بادشاہ ہوئے۔ اس آمد و رفت کے باعث، کچھ زُبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے۔) ہندُستان کو لیا۔ اُن کے آنے اور رہنے سے، لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا؛ اس واسطے شہر کا بازار اُردو کہلایا۔ پھر ہمایوں بادشاہ، پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہو کر چلے گئے۔ آخر وہاں سے آن کر، پس ماندوں کو گوش مالی دی، کوئی مُفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے، تب چاروں طرف کے مُلکوں سے سب قوم، قدر دانی اور فیض رسانی اِس خاندانِ لاثانی کی سُن کر، حُضور میں آکر جمع ہوئے؛ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُدی جُدی تھی؛ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سُلف، سوال جواب کرتے، ایک زُبان اُردو کی مقرر ہوئی۔

جب حضرت شاہ جہاں صاحب قِران نے قلعۂ مُبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا اور تختِ طاؤس میں جواہر جڑوایا اور دَل بادل سا خیمہ، چوبوں پر استاد کر،

طنابوں سے کھنچوایا اور نواب علی مردان خاں نہر کو لے کر آیا۔ تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا۔ تب سے شاہ جہاں آباد مشہور ہوا (اگرچہ دلی جُدی ہے، وہ پُرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اُردوے معلّٰی خطاب دیا۔

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت، بلکہ احمد شاہ اور عالم گیر ثانی کے وقت تک، پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی؛ ندان زبان اُردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اُس سے ٹکّر نہیں کھاتی، لیکن قدر دانِ منصف چاہیے جو تجویز کرے۔ سو اب خدا نے بعد مدّت کے، جان گلکرسٹ صاحب سا دانا، نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور لگت سے اور تلاش و محنت سے، قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سبب سے ہندستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا اور نئے سر سے رونق زیادہ ہوئی؛ نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی بُرا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھیے، تو شہر والے کو نام رکھتا ہے اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر، عاقلاں خود میدانند۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے، کوئی وارث اور مالک مُلک کا نہ رہا۔ شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے۔ بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی؛ ایک بارگی تباہی پڑی، رئیس وہاں کے، میں کہیں تم کہیں ہو کر جہاں جس کے سینگ سمائے وہاں نکل گئے۔ جس مُلک میں پہنچے، وہاں کے آدمیوں کی ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا۔ اور بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلّی میں گئے اور رہے، وہ بھی کہاں تلک بول سکیں گے، کہیں نہ کہیں چُوک ہی جائیں گے۔ اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر، دلّی کا روڑا ہو کر رہا، اور دس پانچ پشتیں اُسی شہر میں گزریں، اور اُس نے دربار اُمراؤں کے، اور میلے ٹھیلے، عُرس، چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اُس شہر کی مدّت تلک کی ہو گی، اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہو گا، اُس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا، یہاں تلک پہنچا ہے۔

شروع قصّے کا

اب آغاز قصّے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سُنو اور مُنصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے، کہ آگے، روم کے مُلک میں کوئی شہنشاہ تھا، کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت، اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت، اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اُس کا پائے تخت تھا۔ اُس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مُرفّہ، غریب غُربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات تھی، اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اُٹھائی گیرے، دغاباز تھے، سب کو نیست و نابود کر کر، نام و نشان اُن کا اپنے مُلک بھر میں نہ رکھّا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دُکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی، مسافر، جنگل میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے؛ کوئی نہ پوچھتا کہ تمھارے مُنہ میں کے دانت ہیں، اور کہاں جاتے ہو؟

اُس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے، اور کئی سُلطان نعل بندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت، پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام جو دنیا کا چاہیے سب موجود تھا؛ لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے، اُس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اِس خاطر اکثر فکر مند رہتا، اور پانچوں وقت کی نماز کے

بعد اپنے کریم سے کہتا کہ "اے اللہ! مجھ عاجز کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اِس اندھیرے گھر کا دِیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں، اور تیرے خزانۂ غیب میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے، تو میرا نام اور اِس سلطنت کا نشان قائم رہے۔"

اِسی اُمّید میں بادشاہ کی عُمر چالیس برس کی ہو گئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر، وظیفہ پڑھ رہے تھے؛ ایک بارگی آئینے کی طرف جو خیال کرتے ہیں، تو ایک سفید بال مونچھوں میں نظر آیا، کہ مانند تارِ مُقیّش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آب دیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا کہ افسوس! تو نے اِتنی عمر ناحق برباد کی، اور اِس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اِتنا مُلک جو لیا، اب تیرے کس کام آوے گا؟ آخر یہ سارا مال و اسباب کوئی دوسرا اُڑا دے گا۔ تجھے تو پیغام موت کا آ چکا، اگر کوئی دن جیے بھی، تو بدن کی طاقت کم ہو گی۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارثِ چھتّر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے، اِس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اِسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جا کر، سب مُجرائیوں کو جواب دے کر، فرمایا کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے، سب دیوانِ عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مُستعد رہیں۔ یہ کہہ کر، آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مُصلّا بچھا کر، عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اِسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے، شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھوہارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے اور تمام دن رات جا نماز پر پڑے رہتے۔ اِس بات کا باہر چرچا پھیلا، رفتہ رفتہ تمام مُلک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر، گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیموں اور مُفسدوں نے سر اُٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا مُلک دبا لیا اور سرانجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے، اُن کے حکم میں خللِ عظیم

واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی۔ درباری اُمرا جتنے تھے، جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

آخر یہ تجویز ٹھہری، کہ نوّاب وزیر، عاقل اور دانا ہے، اور بادشاہ کا مُقرّب اور مُعتمد ہے، اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے، اُس کی خدمت میں چلیں، دیکھیں، وہ کیا مناسب جان کر کہتا ہے۔ سب عُمدہ، امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا: بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت، اگر چندے اور تغافُل ہوا تو اس محنت کا مُلک لیا ہوا، مُفت میں جاتا رہے گا، پھر ہاتھ آنا بہت مُشکل ہے۔ وزیر پُرانا، قدیم نمک حلال اور عقل مند نام بھی خرد مند، اِسم بامُسمّیٰ تھا، بولا: اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے، لیکن تم چلو، میں بھی چلتا ہوں، خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے، جو رُو بہ رُو بُلاوے۔ یہ کہہ کر، سب کو اپنے ساتھ دیوانِ عام تک لایا، اُن کو وہاں چھوڑ کر، آپ دیوانِ خاص میں آیا، اور بادشاہ کی خدمت میں محلّی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ پیر غلام حاضر ہے، کئی دنوں سے جمالِ جہاں آرا نہیں دیکھا، اُمّیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر، قدم بوسی کروں، تو خاطر جمع ہو۔ یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سُنی، از بس کہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جاں نثاری اُس کی جانتے تھے، اور اکثر اُس کی بات مانتے تھے، بعد تامّل کے فرمایا: خرد مند کو بُلا لو۔ بارے جب پروانگی ہوئی، وزیر حُضور میں آیا، آداب بجا لایا، اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجب صورت بن رہی ہے کہ زار بہ زار رونے اور دُبلاپے سے، آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

خرد مند کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اُس کا اُٹھایا اور فرمایا: لو، مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ، تم سلطنت کرو۔ خرد مند سُن کر، ڈاڑھ مار کر رو دیا اور عرض کی: غُلام کو آپ کے تصدُّق اور سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت مُیسّر ہے، لیکن جہاں پناہ کی یک بہ یک اِس طرح کی گوشہ گیری سے تمام مُلک میں تہلکہ پڑ گیا ہے، اور انجام اِس کا اچّھا نہیں۔ یہ کیا خیال مزاجِ مبارک میں آیا؟ اگر اِس خانہ زادِ موروثی کو بھی محرم اِس راز کا کیجیے

تو بہتر ہے، جو کچھ عقلِ ناقص میں آوے، التماس کرے۔ غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اِسی دن کے واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں، اور نمک پروردے تدبیریں مُلک کی رہیں۔ خدانہ خواستہ، جب فکرِ مزاجِ عالی کے لاحق ہوئی، تو بندہ ہاے بادشاہی کس دن کام آویں گے؟ بادشاہ نے کہا: سچ کہتا ہے؛ پر، جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سُو تدبیر سے باہر ہے۔

سُن اے خرد مند! میری ساری عُمر اِسی مُلک گیری کے دردِ سر میں کٹی، اب یہ سِن و سال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اُس کا بھی پیغام آیا کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مَثَل ہے: ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں؟ اب تلک ایک بیٹا پیدا نہ ہوا۔ جو میری خاطر جمع ہوتی، اِس لیے دل سخت اُداس ہوا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا؛ جس کا جی چاہے، مُلک لے یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں۔ بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ سب چھوڑ چھاڑ کر، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں، اور مُنہ اپنا کسو کو نہ دکھاؤں، اِسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا تو وہاں بیٹھ کر، بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤں گا۔ شاید عاقبت بہ خیر ہو۔ اور دُنیا کو تو خوب دیکھا، کچھ مزا نہ پایا۔ اِتنی بات بول کر، اور ایک آہ بھر کر، بادشاہ چُپ ہوئے۔

خرد مند اُن کے باپ کا وزیر تھا، جب یہ شہ زادے تھے، تب سے محبّت رکھتا تھا۔ علاوہ، دانا اور نیک اندیش تھا، کہنے لگا: خدا کی جناب سے نااُمید ہونا ہرگز مناسب نہیں۔ جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حُکم میں پیدا کیا، تمھیں اولاد دینی اُس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے؟ قبلۂ عالم! اِس تصوّرِ باطل کو دل سے دور کرو، نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جاوے گا، اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقّت سے تمھارے بُزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے؟ ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی، اور بے خبری سے مُلک ویران ہو جائے گا۔ خدانہ خواستہ بدنامی حاصل ہوگی۔ اِس پر بھی باز پُرس روزِ قیامت کی ہوا چاہے، کہ تجھے بادشاہ بنا کر، اپنے بندوں کو

تیرے حوالے کیا تھا، تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا اور رعیّت کو حیران و پریشان کیا!
اِس سوال کا کیا جواب دو گے؟ پس عبادت بھی اُس روز کام نہ آوے گی، اِس واسطے
کہ آدمی کا دِل خُدا کا گھر ہے۔ اور بادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔
غلام کی بے اَدَبی مُعاف ہو، گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا، کام جوگیوں اور
فقیروں کا ہے، نہ کہ بادشاہوں کا۔ تم اپنے جوگا کام کرو، خدا کی یاد اور بندگی، جنگل
پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ نے یہ بیت سُنی ہوگی ؎

خدا اِس پاس، یہ ڈھونڈے جنگل میں
ڈھنڈورا شہر میں، لڑکا بغل میں

اگر مُنصفی فرمائیے، اور اِس فدوی کی عرض قبول کیجیے، تو بہتر یوں ہے کہ جہاں
پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر، دُعا مانگا کریں۔ اُس کی
درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بند و بست مُلک کا اور اِنصاف، عدالت غُربا
کی فرمائیں، تو بندے خدا کے، دامنِ دولت کے سایے میں اَمن و اَمان خوش گزراں
رہیں۔ اور رات کو عبادت کیجیے، اور دُرود پیمبر کی روحِ پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ
نشین، متوکّلوں سے مدد لیجیے۔ اور روز، راتب یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں، اور
رانڈ بیواؤں کو کر دیجیے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے، خدا چاہے
تو اُمّید قوی ہے کہ تمھارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں۔ اور جس
واسطے مزاجِ عالی مُکدّر ہو رہا ہے، وہ آرزو بر آوے، اور خوشی خاطر شریف کو ہو
جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے، کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے، سو کرتا
ہے۔ بارے، خرد مند وزیر کے ایسی ایسی عرض و معروض کرنے سے، آزاد بخت کے
دِل کو ڈھارس بندھی۔ فرمایا: اچھا، تو جو کہتا ہے، بھلا یہ بھی کر دیکھیں، آگے
جو اللہ کی مرضی ہے، سو ہوگا۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلّی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر وزیر
کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اس نے عرض کی کہ سب ارکانِ دولت، قبلۂ عالم

کے جان و مال کو دُعا کرتے ہیں، آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں، جمالِ مُبارک اپنا دکھائیے تو سب کی خاطر جمع ہووے، چناں چہ اس وقت دیوانِ عام میں حاضر ہیں۔ یہ سُن کر بادشاہ نے حکم کیا: اِنشاءاللہ تعالےٰ کل دربار کروں گا، سب کو کہہ دو، حاضر رہیں۔ خرد مند یہ وعدہ سُن کر خوش ہوا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا دی کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں، تمھارا تاج و تخت قائم رہے۔ اور حُضور سے رُخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا، اور یہ خوش خبری اُمراؤں سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے۔ سارے شہر میں آنند ہو گئی۔ رعیّت پرجا مگن ہوئی کہ کل بادشاہ دربارِ عام کرے گا۔ صبح کو سب خانہ زاد اعلا و ادنا اور ارکانِ دولت چھوٹے بڑے، اپنے اپنے پایے اور مرتبے پر آ کر کھڑے ہوئے، اور منتظرِ جلوۂ بادشاہی کے تھے۔

جب پہر دن چڑھا، ایک بارگی پردہ اُٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہو کر، تختِ مُبارک پر جُلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں نے نذریں مُبارک بادی کی گزرانیں۔ اور مُجرے گاہ میں تعلیمات کورنشات بجا لائے۔ مُوافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی۔ سب کے دِل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دوپہر ہوئی، برخاست ہو کر اندرونِ محل داخل ہوئے، خاصّہ نوش جان فرما کر، خواب گاہ میں آرام کیا۔ اُس دن سے بادشاہ نے یہی مقرّر کیا کہ ہمیشہ صُبح کو دربار کرنا، اور تیسرے پہر کتاب کا شغل یا وِرد وظیفہ پڑھنا، اور خدا کی درگاہ میں توبہ اِستغفار کر کر، اپنے مطلب کی دعا مانگنی۔

ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا، کہ اگر کسو شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو کہ اُس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے، تو چاہیے کہ تقدیر کے حوالے کرے، اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے، دُرود طُفیل پیغمبر کی روح کے، اُن کو بخشے، اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر، دِل کو اس غفلتِ دُنیاوی سے ہُشیار رکھے، اور عبرت سے رووے، اور خدا کی قدرت کو دیکھے، کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحبِ مُلک و خزانہ اِس زمین پر پیدا ہوئے؟ لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردِش میں لا کر،

خاک میں مِلا دیا۔ یہ کہاوت ہے ؎

چلتی چکّی دیکھ کر، دیا کبیرا رو

دو پاٹن کے بیچ آ، ثابت گیا نہ کو

اب جو دیکھیے، سوائے ایک مٹّی کے ڈھیر کے، اُن کا کچھ نشان باقی نہیں رہا، اور سب دولتِ دُنیا، گھر بار، آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر، اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب اِن کے کچھ کام نہ آیا، بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یے کون تھے اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ کیڑے مکوڑے، چیونٹے، سانپ اُن کو کھا گئے، یا اُن پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی ہے باتیں اپنے دل میں سوچ کر، ساری دُنیا کو کھیلنے کا کھیل جانے، تب اُس کے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رہے گا، کسو حالت میں پژمردہ نہ ہوگا۔ یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی، بادشاہ کو خرد مند وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اِس پر عمل کروں، لیکن سوار ہو کر اور بھیڑ بھاڑ لے کر، بادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا، مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر، رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی مردِ خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں، اور شب بیدار رہوں، شاید اِن مردوں کے وسیلے سے، دُنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسّر ہو۔

یہ بات دل میں مقرر کر کر، ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر، کچھ روپے اشرفی لے کر، چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی۔ جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے، نہایت صدقِ دل سے درود پڑھ رہے تھے، اور اُس وقت بادِ تُند چل رہی تھی، بلکہ آندھی کہا چاہیے۔ ایک بارگی بادشاہ کو دُور سے ایک شعلہ سا نظر آیا، کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے۔ دِل میں اپنے خیال کیا کہ اِس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتّی کے آس پاس چھڑک دیجیے، تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گُل نہ ہوگا۔ یا کسو ولی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے۔ جو کچھ ہو سو ہو،

چل کر دیکھا چاہیے، شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو، اور دل کی مُراد ملے۔ یہ نیّت کر کے اُس طرف کو چلے۔ جب نزدیک پہنچے، دیکھا تو چار فقیر بے نوا، کفنیاں گلے میں ڈالے اور سر زانو پر دھرے، عالمِ بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں، اور اُن کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے مُلک اور قوم سے بچھڑ کر، بے کسی اور مُفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر، حیران رہ جاتا ہے؛ اسی طرح سے یے چاروں نقشِ دیوار ہو رہے ہیں۔ اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے، ہرگز ہوا اُس کو نہیں لگتی، گویا فانوس اُس کی آسمان بنا ہے کہ بے خطرے جلتا ہے۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مُقرّر تیری آرزو اِن مردانِ خدا کے قدم کی برکت سے بر آوے گی، اور تیری اُمّید کا سوکھا درخت اِن کی توجّہ سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ اِن کی خدمت میں چل کر اپنا احوال کہہ، اور مجلس کا شریک ہو، شاید تجھ پر رحم کھا کر دُعا کریں، جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو۔ یہ ارادہ کر کر، چاہا کہ قدم آگے دھرے؛ وہیں عقل نے سمجھایا کہ اے بے وقوف! جلدی نہ کر، ذرا دیکھ لے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں، اور کیدھر جاتے ہیں؟ کیا جانیں، یے دیو ہیں یا غولِ بیابانی ہیں کہ آدمی کی صورت بن کر باہم مل بیٹھے ہیں۔ بہر صورت جلدی کرنا اور اُن کے درمیان جا کر مُخِل ہونا، خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے میں چھپ کر، حقیقت اِن درویشوں کی جانا چاہیے۔ آخر بادشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں اُس مکان کے چُپکا جا بیٹھا کہ کسو کو اُس کے آنے کی آہٹ کی خبر نہ ہوئی، اپنا دھیان اُن کی طرف لگایا کہ دیکھیے آپس میں کیا بات چیت کرتے ہیں۔

اِتّفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی، شکر خدا کا کیا۔ وہ تینوں قلندر اُس کی آواز سے چونک پڑے، چراغ کو اُکسایا، شِتاب نور روشن تھا، اپنے اپنے بستروں پر حُقّے بھر کر پینے لگے۔ ایک اُن آزادوں میں سے بولا: "اے یارانِ ہمدرد و رفیقانِ جہاں گرد! ہم چار صورتیں، آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے، دربدر خاک بسر ایک مُدّت پھریں۔ الحمدُ لِلّٰہ! کہ طالع کی مدد اور قسمت کی

یاوری سے، آج اس مقام پر باہم ملاقات ہوئی، اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے؛ ایک مُکت رہیں یا جُدا جُدا ہو جاویں۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے، ابھی سے پڑ پڑ رہنا خوب نہیں، اس سے یہ بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگذشت، جو اس دنیا میں جس پر بیتی ہو (بشرطے کہ جھوٹھ اس میں کوڑی بھر نہ ہو) بیان کرے تو باتوں میں رات کٹ چلے۔ جب تھوڑی شب باقی رہے، تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔" سبھوں نے کہا: یا ہادی! جو کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہم نے قبول کیا؛ پہلے آپ ہی اپنا احوال (جو دیکھا ہے) شروع کیجیے، تو ہم مستفید ہوں۔

سیر پہلے درویش کی

پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصّہ اِس طرح سے کہنے لگا: یا معبود اللہ! ذرا اِدھر مُتوجّہ ہو، اور ماجرا اِس بے سروپا کا سنو!

یہ سرگُذشت میری ذرا کان دھر سُنو!	مجھ کو فلک نے کر دیا زیر و زبر، سُنو!
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شِدّت مرے تئیں	اُس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بہ سر سُنو!

اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا مُلکِ یمن ہے۔ والد اِس عاجز کا مَلِکُ التُجّار خواجہ احمد نام، بڑا سوداگر تھا۔ اُس وقت میں کوئی مہاجن یا بیوپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گُماشتے خرید و فروخت کے واسطے مُقرّر تھے، اور لاکھوں روپے، نقد اور جنس مُلک مُلک کی، گھر میں موجود تھی۔ اُن کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک تو یہی فقیر، جو کفنی سیلی پہنے ہوئے مُرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے؛ دوسری ایک بہن، جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچّے سے شادی کر دی تھی، وہ اپنی سُسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اِتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اُس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چُوز سے ماں باپ کے سایے میں پرورش پائی، اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب و فن، سوداگری کا بہی کھاتا، روزنامہ، سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت

خوشی اور بے فکری میں گزرے، کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال ہی والدین قضاے الٰہی سے مر گئے۔

عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں کر سکتا۔ ایک بارگی یتیم ہو گیا۔ کوئی سر پر بُوڑھا نہ رہا۔ اس مصیبتِ ناگہانی سے رات دن رویا کرتا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کر کٹے، چہلم میں اپنے بیگانے، چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی اور سمجھایا: دُنیا میں سب کے ماباپ مرتے آئے ہیں، اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو، اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے۔ اپنے کاروبار، لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلّی دے کر وُے رخصت ہوئے۔ گماشتے، کاروباری، نوکر چاکر جتنے تھے، آن کر حاضر ہوئے۔ نذریں دیں اور بولے: کوٹھے نقد و جنس کے، اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجے۔ ایک بارگی جو اس دولتِ بے انتہا پر نگاہ پڑی، آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر؛ چھت، پردے، چلونیں تکلّف کی لگا دیں۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدار و نوکر رکھے، سرکار سے زرق برق پوشاکیں بنوا دیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے، بھانکڑے، مفت بر کھانے پینے والے، جھوٹے، خوشامدی، آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ اُن سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں اور زٹلیں واہی تباہی ادھر اُدھر کی کرتے، اور کہتے: اس جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب یا گل گلاب کھنچوائیے، نازنین معشوقوں کو بلوا کر، اُن کے ساتھ پیجیے اور عیش کیجیے۔

غرض، آدمی کا شیطان آدمی ہے؛ ہر دم کے کہنے سننے سے، اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب، ناچ، اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول کر، تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی، جو جس کے ہاتھ پڑا، الگ کیا، گویا لوٹ مچا دی۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیا خرچ ہوتا ہے، کہاں سے آیا اور کیدھر جاتا ہے؟ مالِ مفت دلِ بے رحم۔

اسی در خرچی کے آگے، اگر گنجِ قارون کا ہوتا، تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایک بارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دو آشنا، (جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنی ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے،) کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی، تو آنکھیں چُرا کر مُنہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہلیے، ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانی، سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا، جو کہے: یہ کیا تمھارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے، کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔

اب دمڑی کی ٹھڈیاں مُیسّر نہیں، جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑا کے کھینچے، تاب بھوکھ کی نہ لا سکا۔ لاچار، بے حیائی کا بُرقع مُنہ پر ڈال کر، یہ قصد کیا، بہن کے پاس چلیے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد، نہ بہن سے کچھ سُلوک کیا، نہ خالی خط لکھا، بلکہ اُس نے دو ایک خط خُطوط ماتم پرسی اور اِشتیاق کے جو لکھے، اُن کا بھی جواب اِس خوابِ خرگوش میں نہ بھیجا۔ اِس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے اُس گھر کے، اور کوئی ٹھکانہ نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں جوں پاپیادہ خالی ہاتھ، گرتا پڑتا، ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر، ہمشیر کے شہر میں جا کر، اُس کے مکان پر پہنچا۔

وہ ماں جائی، میرا یہ حال دیکھ کر، بلائیں لے اور گلے مل کر، بہت روئی۔ تیل ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کیے۔ کہنے لگی: اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا، لیکن بھیّا! تیری یہ کیا صورت بنی؟ اُس کا جواب مَیں کچھ نہ دے سکا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چُپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر، حمّام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلُّف کا میرے رہنے کو مُقرّر کیا۔ صبح کو شربت اور نُوزِیات، حلوا سوہن، پستہ مغزی ناشتے کو۔ اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری۔ اور رات دن دونوں وقت پُلاو، نان، قلیے، کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر، اپنے رُو بہ رُو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطر داری کرتی۔

میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا، خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجا لایا۔ کئی مہینے اِس فراغت سے گزرے کہ پانو اُس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن (جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی) کہنے لگی: اے بیرن تو میری آنکھوں کی پُتلی اور ما باپ کی موئی مٹّی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا، لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لیے بنایا ہے، گھر میں بیٹھے رہنا اُن کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹّو ہو کر گھر سیتا ہے، اُس کو دُنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں خصوص اِس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمھارے رہنے پر کہیں گے: اپنے باپ کی دولتِ دُنیا کھو کھا کر، بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمھاری ہنسائی اور ما باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں، اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح ہے کہ سفر کا قصد کرو۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اُس حیرانی اور مُفلسی کے بدلے، خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔

یہ بات سُن کر مجھے بھی غیرت آئی، اُس کی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا: اچھا، اب تم ما کی جگہ ہو، جو کہو سو کروں۔ یہ میری مرضی پا کر، گھر میں جا کے، پچاس تُوڑے اشرفی کے اصیل اور لونڈیوں کے ہاتھوں میں لوا کر، میرے آگے لا رکھے اور بولی: ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے، تم اِن روپیوں سے جنسِ تجارت کی خرید کرو، ایک تاجر ایمان دار کے حوالے کر کے، دستاویز پکّی لکھوا لو، اور آپ بھی قصدِ دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو، یا آپ بیچیو۔

میں وہ نقد لے کر بازار میں گیا، اسباب سوداگری کا خرید کر کر، ایک بڑے سوداگر کے سپُرد کیا۔ نوشت و خواند سے خاطر جمع کر لی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رُخصت ہونے لگا، بہن نے ایک سِرے پا وبھاری اور ایک

گھوڑا اجڑا و ساز سے تواضع کیا، اور مٹھائی پکوان ایک خاص دان میں بھر کر، ہرنے سے لدا دیا اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوا دی، امام ضامن کا روپیا میرے بازو پر باندھا، دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر، آنسو پی کر، بولی: سدھارو! تمھیں خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو، اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔ میں نے فاتحۂ خیر کی پڑھ کر کہا: تمھارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا۔ وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور خدا کے توکّل پر بھروسا کر کے، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا، بہت رات جا چکی تھی۔ دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منّت کی کہ مسافر ہوں، دور سے دھاوا مارے آتا ہوں؛ اگر کواڑ کھول دو، شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے گھُڑک کر بولے: اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں، کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟ جب میں نے جواب صاف اُن سے سُنا، شہر پناہ کی دیوار کے تلے، گھوڑے پر سے اُتر، زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جس وقت آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہوئی، سُنسان ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر، خزانہ غیب سے عنایت کیا۔ جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا، ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا۔ دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اُسے کھولا، ایک معشوق، خوب صورت، کامنی سی عورت، جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے، گھایل، لہو میں تربہ تر، آنکھیں بند کیے پڑی کلبلاتی ہے، آہستہ آہستہ ہونٹ ہلتے ہیں، اور یہ آواز منہ سے نکلتی ہے: اے کم بخت، بے وفا! اے ظالم، پُر جفا! بدلا اُس بھلائی اور محبّت کا یہی تھا جو تو نے کیا؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا، میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا۔ یہ کہہ کر، اُسی بے ہوشی کے عالم میں دوپٹے کا آنچل منہ پر لے لیا، میری طرف دھیان نہ کیا۔

فقیر اُس کو دیکھ کر اور یہ بات سُن کر، سُن ہوا۔ جی میں آیا، کسی بے حیا ظالم

کیوں ایسے نازنین صنم کو زخمی کیا، کیا اُس کے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اِس پر کیوں کر چلایا؟ اِس کے دِل میں تو محبّت اب تلک باقی ہے جو اِس جاں کَندنی کی حالت میں اُس کو یاد کرتی ہے۔ میں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا، آواز اُس کے کان میں گئی۔ ایک مرتبہ کپڑا مُنہ سے سرکا کر مجھ کو دیکھا۔ جس وقت اُس کی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں، مجھے غش آنے اور جی سَنسنانے لگا۔ بہ زورِ اپنے تئیں تھانبا، جرأت کر کے پوچھا: سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے؟ اگر بیان کرو تو میرے دل کو تسلّی ہو۔ یہ سُن کر، اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی، آہستے سے کہا: شُکر ہے، میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے، کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں، جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے جواں مَردی کر کے، مجھ بدبخت کو اِسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو، تو مَیں بھلے بُرے کی زُبان سے نجات پاؤں اور تو داخل ثواب کے ہو۔ اِتنا بول کر چُپ ہو ئی۔

رات کو مجھ سے کچھ تدبیر نہ ہو سکی۔ وہ صندوق اپنے پاس اُٹھا لایا اور گھڑیاں گِننے لگا کہ کب اِتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جا کر جو کچھ علاج اِس کا ہو سکے، بہ مقدور اپنے کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دِل گھبرا گیا۔ بارے خُدا خُدا کر، صبح جب نزدیک ہوئی، مُرغ بولا، آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے فجر کی نماز پڑھ کر، صَندوق کو خُورجی میں کسا، جو نہیں دروازہ شہر کا کھُلا، میں شہر میں داخل ہوا۔ ہر ایک آدمی اور دُکان دار سے حویلی کرایے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک مکان خوش قطع، نیا، فراغت کا، بھاڑے لے کر جا اُترا۔ پہلے اُس معشوق کو صندوق سے نکال کر، روئی کے پہلوں پر مُلائم بچھونا کر کے، ایک گوشے میں لِٹایا۔ اور آدمی اِعتباری وہاں چھوڑ کر، فقیر، جرّاح کی تلاش میں نِکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اِس شہر میں جرّاح کاری گر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: ایک حجّام جرّاحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں یکتا ہے، اور اِس کام میں نہایت پکّا ہے۔ اگر مُردے کو اُس پاس لے جاؤ، خدا کے حُکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار

وہ بھی جی اُٹھے۔ وہ اُس محلّے میں رہتا ہے اور عیسٰی نام ہے۔

میں یہ مژدہ سُن کر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے، پتے سے اُس کے دروازے پر پہنچا۔ ایک مردِ سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا، اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لیے کچھ ہیں پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا: میں تمھارا نام اور خوبیاں سُن کر آیا ہوں۔ ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے مُلک سے تجارت کے لیے چلا، قبیلے کو بہ سبب محبّت کے ساتھ لیا۔ جب نزدیک اِس شہر کے آیا، تھوڑی سی دور رہا تھا جو شام پڑ گئی، اَن دیکھے مُلک میں رات کو چلنا مُناسب نہ جانا، میدان میں ایک درخت کے تلے اُتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا، جو کچھ مال اسباب پایا لوٹ لیا۔ گہنے کے لالچ سے اُس بی بی کو بھی گھائل کیا، مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ رات جو باقی تھی، جوں توں کر کاٹی، فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرایے لیا۔ اُن کو وہاں رکھ کر، میں تمھارے پاس دوڑا آیا ہوں۔ خدا نے تمھیں یہ کمال دیا ہے، اِس مسافر پر مہربانی کرو، غریب خانے تشریف لے چلو، اُس کو دیکھو، اگر اس کی زندگی ہوئی تو تمھیں بڑا جس ہوگا" اور میں ساری عمر غُلامی کروں گا۔ عیسٰی جرّاح بہت رحم دل اور خُدا پرست تھا، میری غریبی پر ترس کھا کر، میرے ساتھ اُس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلّی کی، بولا کہ خدا کے کرم سے اِس بی بی کے زخم چالیس دن میں بھر آویں گے، غُسلِ شفا کا کروا دوں گا۔

غرض اُس مردِ خُدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف کیا۔ جو لائق ٹانکوں کے پائے، اُنھیں سیا۔ باقی گھاؤں پر، اپنے کھیسے سے ایک ڈبیا نکال کر کتنوں میں بتّی رکھی، اور کتنوں پر پھاہے چڑھا کر، پٹّی سے باندھ دیا اور نہایت شفقت سے کہا: میں دونوں وقت آیا کروں گا، تو خبردار رہیو، ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکیں ٹوٹ جائیں۔ مُرغ کا شوربا بجائے غذا، اُس کے حلق میں، چوائیو، اور اکثر عرقِ بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجو، جو قوّت رہے۔ یہ کہہ کر رخصت چاہی۔ میں نے بہت منّت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا: تمھارے تشفّی دینے سے میری بھی زندگی ہوئی،

نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا۔ خدا تمھیں سلامت رکھے۔ عطر پان دے کر رخصت کیا۔ میں رات دن خدمت میں اُس پری کی حاضر رہتا، آرام اپنے اوپر حرام کیا۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اُس کے چنگے ہونے کی دُعا مانگتا۔

اِتّفاقاً وہ سوداگر بھی آپہنچا، اور میرا مالِ امانت میرے حوالے کیا۔ میں نے اُسے اونے پونے بیچ ڈالا، اور دارُو دَرمن میں خرچ کرنے لگا۔ وہ مردِ جرّاح ہمیشہ آتا جاتا۔ تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے غسلِ شفا کا کیا۔ عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عیسئی حجّام کے آگے دھریں، اور اُس پری کو مکلّف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا۔ فقیر غریبوں کو بہت سی خیرات کی، اُس دن گویا بادشاہت ہفت اِقلیم کی اِس فقیر کے ہاتھ لگی۔ اور اُس پری کا شِفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کُندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اُس کے جمال پر ٹھہرے۔ فقیر بہ سَر و چشم اُس کے حکم میں حاضر رہتا۔ جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے حسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی: خبردار اگر تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دَم نہ ماریو۔ جو ہم کہیں، سو بلا عذر کیے جائیو، اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو، نہیں تو پچتاوے گا۔ اُس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق میری خدمت گزاری اور فرماں برداری کا اُسے البتہ منظور ہے۔ فقیر بھی اُس کی بے مرضی ایک کام نہ کرتا، اُس کا فرمانا بہ سَر و چشم بجا لاتا۔

ایک مدّت اِسی راز و نیاز میں کٹی، جو اُس نے فرمایش کی، وُہیں میں نے لا کر حاضر کی۔ اِس فقیر پاس جو کچھ جنس اور نقد، اصل و نفع کا تھا۔ سب صَرف ہوا۔ اُس بیگانے مُلک میں کون اِعتبار کرے جو قرض دام سے کام چلے؟ آخر تکلیف روز مرّے کے خرچ کی ہونے لگی، اِس سے دِل بہت گھبرایا، فکر سے دُبلا ہوتا چلا، چہرے کا رنگ کُمھلا ہو گیا، لیکن کس سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گزرے سو گزرے، قہرِ درویش برجانِ درویش۔ ایک دن اُس پری نے اپنے شعور سے دریافت کر کے کہا: اے فلانے! تیری

خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقشِ کالحجر ہے، پر اُس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اگر واسطے خرچ ضروری کے کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر، ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر۔ میں نے تب معلوم کیا، کسی مُلک کی بادشاہ زادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے۔ فی الفور قلم دان آگے رکھ دیا۔ اُس نازنین نے ایک شُقّہ دستخطِ خاص سے لکھ کر، میرے حوالے کیا اور کہا: قلعے کے پاس ترپولیا ہے، وہاں اُس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ہے، اُس مکان کے مالک کا نام سیدی بہار ہے۔ تو جا کر اس رقعے کو اُس تلک پہنچا دے۔

فقیر مُوافق فرمانے اُس کے، اُسی نام و نشان پر منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔ دربان کی زُبانی کیفیت خط کی کہلا بھیجی۔ وہیں سنتے ہی، ایک حبشی جوان خوب صورت، ایک پھینٹا طرح دار سجے ہوئے، باہر نکل آیا۔ اگرچہ رنگ سانولا تھا، پر گویا تمام نمک بھرا ہوا۔ میرے ہاتھ سے خط لے لیا، نہ بولا، نہ کچھ پوچھا۔ اُنھیں قدموں پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں سر بہ مُہر، زربفت کے تورہ پوش پڑے ہوئے، غلاموں کے سر پر دھرے باہر آیا۔ کہا: اِس جوان کے ساتھ جا کر، جو گوشے پہنچا دو۔ میں بھی سلام کر، رخصت ہو، اپنے مکان میں لایا۔ آدمیوں کو دروازے کے باہر سے رخصت کیا۔ دو کشتیاں امانت حضور میں اُس پری کے گزرانیاں۔ دیکھ کر فرمایا: یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کے لے اور خرچ میں لا، خدا رزّاق ہے۔ فقیر اس نقد کو لے کر، ضروریات میں خرچ کرنے لگا۔ اگرچہ خاطر جمع ہوئی، پر دل میں یہ خلش رہی، یا الٰہی! یہ کیا صورت ہے؟ بغیر پوچھے گچھے، اتنا مال، ناآشنا صورت اجنبی نے، ایک پُرزے کاغذ پہ میرے حوالے کیا۔ اگر اُس پری سے یہ بھید پوچھوں، تو اس نے پہلے ہی منع کر رکھا تھا۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ مَیلا ہو۔ اگرچہ پرانے کپڑے سے اُس کی آدمیت میں فرق نہیں آتا۔ پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا۔ دو توڑے اشرفی

کے ساتھ لے کر، چوک کے چوراہے پر، یوسف سوداگر کی دُکان میں جا، اور کچھ رقم جواہر کی بیش قیمت، اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ۔ فقیر وونہیں سوار ہو کر اُس کی دُکان پر گیا۔ دیکھا کہ ایک جوانِ شکیل، زعفرانی جوڑا پہنے گدّی پر بیٹھا ہے، اور اُس کا یہ عالم ہے کہ ایک عالم دیکھنے کے لیے دُکان سے بازار تک کھڑا ہے۔ فقیر کمالِ شوق سے نزدیک جا کر، سلامٌ علیک کر کر بیٹھا، اور جو جو چیز مطلوب تھی، طلب کی۔ میری بات چیت اُس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی۔ اُس جوان نے گرم جوشی سے کہا: جو صاحب کو چاہیے موجود ہے، لیکن یہ فرمائیے کس مُلک سے آنا ہوا؟ اور اِس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اِس حقیقت سے مُطّلع کیجیے تو مہربانی سے بعید نہیں۔ میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لے کر اور قیمت اُس کی دے کر، رخصت چاہی۔ اُس جوان نے روکھے پھیکے ہو کر کہا: اے صاحب! اگر تم کو ایسی ہی ناآشنائی کرنی تھی، تو پہلے دوستی اتنی گرمی سے کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اِس مزے اور انداز سے کہی، بے اختیار دل کو بھائی اور بے مُروّت ہو کر وہاں سے اُٹھنا، انسانیت کے مُناسب نہ جانا۔ اُس کی خاطر پھر بیٹھا اور بولا: تمھارا فرمانا سر آنکھوں پر، میں حاضر ہوں۔

اِتنے کہنے سے بہت خوش ہوا، ہنس کر کہنے لگا: اگر آج کے دن غریب خانے پر کرم کیجیے، تو تمھاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر، دو چار گھڑی دل بہلاویں، اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں۔ فقیر نے اُس پری کو کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا، اُس کی تنہائی یاد کر کر، چند در چند عُذر کیے، پر اُس جوان نے ہرگز نہ مانا۔ آخر، وعدہ اُن چیزوں کو پہنچا کر، میرے پھر آنے کا لے کر، اور قسم کھلا کر، رخصت دی۔ میں دُکان سے اُٹھ کر، جواہر اور خلعتیں اُس پری کی خدمت میں لایا۔ اُس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ میں نے سارا احوال مُول تُول کا، اور مہمانی کے بجِد ہونے کا کہہ سُنایا۔ فرمانے لگی: آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے، ہمیں خُدا کی نگہبانی میں چھوڑ کر، اپنے وعدے کو وفا کر۔ ضیافت قبول کرنی سُنّت رسول ؐ

کی ہے۔ تب میں نے کہا: میرا دل چاہتا نہیں کہ تمھیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں، اور حکم یوں ہوتا ہے، لاچار جاتا ہوں۔ جب تلک آؤں گا، دل یہیں لگا رہے گا۔ یہ کہہ کر، پھر اُس جوہری کی دُکان پر گیا۔ وہ مونڈھے پر بیٹھا میرا اِنتظار کھینچ رہا تھا۔ دیکھتے ہی بولا: آؤ مہربان! بڑی راہ دِکھائی۔

وُہیں اُٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا، جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا۔ وہ بڑی بہار کا باغ تھا، حوض اور نہروں میں فوّارے چھوٹتے تھے، میوے طرح بہ طرح کے پھل رہے تھے، ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا، رنگ بہ رنگ کے جانور اُن پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے، اور ہر مکانِ عالی شان میں فرش سُتھرا بچھا تھا۔ وہاں لبِ نہر ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد آپ اُٹھ کر چلا گیا، پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا۔ میں نے دیکھ کر کہا: سُبحانَ اللہ، چشم بد دور! یہ سُن کر مسکرایا اور بولا: مُناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں۔ اُس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے۔ اُس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی، اور سامان خوشی کا جیسا چاہیے موجود کیا، اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر کر، مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صُراحی و پیالہ بلّور کا لے کر حاضر ہوا، اور گزک کئی قسم کی لا رکھی، نمک دان چُن دیے، دَورِ شراب کا شروع ہوا، جب دو جام کی نوبت پہنچی، چار لڑکے اَمْرَد، صاحبِ جمال، زُلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے، گانے بجانے لگے۔ یہ عالَم ہوا اور ایسا سماں بندھا، اگر تان سین اُس گھڑی ہوتا تو اپنی تان بھول جاتا، اور بیجو باورا سُن کر باولا ہو جاتا۔ اِس مزے میں ایک بارگی وہ جوان آنسو بھر لایا، دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے، اور فقیر سے بولا: اب ہمارے تمھارے دوستی جانی ہوئی، پس دِل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسو مذہب میں درست نہیں۔ ایک بات بے تکلّف آشنائی کے بھروسے کہتا ہوں، اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بُلوا کر، اِس مجلس میں تسلّی اپنے دل کی کروں۔ اُس کی جُدائی سے جی نہیں لگتا۔

یہ بات ایسے اِشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دل بھی مشتاق ہوا۔ میں نے کہا: مجھے تمھاری خوشی درکار ہے، اِس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجیے، سچ ہے، معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اُس جوان نے چلون کی طرف اشارت کی، وُہیں ایک عورت کالی کلوٹی بھُتنی سی، جس کے دیکھنے سے انسان بے اَجَل مرجاوے، جوان کے پاس آ بیٹھی، فقیر اُس کے دیکھنے سے ڈر گیا۔ دل میں کہا: یہی بَلا، محبوبہ ایسے جوانِ پری زاد کی ہے، جس کی اِتنی تعریف اور اِشتیاق ظاہر کیا! میں لاحول پڑھ کر چُپ ہو رہا۔ اُسی عالَم میں تین دن رات مجلس شراب اور راگ رنگ کی جمی رہی۔ چوتھی شب کو غَلبہ نشے اور نیند کا ہُوا۔ میں خوابِ غفلت میں بے اِختیار سو گیا۔ جب صبح ہوئی، اُس جوان نے جگایا، کئی پیالے خُمار شکنی کے پلا کر، اپنی معشوقہ سے کہا: اب زیادہ تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں۔

دونوں ہاتھ پکڑ کے اُٹھے، میں نے رُخصت مانگی، خوشی بہ خوشی اجازت دی۔ تب میں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لیے، اپنے گھر کی راہ لی، اور اُس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اِتّفاق کبھو نہ ہوا تھا کہ اُسے تنہا چھوڑ کر، شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اِس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خَجِل ہو کر عُذر کیا، اور قصّہ ضیافت کا اور اُس کے نہ رخصت کرنے کا سارا عرض کیا۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی، تبسّم کر کے بولی: کیا مضایقہ، اگر ایک دوست کی خاطر رہنا ہوا؟ ہم نے مُعاف کیا، تیری کیا تقصیر ہے جب آدمی کسو کے گھر جاتا ہے، تب اُس کی مرضی سے پھر آتا ہے۔ لیکن یہ مُفت کی مہمانیاں کھا پی کر، چُپکے ہو رہو گے یا اِس کا بدلا بھی اُتارو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اُس سوداگر بچّے کو اپنے ساتھ لے آؤ، اور اُس سے دوچند ضیافت کرو۔ اور اسباب کا کچھ اَندیشہ نہیں، خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لَوازِمہ تیار ہو جائے گا۔ اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پاوے گی۔ فقیر مُوافق حُکم کے، جوہری کے پاس گیا اور کہا: تمھارا فرمانا میں تو سر آنکھوں سے بجا لایا، اب تم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو۔ اُس نے کہا: جان و دل سے حاضر ہوں۔

تب میں نے کہا: اگر اِس بندے کے گھر تشریف لے چلو، عین غریب نوازی ہے۔ اُس جوان نے بہت عُذر اور حیلے کیے، پر میں نے پِنڈ نہ چھوڑا! جب تلک وہ راضی ہوا، ساتھ ہی ساتھ اُس کو اپنے مکان پر لے چلا۔ لیکن راہ میں یہی فِکر کرتا آتا تھا کہ اگر آج اپنے تئیں مَقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا۔ اب میں اِسے لیے جاتا ہوں، دیکھیے کیا اِتّفاق ہوتا ہے، اسی حَیص بَیص میں گھر کے نزدیک پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے، گلیارے میں جھاڑو دے کر چھِڑکاو کیا ہے۔ یساوُل اور عصے بردار کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا، لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مُکلّف لائق ہر مکان کے جا بجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پان دان، گُلاب پاش، عِطر دان، پیک دان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھریں ہیں۔ طاقوں پر رنگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں رنگ بہ رنگ کی چُنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹّیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سَرو کنول کے روشن ہیں، اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں، اور جڑاو فانوسیں اوپر دھری ہیں۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مُستعِد ہیں۔ باورچی خانے میں دیگیں ٹھنٹھنا رہی ہیں۔ آب دار خانے کی ویسی ہی تیّاری ہے۔ کوری کوری ٹھلیاں، روپے کی گھڑونچیوں پر، صافیوں سے بندھی اور بُجھروں سے ڈھکی رکھّی ہیں۔ آگے چوکی پر ڈونگے، کٹورے، بہ مع تھالی، سَرپوش دھرے بَرف کے آب خورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صُراحیاں ہل رہی ہیں۔

غرض سب اَسباب بادشاہانہ موجود ہے، اور کنچنیاں، بھانڈ، بھگتیے، کلاونت، قوّال، اچھّی پوشاک پہنے، ساز کے سُر ملائے حاضر ہیں۔ فقیر نے اُس جوان کو لے جا کر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا اِلٰہی! اتنے عرصے میں یہ سب تیّاری کیوں کر ہوئی؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا، لیکن اُس پری کا نشان کہیں نہ پایا۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جا نکلا، دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کُرتی پانوؤں میں تہ پوشی، سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے، سادی خوزادی، بن گہنے پاتے

بنی ہوئی ہے ؎

نہیں محتاج زیور کا، جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوش نُما لگتا ہے دیکھو چاند، بِن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کی لگ رہی ہے، اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے کہ خبردار! بامزا ہو اور آب و نمک بو باس دُرست رہے، اِس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

میں پاس جا کر تصدّق ہوا اور اُس شعور و لیاقت کو سراہ کر دُعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سُن کر تیوری چڑھا کر بولی: آدمی سے ایسے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں، میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانیں مجھے خوش نہیں آتیں بھلا کہہ تو، یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھلا کر، ادھر اُدھر بھٹکے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا، مجلس میں بیٹھ کر مہمان کی خاطرداری کر، اور اُس کی معشوقہ کو بھی بلوا کر اُس کے پاس بٹھلا۔ فقیر وونہیں اُس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحبِ جمال، صُراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لیے، رُو بہ رُو آئے، شراب پلانے لگے۔ اِس میں میں نے اُس جوان سے کہا: میں سب طرح مخلص اور خادم ہوں، بہتر یہ ہے کہ وہ صاحبِ جمال کہ جس کی طرف دل صاحب کا مائل ہے، تشریف لاوے تو بڑی بات ہے۔ اگر فرماؤ تو آدمی بُلانے کی خاطر جاوے۔ یہ سنتے ہی خوش ہو کر بولا: بہت اچھا، اِس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی۔ میں نے ایک خوجے کو بھیجا۔ جب آدھی رات گئی، وہ چُڑیل، خاصے چوڈول پر سوار ہو کر، بلائے ناگہانی سی آ پہنچی۔

فقیر نے لاچار خاطر سے مہمان کی اِستقبال کر کر نہایت تپاک سے برابر اُس جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اُس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دُنیا کی نعمت ملی۔ وہ بُھتنی بھی اُس جوانِ پری زاد کے گلے لپٹ گئی۔ سچ مچ یہ تماشا ہوا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے، اپنی اپنی اُنگلیاں دانتوں میں دابنے لگے کہ کیا کوئی بلا اِس جوان پر مسلط ہوئی۔ سب کی نگاہ

اُسی طرف تھی۔ تماشا مجلس کا بھول کر اُس کا تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص کنارے سے بولا: یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے، جو کچھ عقل میں نہ آوے، یہ کافر عشق کر دکھاوے، لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو۔ سبھوں نے کہا: آمنّا، یہی بات ہے۔

یہ فقیر بہ موجب حکم کے، مہمان داری میں حاضر تھا۔ ہر چند جوان، ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو مجوّز ہوتا تھا، پر میں ہرگز اُس پری کے خوف کے مارے، اپنا دل کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا، اور عذر مہمان داری کا کر کے اُس کے شامل نہ ہوتا۔ اسی کیفیت سے تین شبانہ روز گزرے۔ چوتھی رات وہ جوان نہایت جوشش سے مجھے بلا کر کہنے لگا: اب ہم بھی رخصت ہوں گے، تمھاری خاطر اپنا سب کار و بار چھوڑ چھاڑ کر تین دن سے تمھاری خدمت میں حاضر ہیں، تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر، ہمارا دل خوش کرو۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا، اگر اس وقت کہنا اس کا نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا؛ پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضرور ہے۔ تب یہ کہا: صاحب کا حکم بجا لانا منظور، کہ اَلامرُ فوقَ الاَدَب۔ سنتے ہی اس کو، جوان نے پیالہ تواضع کیا، اور میں نے پی لیا۔ پھر تو ایسا پیہم دَور چلا کہ تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے کیفی ہو کر، بے خبر ہو گئے، اور میں بھی بے ہوش ہو گیا۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہوا، تب میری آنکھ کھلی، تو دیکھا میں نے، نہ وہ تیاری ہے، نہ وہ مجلس، نہ وہ پری۔ فقط خالی حویلی پڑی ہے، مگر ایک کونے میں کمبل لپٹا ہوا دھرا ہے۔ جو اُس کو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اور اُس کی رنڈی، دونوں سر کٹے پڑے ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے۔ عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا۔ اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا۔ فقیر کو اُس کے دیکھنے سے کچھ تسلّی ہوئی، احوال اس واردات کا پوچھا۔ اُس نے جواب دیا: تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل، جو تو پوچھتا ہے؟ میں نے بھی اپنے دل میں

غور کی کہ سچ تو کہتا ہے۔ پھر ایک ذرا تامّل کر کے میں بولا: خیر نہ کہو، بھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟ تب اُس نے کہا: البتّہ جو میں جانتا ہوں، سو کہہ دوں گا؛ لیکن تجھ سا آدمی عقل مند، بے مرضی حضور کے، دو دن کی دوستی پر بے مُحابا بے تکلّف ہو کر، صحبتِ مے نوشی کی باہم گرم کرے، یہ کیا معنی رکھتا ہے۔

فقیر اپنی حرکت اور اُس کی نصیحت سے بہت نادم ہوا۔ سوائے اس بات کے زبان سے کچھ نہ نکلا: فی الحقیقت اب تو تقصیر ہوئی، مُعاف کیجیے۔ بارے مُحلّی نے مہربان ہو کر، اُس پری کے مکان کا نشان بتایا اور مجھے رُخصت کیا، آپ اُن دونوں زخمیوں کے گاڑنے دابنے کی فکر میں رہا۔ میں تہمت سے اُس فساد کی الگ ہوا، اور اشتیاق میں اُس پری کے ملنے کے لیے گھبرایا ہوا، گرتا پڑتا، ڈھونڈھتا، شام کے وقت اُس کوچے میں اُسی پتے پر جا پہنچا، اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات تلملاتے کٹی، کسو کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی، اور کوئی احوال پُرساں میرا نہ ہوا۔ اُسی بے کسی کی حالت میں صبح ہو گئی۔ جب سورج نکلا، اُس مکان کے بالاخانے کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رو میری طرف دیکھنے لگی۔ اُس وقت عالمِ خوشی کا جو مجھ پر گزرا، دل ہی جانتا ہے؛ شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آکر کہا: اُس مسجد میں تو جا کر بیٹھ۔ شاید تیرا مطلب اُس جگہ بر آوے اور اپنے دل کی مُراد پاوے۔ فقیر فرمانے سے اُس کے، وہاں سے اُٹھ کر، اُسی مسجد میں جا رہا، لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہی تھیں کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دن جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے، میں نے بھی وہ روز ویسی ہی بے قراری میں کاٹا۔ بارے جس تس طرح سے شام ہوئی اور دن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا۔ ایک بارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اُس پری کے مکان کا پتا دیا تھا) مسجد میں آیا۔ بعد فراغت نمازِ مغرب کے، میرے پاس آکر، اُس شفیق نے (کہ سب راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلّی دے کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر کہا: یہاں رہو، جب تک تمھاری آرزو بر آوے۔ اور آپ رُخصت ہو کر، شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا۔ میں اُس باغ کے پھولوں

کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض نہروں میں فوّارے ساون بھادوں کے اُچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اُس گُل بدن کا خیال آتا؛ جب چاند پر نظر پڑتی، تب اُس مہ رُو کا مُکھڑا یاد کرتا۔ یہ سب بہار اُس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے، خدا نے اُس کے دِل کو مہربان کیا؛ ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے، جیسے چودھویں رات کا چاند، بنا ٹھنا کیے، گلے میں پشواز بادلے کی سنجاف کی، موتیوں کا دَر دامن ٹکا ہوا؛ اور سر پر اوڑھنی، جس میں آنچل، پلّو، لہر، گوکھرو لگا ہوا، سر سے پانو تک موتیوں میں جڑی، رَوِش پر آکر کھڑی ہوئی۔ اُس کے آنے سے تر و تازگی نئے سِر سے اُس باغ کو اور فقیر کے دل کو ہو گئی۔ ایک دم اِدھر اُدھر سَیر کر کر، شہ نشین میں مُغرّق مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھی۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح (جیسے شمع کے گرد پھرتا ہے) تصدّق ہوا اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اِس میں وہ خوجہ میری خاطر بہ طور سفارش کے عرض کرنے لگا۔ میں نے اُس مُحلّی سے کہا: بندہ گنہ گار تقصیر وار ہے، جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے، سو ہو۔ وہ پری ازبس کہ ناخوش تھی، بد دماغی سے بولی کہ اب اِس کے حق میں یہی بھلا ہے کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے، اپنا اسباب دُرست کر کے وطن کو سدھارے۔

میں یہ بات سُنتے ہی کاٹھ ہو گیا اور سوکھ گیا کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے، اور تمام دُنیا میری آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی، اور ایک آہ نامُرادی کی بے اختیار جگر سے نکلی، آنسو بھی ٹپکنے لگے۔ سوائے خدا کے اُس وقت کسو کی توقّع نہ رہی، مایوسِ محض ہو کر اتنا بولا: بھلا ٹک اپنے دِل میں غور فرمائیے، اگر مجھ کم نصیب کو دُنیا کا لالچ ہوتا، تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا۔ کیا ایک بارگی حقِ خدمت گزاری اور جاں نثاری کا عالم سے اُٹھ گیا، جو مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی؟ خیر اب میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں؛ معشوقوں کی بے وفائی سے بے چارے عاشقِ نیم جاں کا نباہ نہیں ہوتا۔

یہ سُن کر تیکھی ہو، تیوری چڑھا کر، خفگی سے بولی: چہ خوش! آپ ہمارے

عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زُکام ہوا! اے بے وقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانی خیالِ خام ہے، چھوٹا مُنہ بڑی بات، بس چُپ رہ، یہ نکمّی بات چیت مت کر! اگر کسی اور نے یہ حرکتِ بے معنی کی ہوتی، پروردگار کی سُوں، اُس کی بوٹیاں کٹوا، چیلوں کو بانٹتی۔ پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے۔ اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے، تیری قسمت کا دانا پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا۔ پھر میں نے روتے بسورتے ہوئے کہا: اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں، تو لاچار ہوں۔ اس بات سے بھی دق ہو کر کہنے لگی: میرے تئیں یے بھسا ہندے چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں، اس اشارے کی گفتگو کے جو لائق ہو، اُس سے جا کر کر۔ پھر اُسی خفگی کے عالم میں اُٹھ کر اپنے دولت خانے کو چلی۔ میں نے بہتیرا سر ٹپکا، مُتوجّہ نہ ہوئی۔ لاچار میں بھی اُس مکان سے اُداس اور نااُمّید ہو کر نکلا۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اُکتاتا، جنگل میں نکل جاتا، جب وہاں سے گھبراتا، پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا۔ نہ دن کو کھاتا، نہ رات کو سوتا، جیسے دھوبی کا کُتّا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ زندگی انسان کی کھانے پینے سے ہے، آدمی اناج کا کیڑا ہے، طاقت بدن میں مطلق نہ رہی، اپاہج ہو کر اُسی مسجد کی دیوار کے تلے جا پڑا، کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جُمعے کی نماز پڑھنے آیا، میرے پاس سے ہو کر چلا، میں یہ شعر آہستہ ناطاقتی سے پڑھ رہا تھا ؎

اِس دردِ دل سے موت ہو، یا دل کو تاب ہو

قسمت میں جو لکھا ہو، الٰہی! شتاب ہو

اگرچہ ظاہر میں صورت میری بالکل تبدیل ہو گئی تھی، چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا، وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے، لیکن وہ محلّی، آواز درد کی سُن کر مُتوجّہ ہوا، میرے تئیں بہ غور دیکھ کر افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ہوا کہ آخر یہ حالت اپنی پہنچائی۔ میں نے کہا: اب تو جو ہوا سو ہوا، مال

سے بھی حاضر تھا، جان بھی تصدّق کی، اُس کی خوشی یوں ہی ہوئی، تو کیا کروں؟

یہ سُن کر، ایک خدمت گار میرے پاس چھوڑ کر، مسجد میں گیا، نماز اور خطبے سے فراغت کر کر، جب باہر نکلا، فقیر کو ایک میانے میں ڈال کر اپنے ساتھ خدمت میں اس پری بے پروا کی لے جاکر، چق کے باہر بٹھایا۔ اگرچہ میری رو بہت کچھ باقی نہ رہی تھی، پر مدّت تلک شب و روز اُس پری کے پاس اتّفاق رہنے کا ہوا تھا؛ جان بُوجھ کر بے گانی ہوکر، خوجے سے پوچھنے لگی: یہ کون ہے؟ اُس مرد آدمی نے کہا: یہ وہی کم بخت بد نصیب ہے، جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا، اُسی سبب سے اس کی یہ صورت بنی ہے، عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے؛ ہر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ہے، پر وہ دُونی بھڑکتی ہے، کچھ فائدہ نہیں ہوتا؛ علاوہ، اپنی تقصیر کی خجالت سے مُوا جاتا ہے۔ پری نے ٹھٹھولی سے فرمایا: کیوں جھوٹھ بکتا ہے؟ بہت دن ہوئے، اُس کی خبر وطن پہنچنے کی، مجھے خبر داروں نے دی ہے۔ وَاللہُ اَعْلَم یہ کون ہے، اور تو کس کا ذکر کرتا ہے؟ اُس دم خواجہ سرا نے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا: اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ فرمایا: کہہ، تیری جان تجھے بخشی۔ خوجہ بولا: آپ کی ذات قدر دان ہے: واسطے خدا کے، چلون کو درمیان سے اُٹھوا کر پہچانیے اور اُس کی بے کسی کی حالت پر رحم کیجیے؛ ناحق شناسی خوب نہیں۔ اب اِس کے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے، بجا ہے، اور جائز ثواب ہے، آگے حدِّ ادب، جو مزاج مُبارک میں آئے، سو ہی بہتر ہے۔

اتنے کہنے پر مسکرا کر فرمایا: بھلا کوئی ہو، اسے دارُ الشّفا میں رکھو۔ جب بھلا چنگا ہوگا، تب اُس کے احوال کی پرسش کی جائے گی۔ خوجے نے کہا: اگر اپنے دستِ خاص سے گلاب اس پر چھڑکیے اور زبان سے کچھ فرمائیے تو اُس کو اپنے جینے کا بھروسا بندھے۔ نااُمیدی بُری چیز ہے۔ دُنیا بہ اُمید قائم ہے۔ اس پر بھی اُس پری نے کچھ نہ کہا۔ یہ سوال جواب سُن کر میں بھی اپنے جی سے اُکتا رہا تھا۔ نِدھڑک بول اُٹھا کہ اب اس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا، پا تو تو گور میں لٹکا چکا ہوں، ایک روز مرنا ہے اور علاج میرا بادشاہ زادی کے ہاتھ میں ہے، کریں یا نہ کریں، وہ جانیں۔ بارے مُقَلِّبُ الْقُلُوب نے، اُس سنگ دل کے دل کو نرم کیا، مہربان ہو کر فرمایا: جلد پادشاہی حکیموں کو حاضر کرو۔ وو نہیں طبیب

آکر جمع ہوئے، نبض، قارورہ دیکھ کر بہت غور کی۔ آخرش تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا ہے، سوائے وصلِ معشوق کے اس کا کچھ علاج نہیں، جس وقت وہ ملے یہ صحت پاوے۔ جب حکیموں کی بھی زبانی یہی مرض میرا ثابت ہوا، حکم کیا: اس جوان کو گرمابے میں لے جاؤ، نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر حضور میں لے آؤ۔ وونہیں مجھے باہر لے گئے، حمام کروا، اچھے کپڑے پہنا خدمت میں پری کی حاضر کیا۔ تب وہ نازنین تپاک سے بولی: تو نے مجھے بیٹھے بٹھائے ناحق بدنام اور رسوا کیا، اب اور کیا کیا چاہتا ہے، جو تیرے دل میں ہے، صاف صاف بیان کر۔

یا فقرا! اس وقت یہ عالم ہوا کہ شادی مرگ ہو جاؤں، خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا، اور صورت شکل بدل گئی۔ شکر خدا کا کیا اور اس سے کہا: اس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مُردے کو ایک بات میں زندہ کیا، دیکھو تو، اس وقت سے اس وقت تک میرے احوال میں کیا فرق ہو گیا؟ یہ کہہ کر تین بار گرد پھرا اور سامھنے آکر کھڑا ہوا اور کہا: حضور سے یوں حکم ہوتا ہے کہ جو تیرے جی میں ہو سو کہہ، بندے کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے کہ غریب نوازی کر کر، اس عاجز کو قبول کیجیے، اور اپنی قدم بوسی سے سرفرازی کیجیے۔ ایک لمحہ تو سُن کر غوطے میں گئی، پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا: بیٹھو، تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے، جو کچھ کہو سو پھبتا ہے اور اپنے بھی دل پر نقش ہے، خیر، ہم نے قبول کیا۔

اُسی دن، اچھی ساعت شبھ لگن میں، چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔ بعد اتنی محنت اور آفت کے، خدا نے یہ دن دکھایا کہ میں نے اپنے دل کا مُدّعا پایا۔ لیکن جیسی دل میں آرزو اس پری سے ہم بستر ہونے کی تھی، ویسی ہی جی میں بےکلی اس وارداتِ عجیب کے معلوم کرنے کی تھی، کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا (جس نے ایک پُرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کیے تھے) کون تھا؟ اور تیاری ضیافت کی بادشاہوں کے لائق، ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟ اور وہ دونوں بےگناہ اس مجلس میں کس لیے مارے گئے؟ اور سبب خفگی اور بےمروّتی کا (باوجود خدمت گزاری اور نازبرداری کے) مجھ پر کیا ہوا؟ اور پھر ایک بارگی اس عاجز کو یوں سربلند کیا؟ غرض اسی واسطے

بعد رسم رسومات عقد کے، آٹھ دن تلک، باوصف اس اشتیاق کے، قصد مباشرت کا نہ کیا۔ رات کو ساتھ سونا، دن کو یونہیں اٹھ کھڑا ہونا۔

ایک دن غسل کرنے کے لیے، میں نے خواص کو کہا کہ تھوڑا پانی گرم کردے تو نہاؤں۔ ملکہ مسکرا کر بولی: کس برتے پر تتّا پانی؟ میں خاموش ہو رہا۔ لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی۔ بلکہ چہرے پر آثارِ خفگی کے نمود ہوئے، یہاں تلک کہ ایک روز بولی: تم بھی عجب آدمی ہو، یا اتنے گرم، یا ایسے ٹھنڈے! اس کو کیا کہتے ہیں؟ اگر تم میں قوّت نہ تھی، تو کیوں ایسی کچّی ہوس پکائی؟ اس وقت میں نے بے دھڑک ہو کر کہا: اے جانی! منصفی شرط ہے، آدمی کو چاہیے کہ انصاف سے نہ چوکے۔ بولی: اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔ فقیر نے کہا: واقعی بڑی آرزو اور مراد میری یہی تھی، سو مجھے ملی، لیکن دل میرا دُبدھے میں ہے، اور دودلے آدمی کی خاطر پریشان رہتی ہے اس سے کچھ ہو نہیں سکتا، انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھوں گا، کہ زبانِ مبارک سے اس کا بیان سنوں، تو جی کو تسکین ہو۔ اس پری نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا: کیا خوب! ابھی سے بھول گئے۔ یاد کرو، بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجو، اور کسی بات کے معترض نہ ہو جو۔ خلافِ معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟ فقیر نے ہنس کر کہا: جیسی اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے، ایک یہ بھی سہی۔ وہ پری نظر میں بدل کر تیہے میں آکر، آگ کا بگولا بن گئی اور بولی: اب تو بہت سر چڑھا! جا اپنا کام کر، ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے کہا: دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک دوسرے کا واقف کار رہتا ہے؛ پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے؟

میری اس رمز کو وہ پری وقوف سے دریافت کر کر، کہنے لگی: یہ بات سچ ہے، پر جی میں

یہ سوچ آتا ہے کہ مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو، تو بڑی قیامت مچے۔ میں بولا۔ یہ کیا مذکور ہے؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ، اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے، فرماؤ، ہرگز ہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤں گا، کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے۔ جب اُس نے دیکھا کہ سوائے کہنے کے، اِس عزیز سے چھٹکارا نہیں، لاچار ہو کر بولی: اُن باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں، تو خواہ نخواہ درپے ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے، اس لیے اپنی سرگذشت بیان کرتی ہوں، تجھے بھی اُس کا پوشیدہ رکھنا ضرور ہے، خبر شرط۔

غرض بہت سی تاکید کر کر، کہنے لگی: کہ میں بدبخت مُلکِ دمشق کے سُلطان کی بیٹی ہوں، اور وہ سلاطینوں سے بڑا پادشاہ ہے۔ سوائے میرے، کوئی لڑکا بالا اُس کے یہاں نہیں ہوا۔ جس دن سے میں پیدا ہوئی، ماں باپ کے ناز و نعم کے سایے میں ناز و نعمت اور خوشی خرّمی سے پلی۔ جب ہوش آیا تب اپنے دل کو خوب صورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چنانچہ سُتھری سُتھری پری زاد ہمجولی اُمرازادیاں، مُصاحبت میں، اور اچھی اچھی قبول صورت، ہم عمر خواصیں سہیلیاں، خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا، ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ دیکھا کرتی۔ دُنیا کے بھلے بُرے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی بے فکری کے عالم کو دیکھ کر، سوائے خدا کے شُکر کے، کچھ مُنہ سے نہ نکلتا تھا۔

اِتّفاقاً طبیعت خود بہ خود ایسی بے مزا ہوئی کہ نہ مُصاحبت کسُو کی بھاوے، نہ مجلس خوشی کی خوش آوے۔ سُودائی سا مزاج ہو گیا، دل اُداس اور حیران، نہ کسو کی صورت اچھّی لگے، نہ بات کہنے سُننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھ کر، دائی، ددا، چھُوچھُو، انگا، سب کی سب مُتفکّر ہوئیں، اور قدم پر گرنے لگیں۔ یہی خواجہ سرا نمک حلال، قدیم سے میرا محرم اور ہم راز ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں، میری وحشت دیکھ کر بولا کہ اگر پادشاہ زادی تھوڑا سا شربتِ ورقُ الخیال کا نوش جان فرماویں تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج میں آوے۔ اُس کے اس طرح کے کہنے سے مجھے بھی شوق ہوا، تب میں نے فرمایا: جلد حاضر کر۔

نکلی باہر گیا اور ایک صُراحی اُسی شربت کی تکلف سے بنا کر، برف میں لگا کر، لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا۔ میں نے پیا۔ جو کچھ اُس کا فائدہ بیان کیا تھا، ویسا ہی دیکھا۔ اُسی وقت اُس خدمت کے انعام میں ایک بھاری خلعت خُوجے کو عنایت کی اور حکم کیا کہ ایک صُراحی ہمیشہ بلاناغہ اسی وقت حاضر کیا کر۔ اُس دن سے یہ مُقرّر ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اُسی چھوکرے کے ساتھ لوا لائے اور بندی پی جاوے۔ جب اُس کا نشہ طلوع ہوتا تو اُس کی لہر میں اُس لڑکے سے ٹھٹھا مزاخ کر کر دل بہلاتی تھی۔ وہ بھی جب ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا، اور اچنبھے کی نقلیں لانے، بلکہ آہ اُوہی بھی بھرنے، اور سسکیاں لینے لگا۔ صورت تو اُس کی طرح دار، لائق دیکھنے کی تھی؛ بے اختیار جی چاہنے لگا۔ میں دل کے شوق سے اور اُٹھکیلیوں کے ذوق سے، ہر روز انعام بخشش دینے لگی؛ پر وہ کم بخت ویسے کپڑوں سے (جیسے ہمیشہ پہنے رہتا تھا) حضور میں آتا، بلکہ وہ لباس بھی مَیلا کچیلا ہو جاتا۔

ایک دن پوچھا: تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا، پر تو نے اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی، کیا سبب ہے، وے روپے کہاں خرچ کیے یا جمع کر رکھے؟ لڑکے نے یے خاطر داری کی باتیں جو سنیں، اور مجھے احوال پُرساں پایا، آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا: جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت کیا، سب اُستاد نے لے لیا۔ مجھے ایک پیسا نہیں دیا۔ کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں، جو پہن کر حضور میں آؤں؟ اس میں میری تقصیر نہیں، میں لاچار ہوں۔ اس غریبی کے کہنے پر اُس کے، ترس آیا۔ وونہیں خواجہ سرا کو فرمایا کہ آج سے اس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر، اور اچھا لباس تیار کروا کر پہنا، اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے، بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب لائق حضور کی خدمت کے، سیکھے اور حاضر رہے۔ خواجہ سرا مُوافق فرمانے کے بجا لایا، اور میری مرضی جو اُدھر دیکھی، نہایت اُس کی خبر گیری کرنے لگا۔ تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے، اُس کا رنگ و روغن کچھ کا کچھ ہو گیا اور کینچلی سی ڈال دی۔ میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی، پر اُس کافر کی صورت جی میں ایسی کھب گئی تھی، یہی جی چاہتا کہ مارے پیار کے اُسے کلیجے میں ڈال رکھوں، اور اپنی

آنکھوں سے ایک پل جُدا نہ کروں۔

آخر اُس کو مُصاحبت میں داخل کیا اور خلعتیں طرح بہ طرح کی اور جواہر رنگ بہ رنگ کے پہنا کر دیکھا کرتی۔ بارے اُس کے نزدیک رہنے سے، آنکھوں کو سُکھ، کلیجے کو ٹھنڈک ہوئی۔ ہر دم اُس کی خاطرداری کرتی۔ آخر کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم کچھ ضروری کام کو میرے سامنے سے جاتا، تو چین نہ آتا۔ بعد کئی برس کے وہ بالغ ہوا، مسّیں بھیگنے لگیں، چھب تختی دُرست ہوئی، تب اُس کا چرچا باہر درباریوں میں ہونے لگا۔ دربان اور رَونے، میوڑے، باری دار، اور بساوُل، چوب دار، اُس کو محل کے اندر آنے جانے سے منع کرنے لگے؛ آخر اُس کا آنا موقوف ہوا۔ مجھے تو اُس بغیر کل نہ پڑتی تھی، ایک دم پہاڑ تھا۔ جب یہ احوال نااُمیدی کا سُنا، ایسی بدحواس ہو گئی، گویا مجھ پر قیامت ٹوٹی۔ اور یہ حالت ہوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ہوں، نہ اُس بن رہ سکتی ہوں، کچھ بس نہیں چل سکتا، الٰہی کیا کروں! عجب طرح کا قلق ہوا، مارے بے قراری کے اُس محلّی کو (جو میرا بھید و تھا) بُلا کر کہا کہ مجھے غور اور پرداخت اُس لڑکے کی منظور ہے، بالفعل صلاحِ وقت یہ ہے کہ ہزار اشرفی پونجی دے کر، چوک کے دوراہے میں دُکان جوہری کی کروا دو، تو تجارت کر کے، اُس کے نفع سے اپنی گزران فراغت سے کیا کرے۔ اور میرے محل کے قریب، ایک حویلی اچھّے نقشے کی رہنے کے لیے بنوا دو۔ لونڈی غلام، نوکر چاکر، جو ضرور ہوں، مول لے کر اور درماہا مقرّر کر کر، اُس پاس رکھوا دو، کہ کسو طرح بے آرام نہ ہو۔ خواجہ سرا نے اُس کی بود و باش کی، اور جوہری پنے اور تجارت کی سب تیاری کر دی۔ تھوڑے عرصے میں اُس کی دُکان ایسی چمکی اور نمود ہوئی کہ جو خلعتیں فاخرہ اور جواہر بیش قیمت سرکار میں بادشاہ کی اور امیروں کی، درکار و مطلوب ہوتے، اُسی کے یہاں بہم پہنچتے۔ آہستہ آہستہ یہ دُکان جمی، کہ جو تحفہ ہر ایک مُلک کا چاہیے، وہیں ملے۔ سب جوہریوں کا روزگار اُس کے آگے مندا ہو گیا۔ غرض اُس شہر میں کوئی برابری اُس کی نہ کر سکتا، بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا۔

اِسی کاروبار میں اُس نے لاکھوں روپے کمائے، پر جُدائی اُس کی روز بہ روز نقصان میرے تن بدن کا کرنے لگی۔ کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اُس کو دیکھ کر اپنے دل کی تسلّی کروں۔ بِندان صلاح کی خاطر اُسی واقف کار محلّی کو بُلایا اور کہا کہ کوئی ایسی صورت بن نہیں آتی کہ ذرا اُس کی صورت میں دیکھوں اور اپنی جان کو میں صبر دوں۔ مگر یہ طرح ہے کہ ایک سُرنگ اُس کی حویلی سے کھُدوا کر، محل میں مِلا دو۔ حکم کرتے ہی کئی دنوں میں نقب تیّار ہوئی، کہ جب سے سانجھ ہوتی، چُپکے ہی وہ خواجہ سرا اُس جوان کو اُسی راہ سے لے آتا۔ تمام شب شراب، کباب، عیش و عشرت سے کٹتی۔ میں اُس کے ملنے سے آرام پاتی، وہ میرے دیکھنے سے خوش ہوتا۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور مؤذّن اذان دیتا، محلّی اسی راہ سے اُس جوان کو اُس کے گھر پہنچا دیتا۔ اِن باتوں سے سوائے خوجے کے اور دو دائیوں کے (جنھوں نے مجھے دودھ پلایا اور پالا تھا)، چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا۔

ایک مُدّت اِس طرح سے گزری۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ مُوافق معمول کے خواجہ جو اُس کو بُلانے گیا، دیکھے تو وہ نوجوان فکرمند سا چُپکا بیٹھا ہے۔ محلّی نے پوچھا: آج خَیر ہے، کیوں ایسے دل گیر ہو رہے ہو؟ چلو، حضور میں یاد فرمایا ہے۔ اُس نے ہرگز کوئی جواب نہ دیا، زُبان نہ ہِلائی، خواجہ سرا اپنا سا مُنہ لے کر اکیلا پھر آیا، اور احوال اُس کا عرض کیا۔ میرے تئیں شیطان جو خراب کرے، اِس پر بھی محبّت اُس کی دِل سے نہ بھولی۔ اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ایسے نمک حرام بے وفا کی، آخر کو بدنام اور رُسوا کرے گی، اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا، تو اُسی دم اُس کام سے باز آتی اور توبہ کرتی؛ پھر اُس کا نام نہ لیتی، نہ اپنا دل اُس بے حیا کو دیتی۔ پر، ہونا تو یوں تھا، اِس لیے حرکتِ بے جا اُس کی خاطر میں نہ لائی، اور اُس کے نہ آنے کو، معشوقوں کا چونچلا اور ناز سمجھا۔ اُس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ اِس سرگذشت سے، بغیر دیکھے بھالے تو بھی واقف ہوا؛ نہیں تو میں کہاں، اور تو کہاں؟ خیر، جو ہوا، سو ہوا، اِس خرد ماغی پر اُس گدھے کی خیال نہ کر، دوبارہ خوجے کے ہاتھ

پیغام بھیجا کہ اگر تو اِس وقت نہیں آئے گا، تو میں کسو نہ کسو ڈھب سے وہیں آتی ہوں لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے، اگر یہ راز فاش ہوا، تو تیرے حق میں بہت بُرا ہے۔ ایسا کام نہ کر، جس میں سوائے رُسوائی کے اور کچھ نہ ملے۔ بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ، نہیں تو مجھے پہنچا جان۔ جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا نپٹ دیکھا، بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے ناز نخرے سے آیا۔

جب میرے پاس بیٹھا، تب میں نے اُس سے پوچھا کہ آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے؟ اتنی شوخی اور گُستاخی تو نے کبھو نہ کی تھی، ہمیشہ بلا عُذر حاضر ہوتا تھا۔ تب اُس نے کہا کہ میں گُم نام غریب، حضور کی توجّہ سے اور دامنِ دولت کے باعث، اِس مقدور کو پہنچا، بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے، آپ کے جان و مال کو دُعا کرتا ہوں، یہ تقصیر، بادشاہ زادی کے مُعاف کرنے کے بھروسے، اِس گنہ گار سے سرزد ہوئی، اُمّیدوار عفو کا ہوں۔ میں تو جان و دِل سے اُسے چاہتی تھی، اُس کی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا، اور شرارت پر نظر نہ کی، بلکہ پھر دل داری سے پوچھا: کیا تجھ کو ایسی مشکل کٹھن پیش آئی، جو ایسا مُتفکّر ہو رہا ہے؟ اُس کو عرض کر، اُس کی بھی تدبیر ہو جائے گی۔

غرض اُس نے اپنی خاکساری کی راہ سے یہی کہا کہ مجھ کو سب مشکل ہے اور آپ کے رُو بہ رُو سب آسان ہے۔ آخر اُس کے فحوائے کلام اور بت کہاؤ سے یہ کھُلا، کہ ایک باغ نہایت سر سبز اور عمارتِ عالی، حوض، تالاب، کوئیں، پختہ سمیت غُلام کی حویلی کے نزدیک، نافِ شہر میں بِکاؤ ہے، اور اُس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن کہ علمِ موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے۔ لیکن یے دونوں باہم بِکتے ہیں، نہ اکیلا باغ، جیسے اونٹ کے گلے میں بِلّی۔ جو کوئی وہ باغ لیوے، اُس کنیز کی بھی قیمت دیوے۔ اور تماشا یہ ہے، باغ کا مول، لاکھ روپے اور اُس باندی کا بہا پانچ لاکھ۔ فِدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہو سکتے۔ میں نے اُس کا دل بہت بے اختیار شوق میں اُن کی خریداری کے پایا، کہ اِسی واسطے دِل حیران

اور خاطر پریشان تھا۔ باوجودے کہ رُو بہ رُو میرے پاس بیٹھا تھا تب بھی اُس کا چہرہ مَلین اور جی اُداس تھا۔ مجھے تو خاطر داری اُس کی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی، اُسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا کہ کل صبح کو قیمت اُس باغ کی لونڈی سمیت چُکا کر، قبالہ باغ کا اور خطِ کنیزک کا لکھوا کر، اِس شخص کے حوالے کرو، اور مالک کو زرِ قیمت خزانۂ عامرہ سے دِلوا دو۔

اِس پروانگی کے سنتے ہی، آداب بجا لایا اور مُنہ پر رونق آ گئی۔ ساری رات اُسی قاعدے سے (جیسے ہمیشہ گزرتی تھی) ہنسی خوشی سے کٹی۔ فجر ہوتے ہی وہ رخصت ہوا۔ خوجے نے مُوافق فرمانے کے، اُس باغ کو اور لونڈی کو خرید کر دیا۔ پھر وہ نوجوان رات کو مُوافق معمول کے آیا جایا کرتا۔ ایک روز بہار کے مَوسم میں کہ مکان بھی دل چسپ تھا، بدلی گھُمنڈ رہی تھی، پھوئیاں پڑ رہی تھیں، بجلی بھی کوندھ رہی تھی، اور ہوا نرم نرم بہتی تھی، غرض عجب کیفیت اُس دم تھی، جو نہیں رنگ بہ رنگ کے حباب اور گلابیاں طاقوں پر چُنیں ہوئیں نظر پڑیں، دل للچایا کہ ایک گھونٹ لوں، جب دو تین پیالوں کی نوبت پہنچی، وو نہیں خیال اُس باغِ نو خرید کا گزرا۔ کمال شوق ہوا کہ ایک دم اِس عالم میں وہاں کی سیر کیا چاہیے۔ کم بختی جو آوے، اُونٹ چڑھے کُتّا کاٹے۔ اچھی طرح بیٹھے بٹھائے، ایک دائی کو ساتھ لے کر، سُرنگ کی راہ سے اُس جوان کے مکان میں گئی، وہاں سے باغ کی طرف چلی۔ دیکھا تو ٹھیک اُس باغ کی بہار، بہشت کی برابری کر رہی ہے۔ قطرے مینہ کے درختوں کے سبز سبز پتّوں پر جو پڑے ہیں، گویا زُمرّد کی پٹریوں پر موتی جڑے ہیں۔ اور سُرخی پھولوں کی اُس ابر میں ایسی بھَلی لگتی ہے، جیسے شام کو شفق پھولی ہے۔ اور نہریں لبالب، مانند فرشِ آئینے کے نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں۔

غرض اُس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی کہ دن ہو چکا، سیاہی شام کی نمود ہوئی۔ اِتنے میں وہ جوان ایک رَوِش پر نظر آیا، اور مجھے دیکھ، بہت ادب

اور گرم جوشی سے آگے بڑھ کے، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر دھر کر، بارہ دری کی طرف لے چلا۔ جب وہاں میں گئی، تو وہاں کے عالَم نے، سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا۔ یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا، جابجا قمقمے، سروِ چراغاں، کنول اور فانوسِ خیال شمع مجلس حیران (کذا) اور فانوسیں روشن تھیں، کہ شبِ برات، باوجود چاندنی اور چراغاں کے، اُس کے آگے اندھیری لگتی۔ ایک طرف آتش بازی، پھلجھڑی، انار، داؤدی، جھجھنیا، مرواریڈ، مہتابی، ہوائی، چرخی، ہتھ پھول، جاہی، جوہی، پٹاخے، ستارے چھٹتے تھے۔

اِس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آیا، بعینہٖ جیسے نافرمانی جوڑا پہنے ہوئے کوئی معشوق سا نظر آجاتا ہے۔ بڑی کیفیت ہوئی۔ چاندنی چھٹکتے ہی جوان نے کہا: اب چل کر باغ کے بالاخانے پر بیٹھیے۔ میں ایسی احمق ہوگئی تھی کہ جو وہ نگوڑا کہتا، سو میں مان لیتی۔ اب یہ ناچ نچایا کہ مجھ کو اوپر لے گیا۔ وہ کوٹھا ایسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان، اور بازار کے چراغاں، گویا اُس کے پائیں باغ تھے۔ میں اُس جوان کے گلے میں بانہہ ڈالے ہوئے، خوشی کے عالَم میں بیٹھی تھی۔ اتنے میں ایک رنڈی نہایت بھونڈی سی، صورت نہ شکل، چولھے میں سے نکل، شراب کا شیشہ ہاتھ میں لیے ہوئے آپہنچی۔ مجھے اُس وقت اُس کا آنا نپٹ بُرا لگا، اور اُس کی صورت دیکھنے سے دل میں ہَول اُٹھی۔

تب میں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ یہ تحفہ عِلّت کون ہے؟ تو نے کہاں سے پیدا کی؟ وہ جوان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ وہی لونڈی ہے، جو اِس باغ کے ساتھ حضور کی عنایت سے خرید ہوئی۔ میں نے معلوم کیا کہ اِس احمق نے بڑی خواہش سے اِس کو لیا ہے، شاید اِس کا دل اِس پر مائل ہے! اِسی خاطر سے پیچ و تاب کھا کر، میں چپکی ہو رہی۔ لیکن دل اُسی وقت سے مکدّر ہوا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی۔ تِس پر قیامت اُس اَیسے تَیسے نے یہ کی، کہ ساقی اُسی چھنال کو بنایا۔ اُس وقت میں اپنا لہو پیتی تھی، اور جیسے طوطی کو کوئے کے ساتھ

ایک پنجرے میں بند کرنا ہے، نہ جانے کی فرصت پاتی تھی، اور بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ قصّہ مختصر، وہ شراب بوند کی بوند تھی، جس کے پینے سے آدمی حیوان ہو جائے۔ دو چار جام پے در پے اسی تیز آب کے جوان کو دیے، اور آدھا پیالا جوان کی منّت سے میں نے بھی زہر مار کیا۔ آخر وہ پلشت، بے حیا بھی بدمست ہو کر، اس مردود سے بے ہودہ ادائیں کرنے لگی، اور وہ چبلا بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا، اور نامعقول حرکتیں کرنے لگا۔

مجھے یہ غیرت آئی، اگر اس وقت زمین بھی پھاٹے تو میں سما جاؤں۔ لیکن اس کی دوستی کے باعث، میں بلکہ اس پر بھی چپ ہو رہی۔ پر وہ تو اصل کا پاجی تھا، میرے اس درگزر کرنے کو نہ سمجھا، نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا، کہ رہتا سہتا ہوش جو تھا، وہ بھی گم ہوا۔ اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اٹھا دیا۔ بے شرمی سے، شہوت کے غلبے میں، میرے رو برو اس بے حیا نے اس بندوڑ سے صحبت کی۔ اور وہ پچھل پائی بھی اس حالت میں نیچے پڑی ہوئی نخرے تلّے کرنے لگی، اور دونوں میں چوما چاٹی ہونے لگی۔ نہ اس بے وفا میں وفا، نہ اس بے حیا میں حیا۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ میری اس وقت یہ حالت تھی جیسے اوسر چوکی ڈومنی، گاوے تال بے تال۔ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی، کہ کیوں تو یہاں آئی، جس کی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں، میرے سر سے پانو تک آگ لگ گئی، اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔ اس غصّے اور طیش میں یہ کہاوت دبیل نہ کودا، کودی گون، یہ تماشا دیکھے کون؟ کہتی ہوئی وہاں سے اٹھی۔

وہ شرابی اپنی خرابی دل میں سوچا، کہ اگر بادشاہ زادی اس وقت ناخوش ہوئی، تو کل میرا کیا حال ہوگا اور صبح کو کیا قیامت مچے گی؟ اب بنے، تو اس کا کام تمام کر ڈالوں۔ یہ ارادہ اس غیبانی کی صلاح سے جی میں ٹھہرا کر، گلے میں پٹکا ڈال، میرے پانو آ کر پڑا، اور پگڑی سر سے اتار کر، منّت زاری کرنے لگا۔ میرا دل تو اس پر لٹو ہو رہا تھا؛ جیدھر لیے پھرتا تھا، پھرتی تھی اور چکّی کی طرح میں اس کے

اختیار میں تھی؛ جو کہنا تھا سو کرتی تھی۔ جوں توں مجھے پھسلا پھسلا کر پھر بٹھلایا، اور اُسی شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھر بھر کر، آپ بھی پیے اور مجھے بھی دیے۔ ایک تو غصّے کے مارے جل بھن کر کباب ہو رہی تھی، دوسرے ایسی شراب پی؛ جلد بے ہوش ہو گئی، کچھ حواس باقی نہ رہے۔ تب اُس بے رحم، نمک حرام، کٹّر، سنگ دل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا، بلکہ اپنی دانست میں مار چکا۔ اُس دم میری آنکھ کھُلی تو مُنہ سے یہی نکلا: خیر، جیسا ہم نے کیا، ویسا پایا؛ لیکن تو اپنے تئیں میرے اِس خون ناحق سے بچائیو،

مَبادا ہو کوئی، ظالم! تیرا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کیجیو، ہم نے تو تجھ سے جان تک کی بھی درگذر نہ کی۔ پھر اُس کو خدا کے حوالے کر کر، میرا جی ڈوب گیا، مجھے اپنی سُدھ بُدھ کچھ نہ رہی۔ شاید اُس قصائی نے مجھے مُردہ خیال کر، اُس صندوق میں ڈال کر، قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا، سو تو نے دیکھا۔ میں کسو کا بُرا نہ چاہتی تھی، لیکن یہ خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں۔ مٹتی نہیں کرم کی ریکھا، اِن آنکھوں کے سبب یہ کچھ دیکھا۔ اگر خوب صورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا، تو وہ بدبخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھ کو وہاں پہنچا دیا اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یہ رُسوائیاں کھینچ کر، اپنے تئیں جیتا نہ رکھوں، یا کسو کو مُنہ نہ دکھاؤں۔ پر کیا کروں، مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں۔ خدا نے مار کر پھر جلایا، آگے دیکھیے کیا قسمت میں بدا ہے۔ ظاہر میں تو تیری دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی، جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تو نے جان و مال سے میری خاطر کی، اور جو کچھ اپنی بساط تھی، حاضر کی۔ اُن دنوں تجھے بے خرچ اور دودلا دیکھ کر، وہ شُقّہ سیدی بہار کو (جو میرا خزانچی ہے) لکھا۔ اُس میں یہی مضمون تھا کہ میں خیر و عافیت سے اب فُلانے مکان میں ہوں؛ مجھ بد طالع کی خبر والدۂ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو۔

اس نے تیرے ساتھ دو کشتیاں نقد کی، خرچ کی خاطر بھیج دیں۔ اور جب تجھے خلعت اور جواہر کے خرید کرنے کو، یوسف سوداگر بچّے کی دُکان پر بھیجا، مجھے یہ بھروسا تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو بیٹھتا ہے، تجھے بھی اجنبی جان کر، اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لیے، اندر اکر دعوت اور ضیافت کرے گا۔ سو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا، اُس نے ویسا ہی کیا۔ تو جب اُس سے قول قرار پھر آنے کا کر کر، میرے پاس آیا، اور مہمانی کی حقیقت اور اُس کا بجد ہونا مجھ سے کہا، میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اُس کے گھر میں جا کر کھاوے پیوے گا؛ تب اگر تو بھی اُس کو مہمانی کی خاطر بُلاوے گا، وہ دوڑا چلا آوے گا؛ اس لیے تجھے جلد رخصت کیا۔ تین دن کے بعد جب تو وہاں سے فراغت کر کے آیا، اور میرے رُوبرُو عُذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا؛ میں نے تیری تشفّی کے لیے فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں، جب اُس نے رضا دی تب تو آیا، لیکن بے شرمی خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھیے اور اُس کا بدلا نہ کیجیے، اب تو بھی جا کر اُس کی استدعا کر، اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔

جب تو اُس کے گھر گیا، تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمان داری کا تیّار نہیں، اگر وہ آجاوے تو کیا کروں، لیکن یہ فرصت پائی کہ اِس مُلک میں قدیم سے بادشاہوں کا یہ معمول ہے، کہ آٹھ مہینے کار و بارِ مُلکی اور مالی کے واسطے، ملک گیری میں باہر رہتے ہیں؛ اور چار مہینے موسم برسات کے، قلعہ مبارک میں جلوس فرماتے ہیں۔ اُن دنوں دو چار مہینے سے بادشاہ یعنی وَلی نعمت مجھ بدبخت کے، بندوبست کی خاطر مُلک گیری کو تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تو اُس جوان کو ساتھ لے کر آوے، کہ سیدی بہار نے میرا احوال خدمت میں بادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ہیں) عرض کیا۔ پھر میں اپنی تقصیر اور گناہ سے خجل ہو کر، اُن کے رُوبرُو جا کر کھڑی ہوئی اور جو سرگزشت تھی، سب بیان کی، ہر چند انھوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت، دوراندیشی اور بہ مہرِ مادری سے چھپا رکھی تھی، کہ خدا جانے اِس کا انجام کیا ہو، ابھی یہ رُسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں؛

میرے بدلے میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا، لیکن میری تلاش میں تھیں جب مجھے اِس حالت میں دیکھا اور سب ماجرا سُنا، آنسو بھر لائیں اور فرمایا: اے کم بخت نا شُدنی! تو نے جان بوجھ کر نام و نشان بادشاہت کا سارا کھویا، ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا۔ کاش کہ، تیرے عوض میں پتّھر جَنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر، جو قسمت میں تھا سو ہوا، اب آگے کیا کرے گی؟ جیوے گی یا مرے گی؟ میں نے نہایت شرمندگی سے کہا کہ مجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا تھا، جو اِس بدنامی اور خرابی میں ایسی آفتوں سے بچ کر جیتی رہوں، اِس سے مَرنا ہی بھلا تھا۔ اگرچہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا؛ پر ایسا کام نہیں کیا، جس میں ماں باپ کے نام کو عیب لگے۔

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وے دونوں بے حیا میرے ہاتھ سے بچ جاویں اور آپس میں رنگ رلیاں مناویں، اور میں اُن کے ہاتھوں سے یہ کچھ دُکھ دیکھوں، حیف ہے کہ مجھ سے کچھ نہ ہو سکے۔ یہ اُمّیدوار ہوں کہ خانساماں کو پروانگی ہو تو اسبابِ ضیافت کا بہ خوبی تمام، اِس کم بخت کے مکان میں تیار کرے، تو میں دعوت کے بہانے سے اُن دونوں بدبختوں کو بُلوا کر، اُن کے عَملوں کی سزا دوں، اور اپنا عوض لوں۔ جس طرح اُس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا، اور گھایل کیا؛ میں بھی دونوں کے پُرزے پُرزے کروں، تب میرا کلیجا ٹھنڈا ہو۔ نہیں تو اِس غصّے کی آگ میں پُھک رہی ہوں، آخر جل بل کر بُھوبُھل ہو جاؤں گی۔ یہ سُن کر، امّاں نے آمنا کے درد سے مہربان ہو کر میری عیب پوشی کی، اور سارا لوازمہ ضِیافت کا اُسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کر دیا۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آ کر حاضر ہوئے۔ شام کے وقت تو اُس مُوئے کو لے کر آیا، مجھے اُس قحبہ باندی کا بھی آنا منظور تھا۔

چنانچہ پھر تجھ کو تقیدہ کر کر، اُسے بھی بُلوایا۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی، شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے، اور اُن کے ساتھ تو بھی کیفی ہو کر مُردہ سا پڑا، میں نے قلماقنی کو حکم دیا کہ اُن دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال۔

اُس نے وو نہیں ایک دم میں شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ، بدن لال کر دے۔ اور تجھ پہ غصّے کا یہ باعث تھا کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے، شریک مے خوری کا ہو۔ البتّہ یہ تیری حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی؛ اِس واسطے کہ جب تو پی پا کر بے ہوش ہوا، تب تو قع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق ایسے میرے گردن پر ہیں، کہ جو تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے، تو معاف کرتی ہوں۔ لے، میں نے اپنی حقیقت اِبتدا سے اِنتہا تک کہہ سُنائی؛ اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے، تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا؛ تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا۔ صلاحِ وقت یہ ہے کہ اب اس شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں۔ آگے تو مختار ہے۔

یا معبود اللہ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی۔ فقیر تو دل و جان سے اُس کے حکم کو ہر چیز پر مُقدّم جانتا تھا، اور اُس کی محبّت کے جال میں پھنسا تھا، بولا: جو مرضی مُبارک میں آوے تو بہتر ہے، یہ فدوی بے عُذر بجا لاوے گا۔ جب شہزادی نے میرے تئیں فرماں بردار و خدمت گار اپنا پورا سمجھا، فرمایا: دو گھوڑے چالاک اور جاں باز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اُصطبل سے منگوا کر تیار رکھ۔ میں نے ویسے ہی پری زاد چار گُردے کے گھوڑے چُن کر، زین بند ہوا کر منگوائے۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی، بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر، ایک گھوڑے پر سوار ہوئی اور دوسرے مرکب پر میں مُسلّح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔

جب شب تمام ہوئی اور بڑ چھا ہونے لگا، تب ایک پوکھر کے کنارے پہنچے۔ اُتر کر مُنہ ہاتھ دھوئے، جلدی جلدی کچھ ناشتا کر کے، پھر سوار ہو کر چلے۔ کبھو ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی، اور یوں کہتی کہ ہم نے تیری خاطر شرم و حیا، ملک و مال، ما باپ سب چھوڑا، ایسا نہ ہو کہ تو بھی اُس ظالم بے وفا کی طرح سلوک کرے۔ کبھو میں کچھ احوال اِدھر اُدھر کا راہ کٹنے کے لیے کہتا، اور اُس کا بھی جواب دیتا کہ

پادشاہ زادی سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اُس پاجی کے نُطفے میں کچھ خلل ہوگا، جو اُس سے ایسی حرکت واقع ہوئی۔ اور میں نے تو جان و مال تم پر تصدّق کیا اور تم نے مجھے ہر طرح سرفرازی بخشی، اب میں بندہ بغیر داموں کا ہوں، میرے چمڑے کی اگر جوتیاں بنوا کر پہنو، تو میں آہ نہ کروں۔ ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں، اور رات دن چلنے سے کام تھا۔ کبھو جو ماندگی کے سبب کہیں اُترتے، تو جنگل کے چرند و پرند شکار کرتے، حلال کر کے، نمک دان سے نون نکال، چقماق سے آگ جھاڑ، بھون بھان کر کھا لیتے۔ اور گھوڑوں کو چھوڑ دیتے، وے اپنے مُنہ سے گھاس پات چُر چُگ کر، اپنا پیٹ بھر لیتے۔

ایک روز ایسے کفِ دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی، اس پر بھی پادشاہ زادی کی رفاقت کے سبب سے، دن عید اور رات شبِ برات معلوم ہوتی تھی۔ جاتے جاتے اُنجیت ایک دریا (کہ جس کے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا، تو جہاں تلک نگاہ نے کام کیا، پانی ہی تھا، کچھ تھل بیڑا نہ پایا۔ یا الٰہی! اب اِس سمندر سے کیوں کر پار اُتریں! ایک دم اِسی سوچ میں کھڑے رہے۔ آخر یہ دل میں لہر آئی، کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر، میں تلاش میں نا و نواڑے کی جاؤں، جب تلک اسباب گزارے کا ہاتھ آوے، تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے۔ تب میں نے کہا: اے ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اِس دریا کا دیکھوں۔ فرمانے لگی: میں بہت تھک گئی ہوں، اور بھوکی پیاسی ہو رہی ہوں، میں ذرا دم لے لوں، جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر۔

اُس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا بڑا، چھتنر باندھے ہوئے کہ اگر ہزار سوار آوے تو دھوپ اور مینہ میں اُس کے تلے آرام پاوے۔ وہاں اُس کو بٹھا کر میں چلا اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر یا دریا میں نشان انسان کا پاؤں۔ بہتیرا سر مارا، پر کہیں نہ پایا۔ آخر مایوس ہو کر وہاں سے پھر آیا تو اُس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا۔ اُس وقت کی حالت کیا کہوں کہ عُسرت جاتی رہی، دیوانہ

باولا ہوگیا۔ کبھو درخت پر چڑھ جاتا اور ڈال ڈال پات پات پھرتا۔ کبھو ہاتھ پانو چھوڑ کر، زمین میں گرتا اور اُس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدّق ہوتا۔ کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا۔ کبھو پچھم سے پورب کو دوڑا جاتا، کدھو اُتر سے دکھن کو پھر آتا۔ غرض بہتیری خاک چھانی، لیکن اُس گوہر نایاب کی نشانی نہ پائی۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا، تب روتا اور خاک سر پر اُڑاتا ہوا، تلاش ہر کہیں کرنے لگا۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اُس پری کو اُٹھا کر لے گیا، اور مجھے یہ داغ دے گیا۔ یا اُس کے مُلک سے کوئی اُس کے پیچھے لگا چلا آتا تھا اُس وقت اکیلا پا کر، منا منو کر، پھر شام کی طرف لے اُبھرا۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر، کپڑے وپڑے پھینک پھانک دیے۔ ننگا منگا فقیر بن کر، شام کے مُلک میں، صبح سے شام تک ڈھونڈتا پھرتا، اور رات کو کہیں پڑ رہتا۔ سارا جہاں رَوند مارا، پر اپنی بادشاہ زادی کا نام و نشان کسی سے نہ سُنا، نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا۔ تب دل میں یہ آیا کہ جب اُس جاں کا تونے کچھ پتا نہ پایا، تو اب جینا بھی حیف ہے۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا، تب اُس پر چڑھ گیا، اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا دوں، کہ ایک دَم میں سر مُنہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے پھوٹ جاوے گا، تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جاوے گا۔

یہ دل میں کہہ کر، چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں، بلکہ پانو بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں ہوش آیا، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش، مُنہ پر نقاب ڈالے، مجھے فرماتا ہے کہ کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کے فضل سے نااُمید ہونا کفر ہے۔ جب تلک سانس ہے، تب تلک آس ہے۔ اب تھوڑے دنوں میں رُوم کے مُلک میں، تین درویش تجھ سا رکے، ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے، اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے تجھ سے ملاقات کریں گے۔ اور وہاں کے بادشاہ کا آزاد بخت نام ہے، اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے، جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا، تو ہر ایک کے دِل کا مطلب اور مُراد جو ہے، بہ خوبی حاصل ہوگی۔

میں نے رکاب پکڑ کر بوسہ دیا، اور کہا: اے خدا کے ولی تمھارے اِتنے ہی فرمانے سے میرے دلِ پُر اضطرار کو تسلّی ہوئی، لیکن خدا کے واسطے یہ فرمائیے کہ آپ کون ہیں اور اسمِ شریف کیا ہے؟ تب انھوں نے فرمایا کہ مُرتضٰی علیؓ میرا نام ہے اور میرا یہی کام ہے، کہ جس کو جو مشکل کٹھن پیش آوے، تو میں اُس کو آسان کر دوں۔ اِتنا فرما کر، نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ بارے اِس فقیر نے، اپنے مولا مشکل کُشا کی بشارت سے خاطر جمع کر، قصدِ قسطنطُنیہ کا کیا۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں، کھینچتا ہوا اُس بادشاہ زادی کی ملاقات کے بھروسے، خدا کے فضل سے یہاں تک آ پہنچا، اور اپنی خوش نصیبی سے تمھاری خدمت میں مُشرّف ہوا۔ ہمارے تمھارے آپس میں ملاقات تو ہوئی؛ باہم صحبت اور بات چیت مُیسّر آئی؛ اب چاہیے کہ بادشاہ آزاد بخت سے بھی رُوشناس اور جان پہچان ہو۔

بعد اس کے، مُقرّر ہم پانچوں اپنے مقصدِ دلی کو پہنچیں گے، تم بھی دُعا مانگو اور آمین کہو۔ یا ہادی! اِس حیران سرگردان کی سرگذشت یہ تھی، جو حضوری میں درویشوں کی کہہ سُنائی۔ اب آگے دیکھیے کہ کب یہ محنت اور غم ہمارا، بادشاہ زادی کے ملنے سے، خوشی و خرّمی سے بدل ہو۔ آزاد بخت ایک کونے میں چُھپا ہوا، جب کا دھیان لگائے پہلے درویش کا ماجرا سُن کر خوش ہوا، پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سُننے لگا۔

سیر دوسرے درویش کی

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانو ہو بیٹھا اور بولا ؎

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سُنو! میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سُنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم ہے گا ہمارا درد بہ بٹ لا دوا، سنو!

اے دلق پوشو! یہ عاجز بادشاہ زادہ فارس کے مُلک کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں، چناں چہ "اصفہان نصف جہان"، مشہور ہے۔ ہفت اقلیم میں اُس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے، اور وہ ساتوں کواکب میں نیّرِ اعظم ہے۔ آب و ہوا وہاں کی خوش، اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو بادشاہ اُس مُلک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے، بڑے بڑے دانا اُستاد ہر ایک علم اور کسب کے چُن کر، میری اتالیقی کے لیے مُقرّر کیے تھے؛ تو تعلیم کامل ہر نوع کی پا کر، قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے، چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ، اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق اور درکار ہے، سب حاصل کیا۔ اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں، قصّے ہر ایک مُلک کے، اور احوال اُولوالعزم بادشاہوں اور نام آوروں کا سُنا کروں۔

ایک روز ایک مُصاحب دانا نے کہ خوب تواریخ داں اور جہاں دیدہ تھا، مذکور کیا کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ اُن کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زُبانوں پر بہ خوبی چلا جاوے گا۔ میں نے کہا: اگر تھوڑا سا احوال اُس کا مُفصَّل بیان کرو، تو میں بھی سُنوں اور اُس پر عمل کروں۔ تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا کہ حاتم کے وقت میں ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا۔ اُس کو حاتم کے ساتھ بہ سبب نام آوری کے، دُشمنی کمال ہوئی۔ بہت سا لشکر فوج جمع کر کر، لڑائی کی خاطر چڑھ آیا۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا؛ یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیّاری کروں، تو خدا کے بندے مارے جائیں گے اور بڑی خون ریزی ہو گی؛ اُس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ بات سوچ کر، تن تنہا اپنی جان لے کر، ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چُھپا۔ جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی، سب اسباب گھر بار حاتم کا قُرق کیا اور مُنادی کروا دی کہ جو کوئی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پکڑ لاوے، پانسو اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پاوے۔ یہ سن کر سب کو لالچ آیا اور جُستجو حاتم کی کرنے لگے۔

ایک روز ایک بوڑھا اور اُس کی بڑھیا، دو تین بچّے چھوٹے چھوٹے ساتھ لیے ہوئے، لکڑیاں توڑنے کے واسطے، اُس غار کے پاس جہاں حاتم پوشیدہ تھا، پہنچے اور لکڑیاں اُس جنگل سے چُننے لگے۔ بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے، تو حاتم کو کہیں ہم دیکھ پاتے، اور اُس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے، تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا، اور ہم آرام سے کھاتے، اس دُکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا: کیا ٹر ٹر کرتی ہے؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں، اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں، تب لون روٹی میسّر آوے، یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے، لے اپنا کام کر، ہمارے ہاتھ حاتم کاہے کو آوے گا، اور بادشاہ سے اتنے روپے دلاوے گا؟ عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چُپکی ہو رہی۔

یہ دونوں باتیں حاتم نے سُنیں، مردمی اور مُروّت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں

چھپائیے، اور جان کو بچائیے، اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائیے۔ سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں، تو وہ انسان نہیں۔ اور جس کے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے سه

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سُن کر چُپکا ہو رہے۔ وہ نہیں باہر نکل آیا اور اُس بوڑھے سے کہا کہ اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں، میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل؛ وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے تجھے دیوے گا۔ پیر مرد نے کہا: سچ ہے کہ اِس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتّہ ہے، لیکن وہ کیا جانیے تجھ سے کیا سُلوک کرے؟ اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ سے انسان کو، اپنی طمع کی خاطر، دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کے دن کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا؟ آخر مر جاؤں گا، تب خدا کو کیا جواب دوں گا؟ حاتم نے بہتیری منّت کی کہ مجھے لے چل، میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اِسی آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال کسو کے کام آوے تو بہتر ہے۔ لیکن وہ بوڑھا کسو طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لے جاوے، اور انعام پاوے۔

آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا: اگر تو مجھے یوں نہیں لے جاتا، تو میں آپ سے آپ بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہوں، کہ اِس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا: بھلائی کے بدلے بُرائی ملے تو بانصیب! اِس ردّ و بدل کے سوال جواب میں، آدمی اور بھی آن پہنچے، بھیڑ لگ گئی۔ انھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے، تُرت پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا۔ جب نوفل کے رُوبرُو لے گئے، اُس نے پوچھا کہ اِس کو کون پکڑ لایا؟ ایک بدذات سنگ دِل بولا، کہ ایسا کام سوائے ہمارے کون کر سکتا ہے۔ یہ فتح ہمارے نام ہے، ہم نے عرش پہ جھنڈا گاڑا ہے۔

ایک اور لٹن ترانی والا ڈینگ مارنے لگا کہ میں کئی دن سے دَوڑ دُھوپ کر، جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجیے، اور جو قرار ہے سو دیجیے۔ اِسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا، کہ یہ کام مجھ سے ہوا۔ وہ بوڑھا چُپکا ایک کونے میں لگا ہوا، سب کی شیخیاں سُن رہا تھا، اور حاتم کی خاطر کھڑا رو رہا تھا۔ جب اپنی اپنی دِلاوری اور مردانگی سب کہہ چکے، تب حاتم نے بادشاہ سے کہا: اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے، مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچانتے ہو، تو دریافت کرو اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے پورا کرو، کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے، مرد کو چاہیے جو کہے سو کرے، نہیں تو جنیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟

نوفل نے اُس لکڑ ہارے بوڑھے کو پاس بُلا کر پوچھا کہ سچ کہہ، اَصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اُس بے چارے نے سر سے پانو تک جو گزرا تھا، راست کہہ سُنایا، اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے۔ نوفل، یہ ہمّت حاتم کی سن کر مُتعجّب ہوا کہ بل بے تیری سخاوت! اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا۔ جتنے جھوٹھ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم کیا کہ اُن کی ٹُنڈیاں کس کر، پانسو اشرفی کے بدلے، پانسو پان سے جوتیاں اُن کے سر پر لگاؤ کہ اُن کی بھی جان نکل پڑے۔ وونہیں تڑ تڑ، پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں اُن کے سر گنجے ہو گئے۔ سچ ہے، جھوٹھ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گُناہ اُس کو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اِس بلا سے محفوظ رکھے، اور جھوٹھ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹھ موٹھ بکے جاتے ہیں، لیکن آزمایش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض اُن سب کو موافق اُن کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے کہ ایک عالم کو اُس سے فیض پہنچتا ہے، اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا، اور خدا کی راہ میں سر تا پا حاضر ہے، دشمنی رکھنی اور اُس کا مُدّعی ہونا، مردِ آدمیّت اور جواں مردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم

کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا: کیوں نہ ہو، جب ایسے ہو تب ایسے ہو۔ تواضع تعظیم کر کر، پاس بٹھلایا اور حاتم کا مُلک و اِملاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، وونہیں چھوڑ دیا۔ نئے سِر سے سرداری قبیلۂ طے کی اُسے دی اور اُس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دِلوا دیں، وہ دُعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سُنا، جی میں غیرت آئی، اور یہ خیال گزرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا، جن نے ایک سخاوت کے باعِث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں، اگر اِس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فِی الواقِع، دنیا میں کوئی کام، بڑا داد و دِہش سے نہیں۔ اِس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے، اُس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے، تو اُس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے؟ یہ بات دل میں ٹھہرا کر، میرِ عمارت کو بُلوا کر حُکم کیا، کہ ایک مکانِ عالی نشان، جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کُشادہ ہوں، باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارتِ وسیع، جیسا دل چاہتا تھا، بن کر تیّار ہوئی۔ اور اُس مکان میں ہر روز ہر وقت، فجر سے شام تک، محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا، اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا، میں اُسے مالا مال کرتا۔

غرض چالیسوں دروازے سے حاجت مند آتے، اور جو چاہتے، سو لے جاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ ایک فقیر سامھنے کے دروازے سے آیا اور سوال کیا۔ میں نے اُسے ایک اشرفی دی۔ پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا، دو اشرفیاں مانگیں؟ میں نے پہچان کر درگذر کی اور دیں۔ اِسی طرح اُن نے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا۔ اور میں بھی جان بوجھ کر انجان ہوا، اور اُس کے سُوال کے مُوافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازہ کی راہ سے آ کر، چالیس اشرفیاں مانگیں، وہ بھی میں نے دِلوا دیں۔ اتنا کچھ لے کر، وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا، میں نے

کہا: سُن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں؟ فقیر کا عمل اُن پر چاہیے۔ فقیر بولا: بھلا داتا! تمھیں بتاؤ۔ میں نے کہا: فؔ سے فاقہ، قؔ سے قناعت، رؔ سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یہ باتیں نہ ہوں، وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے، اس کو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا، لے جائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے، نہ جمع کرنے کے لیے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں، اس کا حساب تو کر کہ ریوڑھی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں؟ اور اس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کر کیا کرے گا؟ فقیر کو چاہیے کہ ایک روز کی فکر کرے۔ دوسرے دن پھر نئی روزی رزاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مُرشد نے بتائی ہے؟

یہ میری بات سُن کر، خفا اور بد دماغ ہوا؛ اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا، سب زمین میں ڈال دیا اور بولا: بس بابا! اتنے گرم مت ہو، اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو، پھر سخاوت کا نام نہ لیجو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے، تم سخاوت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے۔ اُس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دِلّی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں، پہلے اُن پر عمل کرو، تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا: بھلا داتا! اِس کے معنی مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا: سؔ سے سمائی، اور خؔ سے خوف الٰہی اور یؔ سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہو لے، تو سخاوت کا نام نہ لے۔ اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اِس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی بادشاہ زادی کے، کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ، خدا نے اُس عورت پر قطع کیا ہے۔ اور سب نام چاہتے ہیں۔ پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ سُن کر میں نے بہت منت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو، اور جو چاہیے سو لو۔ میرا دیا، ہرگز نہ لیا، اور یہ بات کہتا ہوا چلا: اب اگر اپنی ساری بادشاہت مجھے دے، تو اس پر بھی نہ تھوکوں، اور نہ

دھر ماروں۔ وہ تو چلا گیا، پر بصرے کی پادشاہزادی کی یہ تعریف سُننے سے دل بے کل ہوا، کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسو صورت سے بصرے چل کر اُس کو دیکھا چاہیے۔

اِس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی، اور تخت پر میں بیٹھا۔ سلطنت ملی۔ پر وہ خیال نہ گیا۔ وزیر اور امیروں سے (جو پایۂ تختِ سلطنت کے۔ اور ارکان، مملکت کے تھے) مشورت کی کہ سفر بصرے کا کیا چاہتا ہوں، تم اپنے کام میں مُستعِد رہو۔ اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے، جلد پھر آتا ہوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہوا۔ لاچار دل تو اُداس ہو رہا تھا۔ ایک دن بغیر سب کے کہے سُنے، چُپکے وزیرِ باتدبیر کو بلا کر، مُختار اور وکیلِ مُطلق اپنا کیا اور سلطنت کا مَدارُالمہام بنایا۔ پھر میں نے گیروا لبستر پہن، فقیری بھیس کر، اکیلے راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اُس کی سرحد میں جا پہنچا۔ تب سے یہ تماشا دیکھنے لگا، کہ جہاں رات کو جا کر مَقام کرتا، نوکر چاکر اُسی ملکہ کے استقبال کر کر، ایک مکانِ معقول میں اُتارتے، اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا ہے، بہ خوبی موجود کرتے، اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رہتے۔ دوسرے دن دوسری منزل میں یہی صورت پیش آتی۔ اِس آرام سے مہینوں کی راہ طے کی۔ آخر بصرے میں داخل ہوا، وونہیں ایک جوان شکیل، خوش لباس، نیک خو، صاحبِ مروّت (کہ دانائی اُس کے قیافے سے ظاہر تھی) میرے پاس آیا، اور نہایت شیریں زبانی سے کہنے لگا کہ میں فقیروں کا خادم ہوں، ہمیشہ اِسی تلاش میں رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر، فقیر، یا دُنیا دار، اِس شہر میں آوے، میرے گھر میں قدم رنجہ فرماوے۔ سوائے ایک مکان کے، یہاں اور بدیسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آپ تشریف لے چلیے اور اُس مَقام کو زینت بخشیے اور مجھے سرفراز کیجیے۔

فقیر نے پوچھا: صاحب کا اسمِ شریف کیا ہے؟ بولا: اِس گم نام کا نام بیدار بخت کہتے ہیں۔ اُس کی خوبی اور تملّق دیکھ کر، یہ عاجز اُس کے ساتھ چلا اور اُس کے مکان میں گیا۔ دیکھا تو ایک عمارتِ عالی لوازمِ شاہانہ سے تیار ہے۔ ایک دالان میں

اُس نے لے جاکر بٹھایا، اور گرم پانی منگواکر ہاتھ پانوٗ دُھلوائے، اور دسترخوان بچھواکر، مجھ تنِ تنہا کے رُوبرُو بکاوَل نے ایک تورے کا تورا چُن دیا۔ چار مُشقاب: ایک میں یخنی پلاو، دوسری میں قورما پلاو، اور تیسری میں مُتنجن پلاو، چوتھی میں کوکو پلاو۔ اور ایک قاب زردے کی اور کئی طرح کے قلیے: دوپیازہ، نرگسی، بادامی، روغن جوش اور روٹیاں کئی قسم کی باقرخانی، تنکی، شیرمال، گاؤدیدہ، گاؤزبان، نانِ نعمت، پراٹھے اور کباب کوفتے کے، تکّے کے، مرغ کے، خاگینہ، ملغوبہ، شب دیگ، دمِ پُخت، حلیم، ہریسا، سموسے ورقی، قبولی، فرنی، شیر برنج، ملائی، حلوا، فالودہ، پَن بَھتّا، نمش، آبِ شورہ، ساقِ عروس لوزیات، مُربّا، اچار دان، دہی کی قُلفیاں۔ یہ نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی۔ جب ایک ایک نوالا ہر ایک سے لیا، پیٹ بھر گیا، تب ہاتھ کھانے سے کھینچا۔

وہ شخص مُتَعَجّب ہوا کہ صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب امانت دھرا ہے، بے تکلّف اور نوشِ جاں فرمائیے۔ میں نے کہا: کھانے میں شرم کیا ہے! خدا تمھارا خانہ آباد رکھے، جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا، سو میں نے کھایا۔ اور ذائقے کی اس کے کیا تعریف کروں کہ اب تک زبان چاٹتا ہوں، اور جو ڈکار آتی ہے سو مُعطّر۔ لواب فرید کرو۔ جب دسترخوان اُٹھا، زیرانداز کاشانی مخمل کا مُقیّشی بچھاکر، چلمچی، آفتابہ طلائی لاکر، بیسن دان میں سے خوشبو بیسن دے کر، گرم پانی سے میرے ہاتھ دُھلائے۔ پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں سونے کے تبکھروں میں بندھی ہوئی، اور چوگھڑوں میں کھلوریاں اور چکنی سُپاریاں اور لونگ الاچیاں، روپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں، لاکر رکھیں۔ جب میں پانی پینے کو مانگتا، تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا۔ جب شام ہوئی، فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں۔ وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ جب پہر رات گئی، بولا: اب اس چھپر کھٹ میں کہ جس کے آگے دالان گیر کھڑا ہے، آرام کیجیے۔ فقیر نے کہا اے صاحب! ہم فقیروں کو ایک بوریا، مرگ چھالا بستر کے لیے بہت ہے، یہ خدا نے تم دنیاداروں کے واسطے بنایا ہے۔

کہنے لگا: یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے، کچھ میرا مال نہیں۔ اُس کے

زچد ہونے سے، اُن بچھونوں پر کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے، جا کر لیٹا۔ دونوں پٹیوں کی طرف گُل دان اور چنگیریں پھولوں کی چُنی ہوئی، اور عُود سوز اور لخلخے روشن تھے۔ جیدھر کی کروٹ لیتا، دماغ مُعطّر ہو جاتا۔ اِس عالم میں سو رہا۔ جب صبح ہوئی، ناشتے کو بھی بادام، پستے، انگور، انجیر، ناشپاتی، انار، کشمش، چھوہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا۔ اِسی طور سے تین دن رات رہا۔ چوتھے روز میں نے رخصت مانگی۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: شاید اِس گُنہ گار سے صاحب کی خدمت گاری میں کچھ قصور ہوا، کہ جس کے باعث مزاج تمھارا مُکدّر ہوا! میں نے حیران ہو کر کہا: برائے خدا یہ کیا مذکور ہے؟ لیکن مہمانی کی شرط تین دن تلک ہے، سو میں رہا، زیادہ رہنا خوب نہیں۔ اور علاوہ، یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے، اگر ایک ہی جگہ رہ جاوے تو مناسب نہیں، اِس لیے اجازت چاہتا ہے؛ نہیں تو تمھاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جُدا ہونے کو جی چاہے۔

تب وہ بولا: جیسی مرضی، لیکن ایک ساعت توقُّف کیجیے کہ بادشاہ زادی کے حُضور میں جا کر عرض کروں۔ اور تم جو جایا چاہتے ہو، تو جو کچھ اسباب اوڑھنے بچھانے کا، اور کھانے کے باسن روپے سونے کے اور جڑاؤ کے، اِس مہمان خانے میں ہیں، یہ سب تمھارا مال ہے، اِس کے ساتھ لے جانے کی خاطر جو فرماؤ، تدبیر کی جائے۔ میں نے کہا: لاحول پڑھو، ہم فقیر نہ ہوئے بھاٹ ہوئے، اگر یہی حرص دل میں ہوتی، تو فقیر کاہے کو ہوتے، دُنیا داری کیا بُری تھی؟ اُس عزیز نے کہا: اگر یہ احوال ملکہ سُنے تو خدا جانے مجھے اِس خدمت سے تغیُّر کر کر، کیا سُلوک کرے۔ اگر تمھیں ایسی ہی بے پروائی ہے، تو ان سب کو ایک کوٹھری میں امانت بند کر کر، دروازے کو سر بہ مُہر کر دو، پھر جو چاہو سو کیجو۔

میں نہ قبول کرتا تھا اور وہ بھی نہ مانتا تھا، لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب کو بند کر کر قُفل کر دیا، اور مُنتظرِ رخصت کا ہوا۔ اتنے میں ایک خواجہ سرا مُعتبر، سر پر سَرپیچ اور گوشِ پیچ، اور کمر میں بندی باندھے، ایک عصا سونے کا

جڑاو ہاتھ میں، اور ساتھ اُس کے کئی خدمت گار معقول عہدے لیے ہوئے؛ اس شان و شوکت سے میرے نزدیک آیا۔ ایسی ایسی مہربانگی اور ملائمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جس کا بیان نہیں کر سکتا۔ پھر بولا کہ اے میاں! اگر توجّہ اور کرم کر کر، اس مُشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشو، تو بندہ نوازی اور غریب پَروری سے بعید نہیں۔ شاید شہزادی سُنے کہ کوئی مُسافر یہاں آیا تھا، اُس کی تواضع مدارات کسو نے نہ کی۔ وُہ یوں ہی چلا گیا؛ اِس واسطے وَاللہُ اَعلَم مجھ پر کیا آفت لاوے، اور کیسی قیامت اُٹھاوے، بلکہ حرف زندگی پر ہے۔ میں نے اِن باتوں کو نہ مانا، تب خواہ مخواہ مِنّتیں کر کے، میرے تئیں اور ایک حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لے گیا۔ اُسی پہلے میزبان کی مانند، تین دن رات دونوں وقت ویسے ہی کھانے، اور صبح اور تیسرے پہر شربت، اور تَنَقُّل کی خاطر میوے کھِلائے۔ اور ہاسن نُقرئی و طِلائی اور فرش و فروش اور اسباب جو کچھ وہاں تھا، مجھ سے کہنے لگا کہ اِن سب کے تم مالک مُختار ہو، جو چاہو سو کرو۔

میں یہ باتیں سُن کر حیران ہوا، اور چاہا کسی نہ کسی طرح یہاں سے رُخصت ہو کر بھاگوں۔ میرے بُشرے کو دیکھ کر وہ مَحَلّی بولا: اے خدا کے بندے! جو تیرا مطلب یا آرزو ہو، سو مجھ سے کہہ، تو حضور میں ملکہ کے جا کر عرض کروں۔ میں نے کہا: میں فقیری کے لباس میں دُنیا کا مال کیا مانگوں، کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو۔ اور میں انکار کرتا ہوں۔ تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی کسی کے جی سے نہ گئی، چنانچہ کسو نے کَب یہ کَبِت کہا ہے:

نَکھ بن کٹا دیکھے، سیس بھاری جٹا دیکھے، جوگی کَن پھٹا دیکھے، چھار لائے تن میں

مَونی اَن بول دیکھے، سیورا سر چھول دیکھے، کرت کلول دیکھے، بَن کھنڈی بن میں

بیر دیکھے، سُور دیکھے، سب گُنی اور کُوڑھ دیکھے، مایا کے پُور دیکھے، بھول

رہیے دھن میں

آ دانت سکھی دیکھیے، جنم ہی کے دُکھی دیکھیے پر وے نہ دیکھیے جن کے لوبھ نا نہہ من میں

میں نے یہ سُن کر جواب دیا کہ یہ سچ ہے، پر میں کچھ نہیں چاہتا۔ اگر فرماؤ تو ایک رُقعہ سر بہ مُہر اپنے مطلب کا لکھ کر دوں، جو حضور ملکہ کے پہنچا دو تو بڑی مہربانی ہے، گویا تمام دُنیا کا مال مجھ کو دیا۔ بولا: بہ سر و چشم، کیا مُضایقہ۔ میں نے ایک رُقعہ لکھا، پہلے شکر خدا کا، پھر احوال، کہ یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اِس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیک نامیاں ملکہ کی سُن کر، اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا، اُس سے چار چند پایا۔ اب حضور کے ارکانِ دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو، سو ظاہر کر۔ اِس واسطے بے حجابانہ، جو دِل کی آرزو ہے، سو عرض کرتا ہوں کہ دُنیا کے مال کا محتاج نہیں، اپنے مُلک کا میں بھی بادشاہ ہوں۔ فقط یہاں تلک آنا۔ اور محنت اُٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا، جو تنِ تنہا اِس صورت سے آ پہنچا ہوں۔ اب اُمید ہے کہ حضور کی توجہ سے، یہ خاک نشین مطلب دِلی کو پہنچے تو لائق ہے، آگے جو مرضی مُبارک۔ لیکن اگر یہ التماس خاک سار کا قبول نہ ہوگا، تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا، اور اِس جانِ بے قرار کو آپ کے عشق میں نثار کرے گا، مجنوں اور فرہاد کی مانند جنگل میں یا پہاڑ پر مر رہے گا۔

یہی مُدعا لکھ کر اُس خوجے کو دیا، اُس نے بادشاہ زادی تلک پہنچایا۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں بُلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحبِ لیاقت، سُنہری کُرسی پر، گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے، اور کئی خوجے خدمت گار، تکلّف کے لباس پہنے ہوئے، ہاتھ باندھے سامھنے کھڑے ہیں، میں اُسے مُختار کار جان کر، اور دیرینہ سمجھ کر، دست بہ سر ہوا۔ اُس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا اور حکم کیا کہ آؤ

بیٹھو، خوب ہوا، تم آئے، تمھیں نے ملکہ کے اِشتیاق کا رُقعہ لکھا تھا؟ میں شرم کھا کر چُپ ہو رہا اور سر نیچا کر کے بیٹھا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ اے جوان! پادشاہ زادی نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھ کو خاوند کرنے سے عَیب نہیں۔ تم نے میری درخواست کی، لیکن اپنی بادشاہت کا بیان کرنا، اور اس فقیری میں اپنے تئیں پادشاہ سمجھنا، اور اُس کا غرور کرنا نپٹ بے جا ہے۔ اِس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فِی الحقیقت ایک ہیں، لیکن فضیلت دینِ اسلام کی اَلبتّہ ہے۔ اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں۔ اور جیسے تم دولتِ دُنیا سے بے پروا ہو، میرے تئیں بھی حق تعالےٰ نے اِتنا مال دیا ہے کہ جس کا کچھ حساب نہیں۔ پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہر ادا کر لو، اور مہر شہزادی کا، ایک بات ہے جو تم سے ہو سکے۔ میں نے کہا: میں سب طرح حاضر ہوں، جان و مال سے دَریغ نہیں کرنے کا، وہ بات کیا ہے؟ کہو، تو میں سُنوں۔ تب اُس نے کہا: آج کے دن رہ جاؤ، کل تمھیں کہہ دوں گی۔ میں نے خوشی سے قبول کیا، اور رُخصت ہو کر باہر آیا۔

دِن تو گزرا۔ جب شام ہوئی، مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بلا کر لے گیا۔ جا کر دیکھا تو اکابر عالِم اور فاضل صاحبِ شرع حاضر ہیں۔ میں بھی اُسی جلسے میں جا کر بیٹھا کہ اِتنے میں دسترخوان بچھایا گیا، اور کھانے اَقسام اَقسام کے شیریں اور نمکین چُنے گئے۔ وے سب کھانے لگے، اور مجھے بھی تواضع کر کر، شریک کیا جب کھانے سے فراغت ہوئی، ایک دائی اندر سے آئی اور بولی کہ بہرور کہاں ہے؟ اُسے بُلاؤ۔ پیادوں نے وونہیں حاضر کیا۔ اُس کی صورت بہت مرد آدمی کی سی، اور بہت سی کُنجیاں روپے سونے کی کمر میں ٹکنتیں ہوئیں؛ سَلامُ عَلیک کر کر، میرے پاس آ کر بیٹھا۔ وہی دائی کہنے لگی کہ اے بہرور! تو نے جو کچھ دیکھا ہے، مُفصّل اس کا بیان کر۔

بہرور نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھ سے مُخاطب ہو کر بولا: اے عزیز!

ہماری بادشاہ زادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں مُتعیّن ہیں، اُن میں سے ایک میں بھی ادنا خانہ زاد ہوں۔ ہر ایک مُلک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دے کر رخصت فرماتی ہیں؛ جب وہ وہاں سے پھر آتا ہے، تب اُس سے اُس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سُنتی ہیں۔ ایک بار یہ اتّفاق ہوا کہ یہ کم ترین تجارت کی خاطر چلا، اور شہر نیم روز میں پہنچا، وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو سب کا لباس سیاہ ہے، اور ہر دم نالہ و آہ ہے؛ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن پر کچھ بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اِس کا سبب جس سے میں پوچھتا، کوئی جواب میرا نہ دیتا۔ اِسی حیرت میں کئی روز گزرے، ایک دن یوں ہی صبح ہوئی، تمام آدمی چھوٹے بڑے، لڑکے، بوڑھے، غریب غنی، شہر کے باہر چلے؛ ایک میدان میں جاکر جمع ہوئے۔ اور اُس ملک کا بادشاہ بھی سب امیروں کو ساتھ لے کر سوار ہوا، اور وہاں گیا، تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

میں بھی اُن کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا؛ پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وے سب کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں۔ ایک گھڑی کے عرصے میں دور سے ایک جوانِ پری زاد، صاحبِ جمال، پندرہ سولہ برس کا سن وسال، غل اور شور کرتا ہوا اور کف مُنہ سے جاری، زرد بیل کی سواری، ایک ہاتھ میں کچھ لیے، مُقابل خلق اللہ کے آیا، اور اپنے بیل پر سے اُترا؛ ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر دوزانو بیٹھا۔ ایک گُل اندام، پری چہرہ اُس کے ہمراہ تھا؛ اُس کو اُس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی، دی۔ وہ تبسّم لے کر، ایک سرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا۔ لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا، بے اختیار داڑھ مار کر روتا تھا۔ اِسی طرح سب کو دکھاتا اور رُلاتا ہوا، سب کے سامنے سے ہو کر، اپنے خاوند کے پاس پھر گیا۔

اُس کے جاتے ہی وہ جوان اُٹھا اور اُس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر، اور سوار ہو کر، جیدھر سے آیا تھا، ادھر کو چلا۔ سب کھڑے دیکھا کیے۔ جب نظروں

سے غائب ہوا، لوگ شہر کی طرف پھرے۔ میں ہر ایک سے اُس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا، بلکہ روپیوں کا لالچ دیتا اور خوشامد اور منت کرتا، کہ مجھے ذرا بتا دو کہ یہ جوان کون ہے؟ اور اُس نے یہ کیا حرکت کی اور کہاں سے آیا، اور کہاں گیا؟ ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا۔ یہ تعجب دیکھ کر، جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے رُوبہ رُو اظہار کیا، تب سے بادشاہ زادی بھی حیران ہو رہی ہے، اور اُس کے تحقیق کرنے کی خاطر دُودِلی ہو رہی ہے۔ لہٰذا مہر اپنا یہی مقرر کیا ہے کہ جو شخص اس عجوبے کی کماحقہٗ خبر لاوے، اُس کو پسند فرماوے، اور وہی مالک سارے مُلک کا اور ملکہ کا ہووے۔

یہ ماجرا تم نے سب سُنا۔ اپنے دل میں غور کرو، اگر تم اُس جوان کی خبر لا سکو، تو قصد ملکِ نیم روز کا کرو اور جلد روانہ ہو۔ نہیں تو انکار کر کر، اپنے گھر کی راہ لو۔ میں نے جواب دیا کہ اگر خدا چاہے تو جلد اُس کا احوال سر سے پانو تک دریافت کر کر، بادشاہ زادی کے پاس آ پہنچتا ہوں، اور کامیاب ہوتا ہوں اور جو میری قسمت بد ہے، تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ لیکن ملکہ اس کا قول قرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھریں اور بالفعل ایک اندیشۂ مشکل میرے دل میں خلش کر رہا ہے، اگر ملکہ غریب نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں، اور پردے کے باہر بٹھلا دیں اور میرا التماس اپنے کانوں سنیں، اور اُس کا جواب اپنی زبان سے فرما دیں، تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ہو سکے۔ یہ میرے مطلب کی بات، ماما نے رُوبہ رُو اُس پری پیکر کے عرض کی۔ بارے، قدر دانی کی راہ سے حکم کیا کہ اُنھیں بلا لو۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ، جس محل میں بادشاہ زادی تھی، لے گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو رُویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور اُردا بیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں، حبشنیاں، اُزبکنیاں، کشمیرنیاں، جواہر میں جڑی، عہدے لیے کھڑی ہیں۔ اندر کا اکھاڑا کہوں یا پریوں کا اُتارا؟ بے اختیار ایک آہ بےخودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھکنے لگا، پر بہ زور اپنے تئیں تھانبا۔ اُن کو دیکھتا بھالتا

اور سیر کرتا ہوا آگے چلا، لیکن پانو سو سو من کے ہو گئے، جس کو دیکھوں پھر یہ نہ جی چاہے کہ آگے جاؤں۔ ایک طرف چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھوا رکھا تھا اور ایک چوکی بھی صندل کی بچھی تھی۔ دائی نے مجھے بیٹھنے کی اشارت کی۔ میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر۔ کہنے لگی: لو، اب جو کہنا ہے، سو جی بھر کر کہو۔

میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل و انصاف، داد و دہش کی پہلے تعریف کی، پھر کہنے لگا: جب سے میں اس مُلک کی سرحد میں آیا، ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جا بجا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں، اور آدمی ہر ایک عہدے کے تعینات ہیں کہ خبر گیری مُسافروں اور محتاجوں کی کرتے ہیں۔ مجھے بھی تین تین دن ہر ایک مَقام میں گزرے۔ چوتھے روز جب رخصت ہونے لگا، تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ۔ اور جتنا اسباب اُس مکان میں تھا، شطرنجی، چاندنی، قالینیں، سنتیل پاٹی، منگل کوٹی، دیوار گیری، چھت، پردے، چلونیں، سائبان، تَم گیرے، چھپَر کھٹ مع غِلاف، اَوْ نچہ، تو شک، بالاپوش، بسیح بند، چادر، تکیے، تکیئنی، گل تکیے، مَسنَد، گاؤ تکیے، دیگ، دیگچے، پتیلے، طَباق، رکابی، بادیے، تشتری، چمچے، بکاولی، کف گیر، طعام بخش، سَرپوش، سینی، خوان پوش، تُورہ پوش، آب خورے، بَجھرے، صُراحی، لگن، پان دان، چَوگھرے، چنگیر، گلاب پاش، عُود سوز، آفتابہ، چلپچی، سب میرے حوالے کیے کہ یہ تمھارا مال ہے، چاہو اب لے جاؤ، نہیں تو ایک کوٹھری میں بند کر کر اپنی مُہر کرو، جب تمھاری خوشی ہو گی، پھرتے ہوئے لے جائیو۔ میں نے یونہیں کیا۔ پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیرِ تنہا سے یہ سُلوک ہوا، تو ایسے غریب ہزاروں تمھارے مُلکوں میں آتے جاتے ہوں گے: پس اگر ہر ایک سے یہی مہمان داری کا طور رہتا ہو گا، تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہوں گے۔ پس اتنی دولت کہ جس کا یہ صَرف ہے، کہاں سے آئی، اور کیسی ہے؟ اگر گنج قارون ہو، تو بھی وفا نہ کرے۔ اور ظاہر میں اگر ملکہ کی سلطنت پر نگاہ کیجیے، تو اُس کی آمدنی فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہو گی، اور خرچوں کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر اس کا بیان ملکہ

کی زبان سے سنوں، تو خاطر جمع ہو، قصد مُلکِ نیم روز کا کروں، اور جوں توں وہاں جا پہنچوں۔ پھر سب احوال دریافت کر کے، ملکہ کی خدمت میں بہ شرطِ زندگی بارِ دگر حاضر ہوں، اپنے دل کی مُراد پاؤں۔

یہ سُن کر، ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ اے جوان! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماہیت دریافت کرے، تو آج کے دن بھی مقام کر؛ شام کو تجھے حضور میں طلب کر کر، جو کچھ احوال اِس دولتِ بے زوال کا ہے، بے کم و کاست کہا جائے گا۔ میں یہ تسلّی پا کر، اپنی اِستقامت کے مکان پر آ کر، مُنتظِر تھا کہ کب شام ہو، جو میرا مطلب تمام ہو۔ اتنے میں خواجہ سرا، کئی جو گو شئے نُورہ پوش پڑے، بھُوئیوں کے سر پر دھرے، آ کر موجود ہوا اور بولا کہ حضور سے اُلُش خاص عنایت ہوا ہے، اس کو تناول کرو۔ جس وقت میرے سامنے کھولے، بو باس سے دماغ مُعطّر ہوا اور روح بھر گئی۔ جتنا کھا سکا، کھا لیا؛ باقی اُن سبھوں کو اُٹھا دیا اور شُکرِ نعمت کہہ بھیجا۔ بارے جب آفتاب تمام دن کا مُسافر، تھکا ہوا گرتا پڑتا ہوا اپنے محل میں داخل ہوا، اور ماہتاب دیوان خانے میں اپنے مُصاحبوں کو ساتھ لے کر نکل بیٹھا، اُس وقت دائی مجھ سے کہنے لگی کہ چلو بادشاہ زادی نے یاد فرمایا ہے۔

میں اُس کے ہم راہ ہو لیا، خلوتِ خاص میں لے گئی۔ روشنی کا یہ عالم تھا کہ شبِ قدر کو وہاں قدر نہ تھی۔ اور پادشاہی فرش پر مسندِ مُغرّق بچھی، مُرصّع کا تکیہ لگا ہوا، اور اُس پر ایک شمیانہ موتیوں کی جھالر کا، جڑاؤ اِستادوں پر کھڑا ہوا۔ اور سامھنے جواہر کے درخت پھول پات لگے ہوئے۔ (گویا عین مین قُدرتی ہیں) سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے۔ اور دونوں طرف دستِ راست اور دستِ چپ، شاگرد پیشے اور مجرائی، دست بستہ با ادب آنکھیں نیچی کیے ہوئے حاضر تھے۔ اور طوایف اور گاینیں سازوں کے سُر بنائے مُنتظِر۔ یہ سماں اور یہ تیاری کرّ و فر کی دیکھ کر، عقل ٹھکانے نہ رہی۔ دائی سے پوچھا کہ دن کو وہ زیبایش اور رات کو یہ آرایش، کہ دن عید اور رات شبِ برات کہا چاہیے، بلکہ دنیا میں بادشاہ ہفت اقلیم کو یہ عیش میسّر

میسّر نہ ہوگا، ہمیشہ یہی صورت رہتی ہے؟ دائی کہنے لگی کہ ہماری ملکہ کا جتنا کارخانہ تم نے دیکھا، یہ سب اسی دستور سے جاری ہے، اس میں ہرگز دخل نہیں، بلکہ افزوں ہے۔ تم یہاں بیٹھو، ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں، جا کر خبر کروں۔

دائی یہ کہ کر گئی، اور اُنھی پانوں پھر آئی، کہ چلو حضور میں۔ یہ مجرّد اُس مکان میں جاتے ہی، ہجھجک رہ گیا۔ نہ معلوم ہوا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کیدھر ہے۔ اس واسطے کہ حلبی آئینے قدِ آدم چاروں طرف لگے، اور اُن کی پرچازوں میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ ایک کا عکس ایک میں نظر آتا، تو یہ معلوم ہوتا کہ جواہر کا سارا مکان ہے۔ ایک طرف پردہ پڑا تھا، اُس کے پیچھے ملکہ بیٹھیں تھیں۔ وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی، اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔ تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اِس طور پر بیان کرنے لگی کہ سُن اے جوانِ دانا! سلطان اِس اقلیم کا بڑا بادشاہ تھا، اُن کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک روز بادشاہ نے جشن فرمایا، یے ساتوں لڑکیاں سولہ سنگار بارہ ابھرن، بال بال گج موتی پرو کر، بادشاہ کے حضور میں کھڑی تھیں۔ سُلطان کے کچھ جی میں آیا، تو بیٹیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا: اگر تمھارا باپ بادشاہ نہ ہوتا، اور کسی غریب کے گھر تم پیدا ہوتیں، تو تمھیں بادشاہ زادی اور ملکہ کون کہتا؟ خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو، تمھاری یہ ساری خوبی میرے دم سے ہے۔

چھے لڑکیاں ایک زبان ہو کر بولیں کہ جہاں پناہ جو فرماتے ہیں، بجا ہے، اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے۔ لیکن یہ ملکہ جہاں سب بہنوں سے چھوٹی تھیں، پر عقل و شعور میں اُس عمر میں بھی گویا سب سے بڑی تھیں، چپکی کھڑی رہیں، اِس گفتگو میں بہنوں کی شریک نہ ہوئیں، اِس واسطے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ بادشاہ نے نظرِ غضب سے اُن کی طرف دیکھا اور کہا: کیوں بی بی! تم کچھ نہ بولیں، اِس کا کیا باعث ہے؟ تب ملکہ نے دونوں ہاتھ اپنے رومال سے باندھ کر عرض کی کہ اگر جان کی اَمان پاؤں، اور تقصیر معاف ہو، تو یہ لونڈی اپنے دل کی بات گزارش کرے۔ حکم ہوا کہ، کیا کہتی ہے؟ تب ملکہ نے کہا کہ قبلۂ عالم! آپ نے سُنا ہے کہ

سچّی بات کڑوی لگتی ہے، سو اِس وقت مَیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر عرض کرتی ہوں، اور جو کوئی میری قسمت میں لکھنے والے نے لکھ دیا ہے، اُس کا مٹانے والا کوئی نہیں، کسو طرح نہیں ٹلنے کا۔

خواہ تم پا تو گھسو، یا کہ رکھو سر بہ سُجود
بات پیشانی کی جو کچھ ہے، سو پیش آنی ہے

جس بادشاہ علی الاِطلاق نے آپ کو بادشاہ بنایا، اُنھیں نے مجھے بھی بادشاہ زادی کہلوایا۔ اُس کی قُدرت کے کارخانے میں کسو کا اختیار نہیں چلتا۔ آپ کی ذات ہماری وَلیِ نعمت اور قبلہ و کعبہ ہے، حضرت کے قَدَمِ مُبارک کی خاک کو اگر سُرمہ کروں تو بجا ہے، مگر نصیب ہر ایک کے ہر ایک کے ساتھ ہیں۔ بادشاہ یہ سُن کر طیش میں آئے، اور یہ جواب دل پر سخت گراں معلوم ہوا! بیزار ہو کر فرمایا: چھوٹا مُنہ بڑی بات! اب اِس کی یہی سزا ہے کہ گہنا پاتا جو کچھ اِس کے ہاتھ گلے میں ہے، اُتار لو، اور ایک میانے میں چڑھا کر، ایسے جنگل میں کہ جہاں نام و نشان آدمی آدم زاد کا نہ ہو، پھینک آؤ۔ دیکھیں، اِس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔

بہ مُوجبِ حکمِ بادشاہ کے، اُس آدھی رات میں (کہ عین اندھیری تھی) ملکہ کو (جو جو نرے بھونرے میں پلی تھیں، اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی) جھوئی لے جاکر، ایک میدان میں کہ وہاں پَرَندہ پَر نہ مارتا، انسان کا تو کیا ذِکر ہے، چھوڑ کر چلے آئے۔ ملکہ کے دِل پر عجب حالت گزرتی تھی کہ ایک دم میں کیا تھا اور کیا ہو گیا؟ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتیں اور کہتیں: تو ایسا ہی بے نیاز ہے، جو چاہا سو کیا، اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے، اور جو چاہے گا سو کرے گا۔ جب تلک نتھنوں میں دم ہے، تجھ سے نااُمید نہیں ہوتی۔ اِسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی۔ جس وقت صبح ہونے لگی، ملکہ کی آنکھ کھل گئی، پکاریں کہ وضو کو پانی لانا! پھر ایک بارگی رات کی بات جب یاد آئی کہ تو کہاں اور یہ بات کہاں؟ یہ کہہ کر، اُٹھ کر تیمّم کیا، اور دوگانہ شکر کا پڑھا۔ اے عزیز! ملکہ کی اِس حالت کے سُننے سے چھاتی پھٹتی ہے، اُس

بھولے بھالے جی سے پوچھا چاہیے کہ کیا کہتا ہو گا!

غرض اُس میانے میں بیٹھی ہوئی خُدا سے لَو لگائے رہی تھیں، اور یہ کبت اُس دم پڑھتی تھیں۔

جب دانت نہ تھے، تب دودھ دیو، جب دانت دیے، کہا اَن نہ دے ہے۔
جو جَل میں تَھل میں پنچھی پَس کی سُدھ لیت، سو تیری بھی لے ہے
کاہے کو سوچ کرے مَن مُورکھ، سوچ کرے کچھ ہاتھ نہ اے ہے
جان کو دیت، اَجان کو دیت، جہان کو دیت، سو توکو بھی دے ہے

سچ ہے، جب کچھ بَن نہیں آتا، تب خدا ہی یاد آتا ہے۔ نہیں تو اپنی اپنی تدبیر میں ہر ایک لُقمان اور بوعلی سینا ہے۔ اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو! اِسی طرح تین دن رات صاف گزر گئے کہ ملکہ کے مُنہ میں ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ گئی۔ وہ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اور وہ رنگ جو کُندن سا دمکتا تھا، ہلدی سا بَن گیا۔ مُنہ میں پھیپھڑی بندھ گئی، آنکھیں پتھرا گئیں، مگر ایک دَم اٹک رہا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا۔ جب تلک سانس، تب تلک آس۔ چوتھے روز صبح کو ایک درویش خِضر کی سی صورت، نورانی چہرہ، روشن دل، آکر پیدا ہوا۔ ملکہ کو اُس حالت میں دیکھ کر بولا: اے بیٹی! اگرچہ تیرا باپ بادشاہ ہے، لیکن تیری قسمت میں یہ بھی بدا تھا۔ اب اِس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ، اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان رکھ، خدا خوب کرے گا اور فقیر کے کچکول میں جو ٹکڑے بھیک کے موجود تھے، ملکہ کے رُو بہ رُو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔ دیکھے تو ایک کُنواں تو ہے، پر ڈول رسّی کہاں، جس سے پانی بھرے؟ تھوڑے پتّے درخت سے توڑ کر دونا بنایا، اور اپنی سیلی کھول کر اُس میں باندھ کر نکالا، اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا۔ بارے، ٹک ہوش آیا۔ اُس مردِ خدا نے بے کس اور بے بس جان کر، بہت سی تسلّی دی، خاطر جمع کی، اور آپ بھی رونے لگا۔ ملکہ نے جب غم خواری اور دل داری اُس کی بے حد دیکھی، تب اُن کے بھی مزاج کو اِستقلال ہوا۔ اُس روز سے اُس پیر مرد نے یہ مُقرّر کیا کہ صبح کو بھیکھ مانگنے کے لیے شہر میں

نکل جاتا، جو ٹکڑا یا پارچہ پاتا، ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔

اِس طور سے تھوڑے روز گزرے۔ ایک دن ملکہ نے تیل سر میں ڈالنے اور کنگھی چوٹی کرنے کا قصد کیا۔ جونہیں مُباف کھولا، چُٹلے میں سے ایک موتی کا دانہ گول آبدار نکل پڑا۔ ملکہ نے اُس درویش کو دیا اور کہا: شہر میں سے اِس کو بیچ لاؤ۔ وہ فقیر اُس گوہر کو بیچ کر، اُس کی قیمت بادشاہ زادی کے پاس لے آیا۔ تب ملکہ نے حکم کیا کہ ایک مکان مُوافق گزران کے اِس جگہ بنواؤ۔ فقیر نے کہا: اے بیٹی! نیو دیوار کی کھود کر، تھوڑی سی مٹّی جمع کرو، ایک دن میں پانی لا کر، گارا کر کر، گھر کی بُنیاد دُرست کر دوں گا۔ ملکہ نے اُس کے کہنے سے مٹّی کھودنی شروع کی۔ جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا، زمین کے نیچے سے ایک دروازہ نمود ہوا۔ ملکہ نے اُس در کو صاف کیا۔ ایک بڑا گھر جواہر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا۔ ملکہ نے پانچ چار لپ اشرفیوں کی لے کر پھر بند کیا، اور مٹّی دے کر اوپر سے ہموار کر دیا۔ اتنے میں فقیر آیا، ملکہ نے فرمایا کہ راج اور معمار کاری گر اور اپنے کام کے اُستاد اور مزدور جلد دَست بلاؤ، جو اِس مکان پر ایک عمارتِ بادشاہانہ کہ طاقِ کسریٰ کا جُفت ہو، اور قصرِ نُعمان سے سبقت لے جائے، اور شہر پناہ اور قِلعہ اور باغ اور باولی اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو جلد تیّار کریں۔ لیکن پہلے نقشہ اُن کا ایک کاغذ پر دُرست کر کے حضور میں لا دیں، جو پسند کیا جائے۔

فقیر نے ایسے ہی کار کُن، کار کردہ، ذی ہوش لا کر حاضر کیے۔ مُوافق فرمانے کے تعمیر عمارت کی ہونے لگی۔ اور نوکر چاکر ہر ایک کارخانہ جات کی خاطر، چُن چُن کر فہمیدہ اور بادیانت، ملازم ہونے لگے۔ اُس عمارتِ عالی شان کی تیّاری کی خبر، رفتہ رفتہ بادشاہِ ظِلِّ سُبحانی (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی۔ سُن کر بہت مُتعجّب ہوئے، اور ہر ایک سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے، جن نے یہ محلّات بنانے شروع کیے ہیں؟ اُس کی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے، سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ کوئی غلام نہیں جانتا کہ اِس کا بانی کون ہے؟ تب بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ میں اُن مکانوں کے دیکھنے کو آیا چاہتا ہوں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی بادشاہ زادی

ہو اور کس خاندان سے ہو، یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے تئیں منظور ہے۔

جونہیں ملکہ نے یہ خوش خبری سُنی، دل میں بہت شاد ہو کر عرضی لکھی کہ جہاں پناہ سلامت، حضور کے تشریف لانے کی خبر، طرف غریب خانے کے، سُن کر نہایت خوشی حاصل ہوئی، اور سبب حُرمت اور عزّت اِس کم ترین کا ہوا۔ زہے طالع اُس مکان کے! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے، اور وہاں کے رہنے والوں پر دامنِ دولت سایہ کرے، اور نظرِ توجّہ سے وے دونوں سرفراز ہو ویں۔ یہ لونڈی اُمّیدوار ہے کہ کل روزِ پنج شنبہ روزِ مبارک ہے، اور میرے نزدیک بہتر روزِ نوروز سے ہے؛ آپ کی ذات مُشابہ آفتاب کے ہے، تشریف فرما کر، اپنے نور سے اس ذرّۂ بے مِقدار کو قدر و منزلت بخشیے، اور جو کچھ اِس عاجزہ سے مُیسّر ہو سکے، نوشِ جان فرمائیے۔ یہ عین غریب نوازی اور مُسافر پروری ہے، زیادہ حدِّ ادب۔ اور اُس عُمدہ کو بھی کچھ تواضع کر کر، رُخصت کیا۔

بادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہاری دعوت قبول کی، البتّہ آویں گے۔ ملکہ نے نوکروں اور سب کارو باریوں کو حکم کیا کہ لوازمہ ضیافت کا ایسے سلیقے سے تیّار ہو کہ بادشاہ دیکھ کر اور کھا کر، بہت محظوظ ہوں۔ اور ادنیٰ اعلیٰ جو بادشاہ کی رکاب میں آویں، سب کھا پی کر خوش ہو کر جاویں۔ ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے، سب قسم کے کھانے سلونے اور میٹھے، اِس ذائقے کے تیّار ہوئے کہ اگر باہمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی۔

جب شام ہوئی، بادشاہ مُنڈے تخت پر سوار ہو کر، ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے۔ ملکہ اپنی خاص خواص سہیلیوں کو لے کر استقبال کے واسطے چلیں۔ جوں بادشاہ کے تخت پر نظر پڑی، اِس آداب سے مُجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھ کر، بادشاہ کو اور بھی حیرت نے لیا اور اُسی انداز سے جلوہ کر کر، بادشاہ کو تختِ مُرصّع پر لا بٹھایا۔ ملکہ نے سوا لاکھ روپے کا چبوترہ تیّار کر وا رکھا تھا اور ایک سو ایک کشتی جواہر اور اشرفی اور پشمینہ اور نور بافی اور ریشمی اور طلا بافی اور زر دوزی کی لگا رکھی تھی اور دو زنجیر فیل اور دس راس اسپ عراقی اور یمنی مُرصّع کے ساز سے تیّار کر رکھے تھے، نذر گزرانے۔ اور آپ دونوں ہاتھ باندھے رُو بہ رُو کھڑی رہیں۔ بادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ تم کس مُلک

کی شہزادی ہو، اور یہاں کس صورت سے آنا ہوا؟

ملکہ نے آداب بجا لاکر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہ گار ہے، جو غضبِ سلطانی کے باعث، اِس جنگل میں پہنچی۔ اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھتے ہیں۔ یہ سُنتے ہی بادشاہ کے لہو نے جوش مارا، اُٹھ کر محبّت سے گلے لگا لیا، اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کُرسی بچھوا کر، حکم بیٹھنے کا کیا۔ لیکن بادشاہ حیران اور مُتعجّب بیٹھے تھے، فرمایا کہ بادشاہ بیگم کو کہو کہ پادشاہ زادیوں کو اپنے ساتھ لے کر جلد آویں۔ جب وے آویں، ما، بہنوں نے پہچانا، اور گلے مل کر روئیں اور شکر کیا۔ ملکہ نے اپنی والدہ چھوں ہمشیروں کے رُوبہ رُو اتنا نقد اور جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اُس کے پاسنگ میں نہ چڑھے۔ پھر بادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر، خاصہ نوش جان فرمایا۔

جب تلک جہاں پناہ جیتے رہے، اِسی طرح گزری۔ کبھو کبھو آپ آتے، اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لے جاتے۔ جب بادشاہ نے رِحلت فرمائی، سلطنت اِس اِقلیم کی ملکہ کو پہنچی، کہ اِن کے سوا کوئی دوسرا لائق اِس کام کے نہ تھا۔ اے عزیز! سرگذشت یہ ہے جو تُو نے سُنی۔ بس دولتِ خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا، مگر آدمی کی نیت دُرست چاہیے۔ بلکہ جتنی خرچ کرو، اُس میں اُتنی ہی برکت ہوتی ہے۔ خدا کی قُدرت میں تعجّب کرنا، کسی مذہب میں رَوا نہیں۔ دائی نے یہ بات کہہ کر، کہا: اب اگر قصد وہاں کے جانے کا اور اُس خبر لانے کا، دل میں مُقرّر رکھتے ہو، تو جلد روانہ ہو۔ میں نے کہا اسی وقت میں جاتا ہوں، اور خدا چاہے تو جلد پھر آتا ہوں۔ آخر رخصت ہو کر، اور فضلِ اِلٰہی پر نظر رکھ کر، اُس سَمت کو چلا۔

برس دن کے عرصے میں، ہرج مرج کھینچتا ہوا، شہر نیمروز میں جا پہنچا۔ جتنے وہاں کے آدمی بزاری اور بزاری نظر پڑے، سیاہ پوش تھے۔ جیسا احوال سُنا تھا، اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کئی دنوں کے بعد چاندرات ہوئی۔ پہلی تاریخ، سارے لوگ اُس شہر کے، چھوٹے بڑے، لڑکے بالے، اُمرا بادشاہ، عورت مرد، ایک میدان میں جمع ہوئے۔ میں بھی اپنی حالت میں حیران سرگرداں، اُس کثرت کے ساتھ اپنے

مال مُلک سے جُدا، فقیر کی صورت بنا ہوا کھڑا دیکھتا تھا، کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک جوان گاوسوار، مُنہ میں کف بھرے، جوش خروش کرتا ہوا، جنگل میں سے باہر نکلا۔ یہ عاجز، جو اتنی محنت کر کے اُس کے احوال دریافت کرنے کی خاطر گیا تھا، دیکھتے ہی اُسے، حواس باختہ ہو کر حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جواں مرد، قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا، کر کر پھر گیا۔ اور خلقت شہر کی، شہر کی طرف مُتوجّہ ہوئی۔ جب مجھے ہوش آیا، تب میں پچھتایا کہ یہ کیا حرکت تجھ سے ہوئی؟ اب مہینے بھر پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا اور اُس مہینے کو، ماہِ رمضان کے مانند، ایک ایک دن گن گن کر کاٹا۔ بارے دوسری چاند رات آئی، مجھے گویا عید ہوئی۔ غُرّے کو پھر بادشاہ خلقت سمیت وہیں جا کر اکٹھے ہوئے۔ تب میں نے دل میں مُصمّم ارادہ کیا کہ اب کی بار جو ہو سو ہو، اپنے تئیں سنبھال کر اس ماجرے عجیب کو معلوم کیا چاہیے۔

ناگاہ جوان بہ دستور زرد بیل پر زین باندھے سوار ہوا آ پہنچا، اور اُتر کر دو زانو بیٹھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی سیف اور ایک ہاتھ میں بیل کی ناتھ پکڑی، اور مرتبان غلام کو دیا۔ غلام ہر ایک کو دکھا کر لے گیا، آدمی دیکھ کر رونے لگے۔ اُس جوان نے مرتبان پھوڑا، اور غلام کو ایک تلوار ایسی ماری کہ سر جُدا ہو گیا، اور آپ سوار ہو کر مُڑا۔ میں اُس کے پیچھے جلد قدم اُٹھا کر چلنے لگا۔ شہر کے آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: یہ کیا کرتا ہے؟ کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے؟ اگر ایسا ہی تیرا دم ناک میں آیا ہے، تو بہتیری طرحیں مرنے کی ہیں، مر رہیو۔ ہر چند میں نے منّت کی اور زور بھی کیا، کہ کسو صورت سے اُن کے ہاتھ سے چھوٹوں، چُھٹکارا نہ ہوا۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی کی طرف لے آئے۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گزرا۔

جب وہ بھی مہینا تمام ہوا اور سلخ کا دن آیا، صبح کو اُس صورت سے سارے عالم کا وہاں اِزدِحام ہوا۔ میں الگ سب سے، نماز کے وقت اُٹھ کر، آگے ہی جنگل میں دجو عین اُس جوان کی راہ پر تھا، گھس کر چُھپ رہا، کہ یہاں تو کوئی میرا

مُزاحم نہ ہوگا۔ وہ شخص اُسی قاعدے سے آیا، اور وہی حرکتیں کر کر، سوار ہُوا اور چلا۔ میں نے اُس کا پیچھا کیا اور دوڑتا دُھوپتا ساتھ ہو لیا۔ اُس عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے۔ ایک بارگی باگ موڑ کر، ایک نعرہ مارا اور گھُر کا، تلوار کھینچ کر میرے سر پر آ پہنچا۔ چاہتا تھا کہ حملہ کرے، میں نے نہایت ادب سے ٹُھہر کر، سلام کیا، اور دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا رہ گیا۔ وہ قاعدہ داں متکلّم ہوا کہ اے فقیر! تو ناحق مارا گیا ہوتا، پر بچ گیا؛ تیری حیات کچھ باقی ہے۔ جا، کہاں آتا ہے؟ اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا اور آویزہ لگا ہوا کمر سے نکال کر میرے آگے پھینکا اور کہا: اِس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں، اِس کو بادشاہ پاس لے جا؛ جو تو مانگے گا ملے گا۔ ایسی ہیبت اور ایسا رُعب اُس کا مجھ پر غالب ہوا کہ نہ بولنے کی قدرت نہ چلنے کی طاقت۔ مُنہ میں گھِگھی بندھ گئی، پانو بھاری ہو گئے۔

اِتنا کہہ کر، وہ غازی مرد نعرہ بھرتا ہوا چلا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ہرچہ بادا باد، اب رہ جانا تیرے حق میں بُرا ہے، پھر ایسا وقت نہ ملے گا۔ اپنی جان سے ہاتھ دھو کر میں بھی روانہ ہوا۔ پھر وہ پھرا، اور بڑے غُصّے سے ڈانٹا اور مُقرّر ارادہ میرے قتل کا کیا۔ میں نے سر جھکا دیا اور سوگند دی کہ اے رُستمِ وقت کے! ایسی ہی ایک سیف مار کہ صاف دو ٹکڑے ہو جاؤں، ایک تسمہ باقی نہ رہے، اور اِس حیرانی اور تباہی سے چھوٹ جاؤں۔ میں نے اپنا خون مُعاف کیا۔ وہ بولا کہ اے شیطان کی صورت! کیوں اپنا خونِ ناحق میری گردن پر چڑھاتا ہے اور مجھے گُنہ گار بناتا ہے؟ جا اپنی راہ لے، کیا جان بھاری پڑی ہے؟ میں نے اُس کا کہا نہ مانا، اور قدم آگے دھرا، پھر اُس نے دیدہ و دانستہ آنا کانا دی، اور میں پیچھے لگ گیا۔ جاتے جاتے، دو کوس وہ جھاڑ جنگل طے کیا۔ ایک چار دیواری نظر آئی۔ وہ جوان دروازے پر گیا اور ایک نعرۂ مہیب مارا۔ وہ در آپ سے آپ کھُل گیا۔ وہ اندر بیٹھا۔ میں باہر کا باہر کھڑا رہ گیا۔ اِلٰہی اب کیا کروں! حیران تھا۔ بارے

ایک دم کے بعد غلام آیا اور پیغام لایا کہ چل تجھے رُو بہ رُو بُلایا ہے، شاید تیرے سر پر اَجل کا فرشتہ آیا ہے۔ کیا تجھے کم بختی لگی تھی! میں نے کہا: زہے نصیب! اور بے دَھڑک اُس کے ساتھ اندر باغ کے گیا۔

آخر ایک مکان میں لے گیا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ میں نے اُسے دیکھ کر فَرشی سلام کیا۔ اُس نے اِشارت بیٹھنے کی کی، میں ادب سے دوزانو بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں، کہ وہ مرد اکیلا ایک مَسنَد پر بیٹھا ہے، اور ہتھیار زرگری کے آگے دھرے ہیں، اور ایک جھاڑ زُمُرّد کا تیار کر چکا ہے۔ جب اُس کے اُٹھنے کا وقت آیا، جتنے غُلام اُس نَشِیمن کے گِرد بیٹھے حاضر تھے، حُجروں میں چُھپ گئے، میں بھی مارے وَسواس کے، ایک کوٹھری میں جا گُھسا۔ وہ جوان اُٹھ کر، سب مکانوں کی کُنڈیاں چڑھا کر، باغ کے کونے کی طرف چلا، اور اپنی سَواری کے بَیل کو مارنے لگا۔ اُس کے چلّانے کی آواز میرے کان میں آئی، کلیجا کانپنے لگا۔ لیکن اِس ماجرا کے دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہی تھیں، ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کر، ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کر کھڑا ہوا اور دیکھنے لگا۔ جوان نے وہ سُونٹا جس سے مارتا تھا، ہاتھ سے ڈال دیا، اور ایک مکان کا قُفل کُنجی سے کھولا اور اندر گیا۔ پھر وہیں باہر نکل کر، زرگاو کی پیٹھ پہ ہاتھ پھیرا، اور مُنہ چوما، اور دانہ گھاس کِھلا کر اِدھر کو چلا۔ میں دیکھتے ہی جلد دوڑ کر پھر کوٹھری میں جا چُھپا۔

اُس جوان نے زنجیریں سب دروازوں کی کھول دیں، سارے غُلام باہر نکلے۔ زیرِ انداز اور سِلَفچی آفتابہ لے کر حاضر ہوئے۔ وہ وُضو کر کر، نماز کی خاطر کھڑا ہوا۔ جب نماز ادا کر چکا، پُکارا کہ وہ درویش کہاں ہے؟ اپنا نام سنتے ہی، میں دوڑ کر رُو بہ رُو جا کھڑا ہوا۔ فرمایا: بیٹھ، میں تسلیم کر کر بیٹھا۔ خاصہ آیا، اُس نے تناوُل فرمایا، مجھے بھی عنایت کیا، میں نے بھی کھایا، جب دسترخوان بڑھایا اور ہاتھ دھوئے، غلاموں کو رُخصت دی کہ جا کر سو رہو۔ جب کوئی اُس مکان میں نہ رہا، تب مجھ سے ہم کلام ہوا اور پوچھا کہ اے عزیز! تجھ پر کیا ایسی آفت آئی ہے جو تو اپنی موت کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے؟

میں نے اپنا اَحوال آغاز سے انجام تک جو کچھ گزرا تھا، تفصیل وار بیان کیا اور کہا: آپ کی توجّہ سے اُمّید ہے کہ اپنی مُراد کو پہنچوں۔ اُس نے یہ سُنتے ہی ایک ٹھنڈھی سانس بھری اور بے ہوش ہوا اور کہنے لگا: بارِ خُدایا! عشق کے درد سے تیرے سوا کون واقف ہے۔ جس کی نہ پھٹی ہو بوائی، کیا جانے پیر پرائی۔ اِس درد کی قدر، جو درد مند ہو سو جانے ؎

آفتوں کو عشق کی، عاشق سے پوچھا چاہیے
کیا خبر فاسق کو ہے؟ صادق سے پوچھا چاہیے

بعد ایک لمحے کے ہوش میں آکر، ایک آہِ جگر سوز بھری، سارا مکان گونج گیا۔ تب مجھے یقین آیا کہ یہ بھی اِس عشق کی بلا میں گرفتار رہے، اور اِسی مَرض کا بیمار ہے۔ تب تو میں نے دل چلا کر کہا کہ میں نے اپنا اَحوال سب عرض کیا۔ آپ توجّہ فرما کر، اپنی سرگُزشت سے بندے کو مُطّلع فرمائیے؛ تو بہ مقدور اپنے پہلے تمھارے واسطے سَعی کروں، اور دل کا مطلب کوشش کر کر، ہاتھ میں لاؤں۔ اَلقصّہ وہ عاشقِ صادق، مجھ کو اپنا ہم راز اور ہم درد جان کر، اپنا ماجرا اِس صورت سے بیان کرنے لگا، کہ سُن اے عزیز! میں بادشاہ زادۂ جگر سوز اِس اِقلیمِ نیمروز کا ہوں۔ بادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے، میرے پیدا ہونے کے بعد، نجومی اور رمّال اور پنڈت جمع کیے، اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو، اور جنم پتری درست کرو، اور جو جو کچھ ہوتا ہے، حقیقت پل پل، گھڑی گھڑی اور پہر پہر اور دن دن، مہینے مہینے اور برس برس کی مُفصّل حُضور میں عرض کرو۔ بہ موجب حکم بادشاہ کے، سب نے مُتّفق ہو، اپنے اپنے علم کی رُو سے ٹھہرا اور ساد ھ کر اِلتماس کیا کہ خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت اور شبھ لگن میں شہزادے کا نولدا اور جنم ہوا ہے کہ چاہیے سکندر کی سی بادشاہت کرے، اور نوشیرواں سا عادِل ہو۔ اور جتنے علم اور ہُنر ہیں، اُن میں کامل ہو، اور جس کام کی طرف اُس کا دل مائل ہو، وہ بہ خوبی حاصل ہو۔ سخاوت و شجاعت میں ایسا نام پیدا کرے کہ حاتم اور رُستم کو لوگ بھول جاویں۔ لیکن چودہ برس تک سورج اور چاند کے دیکھنے سے ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے، بلکہ یہ وَسواس

ہے کہ جُنونی اور سَودائی ہوکر بہت آدمیوں کا خون کرے۔ اور بستی سے گھبراوے، جنگل میں نکل جاوے، اور چرند پرند کے ساتھ دِل بہلاوے۔ اِس کا تقیّد رہے کہ رات دن آفتاب ماہتاب کو نہ دیکھے، بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پاوے۔ جو اِتنی مُدّت خیر و عافیت سے کٹے، پھر ساری عُمر سُکھ اور چَین سے سلطنت کرے۔

یہ سُن کر بادشاہ نے اسی لیے اِس باغ کی بنا ڈالی، اور مکان مُتعدّد ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ میرے تئیں تہ خانے میں پلنے کا حکم کیا، اور اوپر ایک بُرج نمدے کا تیّار کروایا، تو دھوپ اور چاندنی اُس میں سے نہ چھنے۔ میں دائی دودھ پلائی اور انّا چھوچھو اور کئی خواصوں کے ساتھ اِس مُحافظت سے اُس مکانِ عالی شان میں پرورش پانے لگا۔ اور ایک اُستاد دانا، کار آزمودہ، واسطے میری تربیت کے مُتعیّن کیا، تو تعلیم ہر علم اور ہُنر کی اور مشق ہفت قلم لکھنے کی کرے اور جہاں پناہ ہمیشہ میرے خبرگیراں رہتے، دم بہ دم کی کیفیت روزمرّہ حضور میں عرض ہوتی۔ میں اُس مکان ہی کو عالمِ دُنیا جان کر، کھلونوں اور رنگ بہ رنگ پھولوں سے کھیلا کرتا۔ اور تمام دنیا کی نعمتیں کھانے کے واسطے موجود رہتیں، جو چاہتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک، جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں، تحصیل کیں۔

ایک روز اُس گُنبد کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اَچنبھے کا نظر پڑا کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ہوتا جاتا تھا۔ میں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑ لوں؛ جوں میں ہاتھ لنبا کرتا تھا، وہ اُونچا ہوجاتا تھا۔ میں حیران ہوکر اُسے تک رہا تھا۔ وونہیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی۔ میں نے اُس کے دیکھنے کو گردن اُٹھائی۔ دیکھا تو نمدا چیر کر، ایک مُکھڑا چاند کا سا نکل رہا ہے۔ دیکھتے ہی اُس کے، میرے عقل و ہوش بجا نہ رہے، پھر اپنے تئیں سنبھال کر دیکھا، تو ایک مُرصّع کا تخت پری زادوں کے کاندھے پر مُعلّق کھڑا ہے، اور ایک تخت نشین تاج جواہر کا سر پر، اور خلعت جھلابور بدن میں پہنے، ہاتھ میں یاقوت کا پیالا لیے ہوئے اور شراب پیے ہوئے بیٹھی ہے

وہ تخت بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اُتر کر اُس بُرج میں آیا۔ تب پری نے مجھے بُلایا اور اپنے نزدیک بِٹھایا، باتیں پیار کی کرنے لگی، اور مُنہ سے مُنہ لگا کر، ایک جامِ شرابِ گُلِ گُلاب کا میرے تئیں پلایا اور کہا: آدمی زاد بے وفا ہوتا ہے، لیکن دل ہمارا تجھے چاہتا ہے۔ ایک دم میں ایسی ایسی انداز و ناز کی باتیں کیں کہ دل مَحو ہو گیا، اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زِندگانی کا مزا پایا، اور یہ سمجھا کہ آج تو دنیا میں آیا۔

حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں، کسو نے یہ عالَم دیکھا نہ ہوگا، نہ سُنا ہوگا۔ اُس مزے میں خاطرِ جمع سے ہم دونوں بیٹھے تھے کہ گریبان میں غُلغُلا لگا۔ اب اُس حادثۂ ناگہانی کا ماجرا سُن کر، کہ وہ نہیں چار پریزاد نے آسمان پر سے اُتر کر، کچھ اُس معشوقہ کے کان میں کہا۔ سنتے ہی اُس کا چہرہ تغیُّر ہو گیا اور مجھ سے بولی کہ اے پیارے! دل تو چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھ کر دل بہلاؤں، اور اسی طرح ہمیشہ آؤں، یا تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں؛ پر یہ آسمان دو شخص کو ایک جگہ آرام سے اور خوشی سے رہنے نہیں دیتا۔ لے، جاناں! تیرا خدا نگہبان ہے۔ یہ سُن کر میرے حواس جاتے رہے، اور طوطے ہاتھ کے اُڑ گئے۔ میں نے کہا کہ اجی، اب پھر کب مُلاقات ہوگی؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سُنائی؟ اگر جلد آؤ گی تو مجھے جیتا پاؤ گی، نہیں تو پچھتاؤ گی۔ یا اپنا ٹھکانا اور نام و نشان بتاؤ کہ میں ہی اُس پتے پر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اپنے تئیں تمھارے پاس پہنچاؤں۔ یہ سُن کر بولی: دُور پار، شیطان کے کان بہرے، تمھاری صد و بیست سال کی عمر ہووے۔ اگر زندگی ہے تو پھر مُلاقات ہو کر رہے گی۔ میں جِنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں، اور کوہِ قاف میں رہتی ہوں۔ یہ کہہ کر تخت اُٹھایا، اور جس طرح اُترا تھا، وہ نہیں بلند ہونے لگا۔

جب تلک سامھنے تھا، میری اور اُس کی چار آنکھیں ہو رہی تھیں۔ جب نظروں سے غائب ہوا، یہ حالت ہو گئی جیسے پری کا سایہ ہوتا ہے۔ عجب طرح کی اُداسی دل پر چھا گئی، عقل و ہوش رُخصت ہوا، دُنیا آنکھوں کے تلے اندھیری ہو گئی۔ حیران پریشان، زار زار رونا، اور سِر پر خاک اُڑانا، کپڑے پھاڑنا۔ نہ کھانے کی سُدھ،

نہ بھلے بُرے کی سُدھ ہے

اِس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ہیں
دل میں اُداسیاں ہیں اور اضطرابیاں ہیں

اِس خرابی سے دائی اور مُعلّم خبردار ہوئے، ڈرتے ڈرتے بادشاہ کے رُو بہ رُو گئے اور عرض کی کہ بادشاہ زادۂ عالمیاں کا یہ حال ہے۔ معلوم نہیں خود بہ خود یہ کیا غضب ٹوٹا، جو اُن کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا ؟ تب بادشاہ، وزیر، امرائے صاحب تدبیر، اور طبیبِ حاذق، مُنجّمِ صادق، مُلّا سیانے خوب، درویشِ سالک اور مجذوب، اپنے ساتھ لے کر اُس باغ میں رونق افزا ہوئے۔ میری بے قراری اور نالہ وزاری دیکھ کر، اُن کی حالت بھی اضطراب کی ہو گئی۔ آب دیدہ ہو کر، بے اختیار گلے سے لگا لیا، اور اُس کی تدبیر کی خاطر حکم کیا۔ حکیموں نے قوتِ دل اور خللِ دماغ کے واسطے نسخے لکھے۔ اور مُلّاؤں نے نقش و تعویذ پلانے اور پاس رکھنے کو دیے، دُعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے۔ اور نجومی بولے کہ ستاروں کی گردش کے سبب یہ صورت پیش آئی ہے، اِس کا صدقہ دیجیے۔ غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا، پر مجھ پر جو گزرتی تھی، میرا دِل سہتا تھا۔ کسو کی سعی اور تدبیر، میری تقدیر بد کے کام نہ آئی۔ دن بہ دن دیوانگی کا زور ہوا، اور میرا بدن بے آب و دانے کم زور ہو چلا۔ رات دن چلّانا اور سر پٹکنا ہی باقی رہا۔ اُس حالت میں تین سال گزرے۔ چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہوا آیا، اور ہر ایک مُلک کے تحفے تحائف عجیب و غریب جہاں پناہ کے حضور میں لایا، مُلازمت حاصل کی۔

بادشاہ نے بہت توجّہ فرمائی اور احوال پُرسی اُس کی کر کے پوچھا کہ تم نے بہت مُلک دیکھے، کہیں کوئی حکیم کامل بھی نظر پڑا، یا کسو سے مذکور اُس کا سنا؟ اُس نے التماس کیا کہ قبلۂ عالَم! غلام نے بہت سیر کی، لیکن ہندستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ہے، وہاں ایک گوسائیں جٹا دھاری نے بڑا مَنڈھپ مہادیو کا، اور سنگت اور باغ بڑی بہار کا بنایا ہے، اُس میں رہتا ہے۔ اور اُس کا یہ قاعدہ

ہے کہ بَرسویں دن شبوراتٌ کے روز اپنے اِستھان سے نکل کر دریا میں پیرتا ہے اور خوشی کرتا ہے۔ اَشنان کے بعد جب اپنے آسن پر جانے لگتا ہے، تب بیمار اور دردمند دیس دیس اور مُلک کے جو دُور دُور سے آتے ہیں، دروازے پر جمع ہوتے ہیں، اُن کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

وہ مَہنت (جسے اِس زمانے کا افلاطون کہا چاہیے) قارورہ اور نبض دیکھتا ہوا اور ہر ایک کو نُسخہ لکھ کر دیتا ہوا چلا جاتا ہے۔ خدا نے ایسا دستِ شفا اُس کو دیا ہے کہ دوا پینے ہی اثر ہوتا ہے، اور وہ مَرَض بالکل جاتا رہتا ہے۔ یہ ماجرا میں نے بہ چشمِ خود دیکھا اور خُدا کی قدرت کو یاد کیا؛ کہ ایسے ایسے بندے پیدا کیے ہیں۔ اگر حکم ہو تو شہزادہ عالمیان کو اُس کے پاس لے جاویں، اُس کو ایک نظر دکھاویں؛ اُمید قوی ہے کہ جلد شفائے کامل ہو۔ اور ظاہر میں بھی یہ تدبیر اچھّی ہے کہ ہر ایک ملک کی ہوا کھانے سے اور جابجا کے آب و دانے سے، مزاج میں فرحت آتی ہے۔ بادشاہ کو بھی اُس کی صلاح پسند آئی اور خوش ہو کر فرمایا: بہت بہتر، شاید اُس کا ہاتھ راس آوے، اور میرے فرزند کے دِل سے وحشت جاوے۔

ایک امیرِ مُعتَبَر، جہاں دیدہ، کارآزمودہ کو اور اُس تاجر کو میری رکاب میں تعینات کیا، اور اَسبابِ ضروری ساتھ کر دیا۔ نواڑے، بَجرے، مورپنکھی، پَلوار، لچکے، کھیلنے، اُلاق، بَٹیلیوں پر مع سرانجام سوار کر کر رُخصت کیا، منزل منزل چلتے چلتے، اُس ٹھکانے پر جا پہنچے۔ نئی ہوا اور نیا دانہ پانی کھانے پینے سے کچھ مزاج ٹھہرا، لیکن خاموشی کا وہی عالَم تھا اور رونے سے کام۔ دم بہ دم یاد اُس پری کی دل سے بھولتی نہ تھی، اگر کبھو بھولتا تو یہ بیت پڑھتا۔

نہ جانوں کس پری رُو کی نظر ہوئی
ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دِل

بارے جب دو تین مہینے گزرے، اُس پہاڑ پر قریب چار ہزار مریض کے جمع ہوئے۔ لیکن سب یہی کہتے تھے کہ اب خدا چاہے تو گسائیں اپنے مَٹھ سے نکلیں گے

اور سب کو اُن کے فرمانے سے شِفائے کُلّی ہو گی۔ اَلقِصّہ، جس دن وہ دن آیا، صبح کو جوگی مانندِ آفتاب کے نکل آیا، اور دریا میں نہایا اور پَیرا۔ پار جاکر، پھر آیا، اور بھبھوت بھَسَم تمام بدن میں لگایا؛ وہ گورا بدن مانند انگارے کے راکھ میں چھپایا۔ اور ماتھے پر مَلاگیر کا ٹیکا دیا۔ لنگوٹ باندھ کر انگوچھا کاندھے پر ڈالا، بالوں کا جوڑا باندھا، موچھوں پر تاؤ دے کر، چڑھواں جُوتا اڑایا۔ اُس کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دُنیا اُس کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی۔ ایک قلم دان جڑاؤ بغل میں لے کر، ایک ایک کی طرف دیکھتا اور نسخہ دیتا ہوا، میرے نزدیک آپہنچا۔ جب میری اور اُس کی چار نظریں ہوئیں، کھڑا ہو کر غور میں گیا، اور مجھ سے کہنے لگا کہ ہمارے ساتھ آؤ۔ میں ہم راہ ہو لیا۔

جب سب کی نَوبت ہو چکی، میرے تئیں باغ کے اندر لے گیا، اور ایک مُقطّع خوش نقشے خلوت خانے میں مجھے فرمایا کہ یہاں تم رہا کرو، اور آپ اپنے استھان میں گیا۔ جب ایک چِلّا گزرا، تو میرے پاس آیا اور آگے کی نسبت مجھے خوش پایا؛ تب مسکرا کر فرمایا کہ اِس باغیچے میں سَیر کیا کرو، جس میوے پر جی چلے، کھایا کرو، اور ایک قُلفی چینی کی معجون بھری ہوئی دی، کہ اِس میں سے چھے ماشے ہمیشہ بلاناغہ نہار نوشِ جان فرمایا کرو۔ یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا، اور میں نے اُس کے کہنے پر عمل کیا۔ ہر روز قوّت بدن میں اور فرحت دل کو معلوم ہونے لگی؛ لیکن حضرتِ عشق کو کچھ اثر نہ کیا، اُس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی تھی۔

ایک روز طاق میں ایک جِلد کتاب کی نظر آئی، اُتار کر دیکھا تو سارے علمِ دین و دُنیا کے اُس میں جمع کیے تھے، گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا تھا۔ ہر گھڑی اُس کا مُطالعہ کیا کرتا۔ علمِ حکمت اور تسخیر میں نہایت قوّت بہم پہنچائی۔ اِس عرصے میں برس دن گزر گیا۔ پھر وہی خوشی کا دن آیا۔ جوگی اپنے آسن پر سے اُٹھ کر باہر نکلا۔ میں نے سلام کیا۔ اُن نے قلم دان مجھے دے کر کہا: ساتھ چلو۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جب دروازے سے باہر نکلا، ایک عالَم دُعا دینے لگا، وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھ کر

گسائیں کے قدموں پر گرے اور اداے شکر کرنے لگے، کہ آپ کی توجّہ سے بارے اِتنا تو ہوا۔ وہ اپنی عادت پر، دریا کے گھاٹ تک گیا اور اشنان پوجا جس طرح ہر سال کرتا تھا، کی۔ پھرتی بار بیماروں کو دیکھتا بھالتا چلا آتا تھا۔

اِتّفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان خوب صورت، تشکیل کہ ضعف سے کھڑے ہونے کی طاقت اُس میں نہ تھی، نظر پڑا۔ مجھ کو کہا کہ اِس کو ساتھ لے آ۔ سب کی دار و درمَن کر کے، جب خلوت خانے میں گیا، تھوڑی سی کھوپڑی اُس جوان کی تراش کر، چاہا کہ کنکھجورا جو مغز پر جا بیٹھا تھا، زنبور سے اُٹھا لیوے۔ میرے خیال میں گزرا اور بول اُٹھا کہ اگر دست پناہ آگ میں گرم کر کر، اُس کی پیٹھ پر رکھیے تو خوب ہے، آپ سے آپ نکل آوے گا؛ اور جو یوں کھینچیے گا تو مغز کے گودے کو نہ چھوڑے گا پھر خوف زندگی کو ہے۔ یہ سُن کر میری طرف دیکھا، اور چُپکا اُٹھ، باغ کے کونے میں ایک درخت کو لے میں پکڑ، جٹا کی لٹ کے کی گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا۔ میں نے پاس جا کر جو دیکھا، تو واہ واہ، یہ تو مر گیا! یہ اچنبھا دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، لاچار جی میں آیا اُسے گاڑ دوں۔ جوں درخت سے جُدا کرنے لگا، دو کنجیاں اُس کی لٹوں میں سے گر پڑیں۔ میں نے اُن کو اُٹھا لیا، اور اُس گنج خوبی کو زمین میں دفن کیا، وے دونوں کنجیاں لے کر سب قفلوں میں لگانے لگا۔ اِتّفاقاً دو حجرے کے تالے اُن تالیوں سے کھُلے، دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواہر بھرا ہوا ہے اور ایک پیٹی مخمل سے مڑھی، سونے کے پتر لگی، قفل دی ہوئی ایک طرف دھری ہے۔ اُس کو جو کھولا تو ایک کتاب دیکھی کہ اُس میں اسمِ اعظم، اور حاضرات جن و پری کے، اور ارواح کی مُلاقات، اور تسخیرِ آفتاب کی ترکیب لکھی ہے۔

ایسی دولت کے ہاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی، اور اُن پر عمل کرنا شروع کیا۔ دروازہ باغ کا کھول دیا، اپنے اُس امیر کو اور ساتھ والوں کو کہا کہ کشتیاں منگوا کر، یہ سب جواہر و نقد و جنس اور کتابیں بار کر لو۔ اور ایک نواڑے پر آپ سوار ہو کر وہاں سے بحر کو روانہ کیا۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک کے پہنچا، جہاں پناہ کو

خبر ہوئی؛ سوار ہو کر استقبال کیا، اور اشتیاق سے بے قرار ہو کر کلیجے سے لگا لیا۔ میں نے قدم بوسی کر کر، کہا کہ اس خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ہو۔ بولے کہ اے برخوردار! وہ مکان میرے نزدیک منحوس ٹھہرا، لہٰذا اُس کی مرمّت اور تیاری موقوف کی۔ اب وہ مکان لائق انسان کے رہنے کے نہیں رہا۔ اور جس محل میں جی چاہے، اُترو۔ بہتر یوں ہے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کر کے میری آنکھوں کے رُو بہ رُو ہو۔ اور بائیں باغ جیسا چاہو، تیار کروا کر، سیر تماشا دیکھا کرو۔ میں نے بہت ضد اور ہٹ کر کر، اُس باغ کو نئے سر سے تعمیر کروایا، اور بہشت کی مانند آراستہ کر، داخل ہوا۔ پھر فراغت سے، جنوں کی تسخیر کی خاطر چلّے بیٹھا، اور ترکِ حیوانات کر کر، حاضرات کرنے لگا۔

جب چالیس دن پورے ہوئے، تب آدھی رات کو ایک ایسی آندھی آئی کہ بڑی بڑی عمارتیں گر پڑیں۔ اور درخت جڑ پیڑ سے اُکھڑ کر، کہیں کہیں جا پڑے۔ اور پری زادوں کا لشکر نمود ہوا۔ ایک تخت ہوا سے اُترا، اُس پر ایک شخص شان دار، موتیوں کا تاج اور خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھتے ہی بہت مؤدّب ہو کر سلام کیا۔ اُس نے میرا اسلام لیا اور کہا کہ اے عزیز! یہ کیا تو نے ناحق ڈُند مچایا؟ ہم سے تجھے کیا مُدّعا ہے؟ میں نے التماس کیا کہ یہ عاجز بہت مُدّت سے تمھاری بیٹی پر عاشق ہے اور اسی لیے کہاں سے کہاں خراب و خستہ ہوا، اور جیتے جی مُوا۔ اب زندگی سے بہ تنگ آیا ہوں اور اپنی جان پر کھیلا ہوں۔ جو یہ کام کیا ہے۔ اب آپ کی ذات سے اُمّیدوار ہوں کہ مجھ حیران و سرگرداں کو اپنی توجّہ سے سرفراز کرو، اور اُس کے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو، تو بڑا ثواب ہو گا۔

یہ میری آرزو سُن کر بولا کہ آدمی خاکی، اور ہم آتشی، ان دونوں میں مُوافقت آنی مشکل ہے۔ میں نے قسم کھائی کہ میں اُن کے دیکھنے کا مشتاق ہوں، اور کچھ مطلب نہیں۔ پھر اُس تخت نشین نے جواب دیا کہ انسان اپنے قول قرار پر نہیں رہتا، غرض کے وقت سب کچھ کہتا ہے، لیکن یاد نہیں رکھتا۔ یہ بات میں تیرے بھلے کے لیے کہ

سُنتا ہوں؛ کہ اگر تو نے کبھو قصد کچھ اور کیا، تو وہ بھی اور تو بھی، دونوں خراب خستہ ہوگے، بلکہ خوف جان کا ہے۔ میں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی، کہ جس میں طرفین کی بُرائی ہووے، ویسا کام ہرگز نہ کروں گا، مگر ایک نظر دیکھتا رہوں گا۔ یہ باتیں ہو رہیاں تھیں، کہ آنچہٖ وہ پری (کہ جس کا مذکور تھا) نہایت ٹھٹے سے بنا دکیے ہوئے آ پہنچی، اور بادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا۔ تب میں نے بے اختیار اُس پری کو جان کی طرح بغل میں لے آیا، اور یہ شعر پڑھا ؎

کمان ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلّے

اُسی خوشی کے عالم میں، باہم اُس باغ میں رہنے لگے۔ مارے ڈر کے کچھ اور خیال نہ کرتا، بالائی مزے لیتا اور فقط دیکھا کرتا۔ وہ پری میرے قول و قرار کے نباہنے پر دل میں حیران رہتی، اور بعضے وقت کہتی کہ پیارے! تم بھی اپنی بات کے بڑے سچے ہو، لیکن ایک نصیحت میں دوستی کی راہ سے کرتی ہوں: اپنی کتاب سے خبردار رہیو کہ جن کسی نہ کسی دن تمھیں غافل پا کر چُرا لے جائیں گے۔ میں نے کہا اسے میں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں۔

اِتّفاقاً ایک روز رات کو شیطان نے وَرغلانا، شہوت کی حالت میں یہ دل میں آیا، کہ جو کچھ ہو سو ہو، کہاں تلک اپنے تئیں تھانبوں؟ اُسے چھاتی سے لگا لیا، اور قصد جماع کا کیا۔ وونہیں ایک آواز آئی، یہ کتاب مجھ کو دے! کہ اُس میں اسم اعظم ہے، بے اَدَبی نہ کر۔ اُس مستی کے عالم میں کچھ ہوش نہ رہا؛ کتاب بغل سے نکال کر بغیر جانے پہچانے حوالے کر دی، اور اپنے کام میں لگا۔ وہ نازنین یہ میری نادانی کی حرکت دیکھ کر بولی کہ ہے ظالم! آخر چوکا، اور نصیحت بولا۔

یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئی۔ اور میں نے اُس کے سرہانے ایک دیو دیکھا کہ کتاب لیے کھڑا ہے۔ چاہا کہ پکڑ کر خوب ماروں اور کتاب چھین لوں، اتنے میں اُس کے ہاتھ سے کتاب دوسرا لے بھاگا۔ میں نے جو افسوں یاد کیے تھے، پڑھنے شروع کیے۔ وہ جن جو کھڑا تھا، بیل بن گیا۔ لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی، اور وہی حالت

بے خودی کی رہی۔ تب میرا دِل گھبرایا، سارا عیش تلخ ہو گیا۔ اُس روز سے آدمیوں سے نفرت ہوئی۔ اِس باغ کے گوشے میں پڑا رہتا ہوں، اور دِل کے بہلانے کی خاطر، یہ مرزبان زمرّد کا جھاڑ دار بنایا کرتا ہوں، اور ہر مہینے اُس میدان میں اُسی بیل پر سوار ہو کر جایا کرتا ہوں۔ مرزبان کو توڑ کر غلام کو مار ڈالتا ہوں؛ اِس اُمّید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں، اور افسوس کھاویں۔ شاید کوئی خدا کا بندہ مہربان ہو کر میرے حق میں دُعا کرے، تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں۔ اے رفیق! میرے جُنون اور سَودا کی یہ حقیقت ہے، جو میں نے تجھے کہہ سُنائی۔

میں سُن کر آب دیدہ ہوا، اور بولا کہ اے شہزادے! تو نے واقعی عشق کی بڑی محنت اُٹھائی، لیکن قسم خدا کی کھاتا ہوں کہ میں اپنے مطلب سے درگزرا، اب تیری خاطر جنگل پہاڑ میں پھروں گا، اور جو مجھ سے ہو سکے گا سو کروں گا۔ یہ وعدہ کر کر، میں اُس جوان سے رُخصت ہوا، اور پانچ برس تک سَودائی سا ویرانے میں خاک چھانتا پھرا، سُراغ نہ ملا۔ آخر اُکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاہا کہ اپنے تئیں گرا دوں کہ کہ ہڈّی پسلی کچھ ثابت نہ رہے، وہی سوار برقع پوش آ پہنچا اور بولا کہ اپنی جان مت کھو، تھوڑے دِنوں کے بعد تو اپنے مقصد سے کامیاب ہو گا۔ یا سائیں اللہ! تمہارے دیدار تو میسّر ہوئے، اب خدا کے فضل سے اُمّیدوار ہوں کہ خوشی اور خرّمی ہو، اور سب نامُراد اپنی مُراد کو پہنچیں۔

سرگزشت آزاد بخت پادشاہ کی

جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصّہ کہہ چکا، رات آخر ہو گئی اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا۔ بادشاہ آزاد بخت چُپکا اپنے دولت خانے کی طرف روانہ ہوا، محل میں پہنچ کر نماز ادا کی۔ پھر غُسل خانے میں جا، خِلعتِ فاخرہ پہن کر دیوانِ عام میں تخت پر نکل بیٹھا، اور حکم کیا کہ یَسَاوُل جاوے، چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں، اُن کو بہ عزّت تمام اپنے ساتھ حضور میں لے آوے۔ بہ مُوجب حکم کے چوب دار وہاں گیا۔ دیکھا تو چاروں بے نوا جھاڑا جھٹکا پھر ہاتھ مُنہ دھو کر، چاہتے ہیں کہ رِدا کریں، اور اپنی اپنی راہ لیں۔ چیلے نے کہا: شاہ جی! بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ہے، میرے ساتھ چلیے، چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگے، اور چوب دار سے کہا: بابا! ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں، ہمیں دنیا کے بادشاہ سے کیا کام ہے؟ اُس نے کہا: میاں اللہ! مُضایقہ نہیں، اگر چلو تو اچھّا ہے۔

اِتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مُرتضیٰ نے جو فرمایا تھا، سو اب پیش آیا۔ خوشی ہوئے اور یَساوُل کے ہم راہ چلے، جب قلعے میں پہنچے، اور رُو بہ رُو پادشاہ کے گئے، چاروں قلندروں نے دُعا دی کہ بابا! تیرا بھلا ہو۔ بادشاہ دیوانِ خاص میں جا بیٹھے، اور دو چار خاص امیروں کو بُلایا اور فرمایا کہ چاروں گُدڑی پوشوں کو بُلاؤ۔ جب وہاں گئے، حکم بیٹھنے کا کیا۔ احوال پُرسی فرمائی کہ تمھارا کہاں سے آنا ہوا، اور کہاں کا

ارادہ ہے؟ مکان مُرشدوں کے کہاں ہیں؟

انھوں نے کہا کہ بادشاہ کی عمر و دولت زیادہ رہے، ہم فقیر ہیں؛ ایک مُدّت سے اِسی طرح سَیر و سَفر کرتے پھرتے ہیں، خانہ بَدوش ہیں۔ وہ مثَل ہے: فقیر کو جہاں شام ہوئی، وہیں گھر ہے۔ اور جو کچھ اس دُنیاے ناپایدار میں دیکھا ہے، کہاں تک بیان کریں؟

آزاد بخت نے بہت تسلّی اور تشفّی کی، اور کھانے کو منگوا کر، اپنے رُو بہ رُو ناشتا کروایا۔ جب فارغ ہوئے، پھر فرمایا کہ اپنا ماجرا تمام بے کم و کاسْت مجھ سے کہو: جو مجھ سے تمھاری خدمت ہو سکے گی، قصور نہ کروں گا۔ فقیروں نے جواب دیا کہ ہم پر جو جو کچھ بیتا ہے، نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ بادشاہ کو سُننے سے فرحت ہوگی؛ اُس کو مُعاف کیجیے۔ تب بادشاہ نے تبسّم کیا اور کہا: شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا اَحوال کہ رہے تھے، وہاں میں بھی موجود تھا؛ چناں چہ دو درویش کا احوال سُن چکا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ دونوں جو باقی ہیں، وے بھی کہیں، اور چند روز بہ خاطرِ جمع میرے پاس رہیں، کہ قدمِ درویشاں ردِّ بلا ہے۔ بادشاہ سے یہ بات سُنتے ہی، مارے خوف کے کانپنے لگے، اور سر نیچے کر کے چُپ ہو رہے، طاقت گویائی کی نہ رہی۔

آزاد بخت نے جب دیکھا کہ اب اِن میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں، فرمایا کہ اِس جہان میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا، جس پر ایک نہ ایک واردات عجیب و غریب نہ ہوئی ہوگی۔ باوجودے کہ میں بادشاہ ہوں، لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اُس کا بیان کرتا ہوں، تم بہ خاطرِ جمع سُنو۔ درویشوں نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ کا اَلطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے، ارشاد فرمائیے۔ آزاد بخت نے اپنا احوال شُروع کیا اور کہا ؎

اے شاہو! بادشاہ کا اب ماجرا سنو!
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے، اور ہے سُنا، سنو!

کہتا ہوں میں فقیروں کی خدمت میں سر بہ سر
احوال میرا خوب طرح دل لگا سنو!

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اُس تخت پر بیٹھا، عین عالم شباب کا تھا، اور سارا یہ مُلک روم کا میرے حُکم میں تھا۔ اِتفاقاً ایک سال کوئی سوداگر بدخشاں کے مُلک سے آیا اور اسباب تجارت کا بہت سا لایا۔ خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا۔ میں نے اُس کو طلب فرمایا۔

وہ تحفے ہر ایک مُلک کے لائق میری نذر کے لے کر آیا۔ فی الواقع ہر ایک جنس بے بہا نظر آئی۔ چُناں چہ ایک ڈبیا میں ایک لعل تھا، نہایت خوش رنگ اور آبدار، قدوقامت درست، اور وزن میں پانچ مثقال کا۔ میں نے باوجود سلطنت کے، ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا اور نہ کسو سے سُنا تھا، پسند کیا۔ سوداگر کو بہت سا انعام و اکرام دیا، اور سند راہداری کی لکھ دی کہ اُس سے ہماری تمام قلمرو میں کوئی مُزاحم محصول کا نہ ہو۔ اور جہاں جاوے، اُس کو آرام سے رکھیں، چوکی پہرے میں حاضر رہیں۔ اُس کا نقصان اپنا نقصان سمجھیں۔ وہ تاجر حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا، اور آدابِ سلطنت سے خوب واقف تھا، اور تقریر و خوش گوئی اُس کی لائق سُننے کے تھی۔ اور میں اُس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگوا کر، سرِ دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوانِ عام کیے بیٹھا تھا۔ اور اُمرا، ارکانِ دولت اپنے اپنے پایے پر کھڑے تھے۔ اور ہر ملک کے بادشاہوں کے ایلچی، مُبارک باد کی خاطر جو آئے تھے، وہ بھی سب حاضر تھے۔ اُس وقت میں نے موافق معمول کے اُس لعل کو منگوایا۔ جواہر خانے کا داروغہ لے کر آیا۔ میں ہاتھ میں لے کر تعریف کرنے لگا، اور فرنگ کے ایلچی کو دیا۔ اُن نے دیکھ کر تبسّم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہو کر بولے کہ قبلۂ عالم کے اقبال کے باعث یہ میسّر ہوا ہے، ورنہ کسو بادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا۔ اُس وقت میرے

قبلہ گاہ کا وزیر کہ مردِ دانا تھا، اور اُسی خدمت پر سرفراز تھا، وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا؛ آداب بجا لایا، اور التماس کیا کہ کچھ عرض کیا چاہتا ہوں، اگر جان بخشی ہو۔

میں نے حکم کیا کہ کہہ۔ وہ بولا: قبلۂ عالم! آپ بادشاہ ہیں، اور بادشاہوں سے بہت بعید ہے کہ ایک پتھر کی اتنی تعریف کریں۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ سنگ میں لاثانی ہے، لیکن سنگ ہے۔ اور اِس دم سب مُلکوں کے ایلچی دربار میں حاضر ہیں، جب اپنے اپنے شہر میں جاویں گے، البتّہ یہ نقل کریں گے کہ عجب بادشاہ ہے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ہے اُسے ایسا تحفہ بنایا ہے کہ ہر روز رُو بہ رُو منگاتا ہے، اور آپ اُس کی تعریف کر کر سب کو دکھاتا ہے۔ پس جو بادشاہ یا راجا یہ احوال سُنے گا، اپنی مجلس میں ہنسے گا۔ خداوندا! ایک ادنا سوداگر نیشاپور میں ہے، اُس نے بارہ دانے لعل کے ہر ایک سات سات مثقال کا ہے، پَٹے میں نَصب کر کر، کُتّے کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ مجھے سُنتے ہی غصّہ چڑھ آیا، اور کھسیانے ہو کر فرمایا کہ اِس وزیر کی گردن مارو۔

جلّادوں نے وونہیں اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چاہا کہ باہر لے جاویں؛ فرنگ کے بادشاہ کا ایلچی دست بستہ رُو بہ رُو آ کھڑا ہوا۔ میں نے پوچھا کہ تیرا کیا مطلب ہے؟ اُس نے عرض کی: اُمّیدوار ہوں کہ تقصیر کی وزیر سے واقف ہوں۔ میں نے فرمایا کہ جھوٹھ بولنے سے اور بڑا گناہ کون سا ہے، خصوصاً شاہوں کے رُو بہ رُو؟ اُن نے کہا: اُس کا دروغ ثابت نہیں ہوا، شاید جو کچھ کہ عرض کی ہے، سچ ہو! ابھی بے گناہ کا قتل کرنا دُرست نہیں۔ اُس کا میں نے یہ جواب دیا کہ ہرگز عقل میں نہیں آتا، ایک تاجر کہ نفع کے واسطے شہر بہ شہر اور مُلک بہ مُلک خراب ہوتا پھرتا ہے، اور کوڑی کوڑی جمع کرتا ہے؛ بارہ دانے لعل کے، جو وزن میں سات سات مثقال کے ہوں، کُتّے کے پَٹے میں لگا وے۔ اُس نے کہا: خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ شاید کہ باشند ایسے تحفے اکثر سوداگروں اور فقیروں کے ہاتھ آتے ہیں۔ اِس واسطے کہ یہ دونوں ہر ایک مُلک میں جاتے ہیں، اور جہان سے جو کچھ پاتے ہیں، لے آتے ہیں۔ صلاح دولت یہ ہے کہ اگر وزیر ایسا ہی تقصیردار ہے، تو حکم قید کا ہو۔ اِس لیے کہ وزیر بادشاہوں

کی عقل ہوتے ہیں۔ اور یہ حرکت سلاطینوں سے بدنما ہے کہ ایسی بات پر کہ جھوٹھ سچ اُس کا ابھی ثابت نہیں ہوا، حکم قتل کا فرمائیں، اور اُس کی تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں۔

پادشاہ سلامت! اگلے شہر یاروں نے بندی خانہ اِسی سبب سے ایجاد کیا ہے کہ بادشاہ یا سردار اگر کسو پر غضب ہوں، تو اُسے قید کریں۔ کئی دن میں غصّہ جاتا رہے گا اور بے تقصیری اُس کی ظاہر ہوگی، پادشاہ خونِ ناحق سے محفوظ رہیں گے، کل کو روزِ قیامت میں ماخوذ نہ ہوئیں گے۔ میں نے جتنا اُس کے قائل کرنے کو چاہا، اس نے ایسی معقول گفتگو کی کہ مجھے لاجواب کیا۔ تب میں نے کہا کہ خیر، تیرا کہنا پذیر ہوا، میں خون سے اُس کے درگزرا، لیکن زندان میں مُقیّد رہے گا۔ اگر ایک سال کے عرصے میں اُس کا سخن راست ہوا کہ ایسے لعل گُنبے کے گلے میں ہیں، تو اُس کی نجات ہوگی، اور نہیں تو بڑے عذاب سے مارا جاوے گا۔ فرمایا کہ وزیر کو بندی خانے میں لے جاؤ۔ یہ حکم سُن کر، ایلچی نے زمین خدمت کی چومی اور تسلیمات کی۔

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی، آہ واویلا مچا، اور ماتم سرا ہوگیا۔ اُس وزیر کی ایک بیٹی تھی، برس چودہ پندرہ کی، نہایت خوب صورت اور قابل، نوشت وخواند میں دُرست۔ وزیر اُس کو نپٹ پیار کرتا تھا اور عزیز رکھتا تھا۔ چناں چہ اپنے دیوان خانے کے پچھواڑے ایک رنگ محل اُس کی خاطر بنوا دیا تھا، اور لڑکیاں عمدوں کی اُس کی مصاحبت میں، اور خواصیں تشکیل خدمت میں رہتیں، اُن سے ہنسی خوشی کھیلا کودا کرتی۔

اتّفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا، وہ لڑکی اپنی ہم جولیوں میں بیٹھی تھی، اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا، اور ڈھولک پکھاوج لیے ہوئے رت جگے کی تیاری کر رہی تھی، اور کڑھائی چڑھا کر، گلگلے اور رُخم تلتی اور بنا رہی تھی، کہ ایک بارگی اُس کی ماں روتی پیٹتی، سر کھلے، پانو ننگے، بیٹی کے گھر میں گئی اور دو ہتّڑ اُس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی: کاش کے تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا

دیتا، تو میرا کلیجا ٹھنڈا ہوتا، اور باپ کا رفیق ہوتا۔ وزیرزادی نے پوچھا: اندھا بیٹا تمھارے کس کام آتا؟ جو کچھ کہ بیٹا کرتا، میں بھی کر سکتی ہوں۔ امّا نے جواب دیا: خاک تیرے سر پر، باپ پر یہ بپتا بیتی ہے کہ بادشاہ کے رُو بہ رُو کچھ ایسی بات کہی کہ بندی خانے میں قید ہوا۔ اُس نے پوچھا وہ کیا بات تھی؟ ذرا میں بھی سُنوں۔ تب وزیر کے قبیلے نے کہا کہ تیرے باپ نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ہے، اُس نے بارہ عدد لعلِ بے بہا کُتّے کے پٹّے میں ٹانکے ہیں۔ بادشاہ کو باور نہ ہوا، اُسے جھوٹھا سمجھا اور اسیر کیا۔ اگر آج کے دن بیٹا ہوتا تو ہر طرح سے کوشش کر کر اِس بات کو تحقیق کرتا، اور اپنے باپ کا اُپرالا کرتا، اور بادشاہ سے عرض معروض کر کے میرے خاوند کو بندی خانے سے مخلصی دلواتا۔

وزیرزادی بولی: امّا جان تقدیر سے لڑا نہیں جاتا۔ چاہیے کہ انسان بلائے ناگہانی میں صبر کرے، اور اُمّیدوار فضلِ الٰہی کا کرے۔ وہ کریم ہے، مشکل کسو کی اٹکی نہیں رکھتا۔ اور رونا دھونا خوب نہیں، مبادا، دشمن اور طرح سے بادشاہ کے پاس لگاویں، اور بُرے چغلی کھاویں؛ کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو۔ بلکہ جہاں پناہ کے حق میں دُعا کرو، ہم اُس کے خانہ زاد ہیں، وہ ہمارا خداوند ہے۔ وہی غضب ہوا ہے، وہی مہربان ہوگا۔ اُس لڑکی نے عقل مندی سے، ایسی ایسی طرح ماں کو سمجھایا کہ کچھ اُس کو صبر و قرار آیا۔ تب اپنے محل میں گئی اور چپکی ہو رہی۔

جب رات ہوئی، وزیرزادی نے دادا کو بُلایا، اُس کے ہاتھ پانو پڑی، بہت سی منّت کی اور رونے لگی، اور کہا: میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ امّا جان کا طعنہ مجھ پر نہ رہے، اور میرا باپ مخلصی پاوے۔ جو تو میرا رفیق ہو، تو میں نیشاپور کو چلوں، اور اُس تاجر کو (جس کے کُتّے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھ کر، جو بَن آوے کر آؤں، اور اپنے باپ کو چھڑاؤں۔

پہلے تو اُس مرد نے انکار کیا، آخر بہت کہنے سُننے سے راضی ہوا۔ تب وزیرزادی نے فرمایا: چپکے چپکے اسبابِ سفر کا دُرست کر، اور جنسِ تجارت کی

لائق نذر بادشاہوں کے خرید کر، اور غلام و نوکر چاکر جتنے ضرور ہوں ساتھ لے، لیکن یہ بات کسو پر نہ کھُلے۔ دادا نے قبول کیا اور اُس کی تیاری میں لگا۔ جب سب اَسباب مُہیّا کیا، اونٹوں اور خچرّوں پر بار کر کر روانہ ہوا۔ اور وزیرزادی بھی لباسِ مردانہ پہن کر ساتھ جا ملی، ہرگز کسو کو گھر میں خبر نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی، وزیر کے محل میں چرچا ہوا کہ وزیرزادی غائب ہے، معلوم نہیں کیا ہوئی۔

آخر بدنامی کے ڈر سے، ماں نے بیٹی کا گُم ہونا چھپایا۔ اور وہاں وزیرزادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا۔ منزل بہ منزل چلتے چلتے نیمشاپور میں پہنچی۔ خوشی بہ خوشی کارواں سرا میں جا اُتری، اور سب اپنا اسباب اُتارا۔ رات کو رہی، فجر کو حمّام میں گئی اور پوشاکِ پاکیزہ، جیسے روم کے باشندے پہنتے ہیں، پہنی۔ اور شہر کی سیر کے واسطے نکلی۔ آتے آتے جب چوک میں پہنچی، چوراہے پر کھڑی ہوئی۔ ایک طرف دُکان جوہری کی نظر پڑی کہ بہت سے جواہر کا ڈھیر لگ رہا ہے، اور غلام لباس فاخرہ پہنے ہوئے دست بستہ کھڑے ہیں، اور ایک شخص جو سردار ہے، برس پچاس ایک کی اُس کی عمر ہے۔ طالع مندوں کی سی خلعت اور نیمہ آستین پہنے ہوئے۔ اور کئی مُصاحِب باوضع نزدیک اُس کے کُرسیوں پر بیٹھے ہیں، اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

وہ وزیرزادی (جس نے اپنے تئیں سوداگر بچہ کر مشہور کیا تھا) اُسے دیکھ کر مُتعجّب ہوئی، اور دل میں سمجھ کر خوش ہوئی کہ خدا جھوٹھ نہ کرے، جس سوداگر کا میرے باپ نے بادشاہ سے مذکور کیا ہے، اغلب ہے کہ یہی ہو۔ بار خدایا! اس کا احوال مجھ پر ظاہر کر۔ اتفاقاً ایک طرف جو دیکھا تو ایک دُکان ہے، اس میں دو پنجرے آہنی لٹکتے ہیں، اور اُن دونوں میں دو آدمی قید ہیں۔ اُن کی مجنوں کی سی صورت ہو رہی ہے کہ چرم و اُستخواں باقی ہے، اور سر کے بال اور ناخن بڑھ گئے ہیں، سر اوندھائے بیٹھے ہیں، اور دو حبشی بدہیئت مُسلّح دونوں طرف کھڑے ہیں۔ سوداگر بچے کو اَچنبھا آیا، لاحول پڑھ کر، دوسری طرف جو دیکھا، تو ایک دُکان میں

قالیچے بچھے ہیں، اُن پر ایک چوکی ہاتھی دانت کی، اُس پر گدیلا مخمل کا پڑا ہوا، ایک کُتّا جواہر کا پٹّا گلے میں اور سونے کی زنجیر سے بندھا ہوا بیٹھا ہوا بیٹھا ہے۔ اور دو غلام اَمرد، خوب صورت اُس کی خدمت کر رہے ہیں، ایک تو مورچھل جڑاؤ دستے کا لیے جھلتا ہے اور دوسرا رومال، تارکشی کا ہاتھ میں لے کر مُنہ اور پانو اس کا پونچھ رہا ہے۔ سوداگر بچّے نے خوب غور کر کر جو دیکھا، تو پٹّے ہیں کُتّے کے، بارھوں دانے لعل کے، جیسے سُنے تھے موجود ہیں۔ شکر خدا کا کیا، اور فکر میں گیا کہ کس صورت سے اُن لعلوں کو بادشاہ پاس لے جاؤں اور دکھا کر اپنے باپ کو چھڑاؤں؟ یہ تو اس حیرانی میں تھا، اور تمام خلقت چوک اور رستے کی اُس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران تھی، اور ہکّا بکّا ہو رہی تھی۔ سب آدمی آپس میں یہ چرچا کرتے تھے کہ آج تلک اِس صورت و شبیہ کا انسان نظر نہیں آیا۔ اُس خواجہ نے بھی دیکھا، ایک غُلام کو بھیجا کہ تو جا کر، بہ منّت اُس سوداگر بچّے کو میرے پاس بُلا لا۔

وہ غُلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا، کہ اگر مہربانی فرمایئے تو ہمارا خداوند صاحب کا مشتاق ہے، چل کر ملاقات کیجیے۔ سوداگر بچّہ تو یہ چاہتا ہی تھا، بولا: کیا مضایقہ؟ جو نہیں خواجہ کے نزدیک آیا اور اُس پر خواجہ کی نظر پڑی، ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی۔ تعظیم کی خاطر سَر و قدم اُٹھا، لیکن حواس باختہ۔ سوداگر بچّے نے دریافت کیا کہ اب یہ دام میں آیا۔ آپس میں بغل گیری ہوئی۔ خواجہ نے سوداگر بچّے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ بہت سا تملّق کر کے پوچھا کہ اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو، کہاں سے آنا ہوا، اور کہاں کا ارادہ ہے؟ سوداگر بچّہ بولا کہ اِس کم ترین کا وطن روم ہے، اور قدیم سے استنبول زاد بوم ہے۔ میرے قبلہ گاہی سوداگر ہیں۔ اب بہ سبب پیری کے طاقت سیر و سفر کی نہیں رہی، اِس واسطے مجھے رخصت کیا ہے کہ کاروبار تجارت کا سیکھوں۔ آج تلک میں نے قدم گھر سے باہر نہ نکالا تھا، یہ پہلا ہی سفر در پیش ہوا، دریا کی راہ ہوا و نہ پڑا، خشکی کی طرف سے قصد کیا۔ لیکن اس عجم کے مُلک میں آپ کے اخلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے، محض صاحب کی

مُلاقات کی آرزو میں یہاں تک آیا ہوں۔ بارے فضلِ الٰہی سے خدمت شریف میں مُشرّف ہوا، اور اُس سے زیادہ پایا، تمنّا دِل کی بر آئی، خدا سلامت رکھّے۔ اب یہاں سے کوچ کروں گا۔

یہ سُنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے۔ بولا کہ اے فرزند! ایسی بات مجھے نہ سُناؤ، کوئی دن غریب خانے میں کرم فرماؤ۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمھارا اسباب اور نوکر چاکر کہاں ہیں؟ سوداگر بچّے نے کہا کہ مُسافر کا گھر سَرا ہے، اُنھیں وہاں چھوڑ کر، میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ خواجہ نے کہا کہ بھٹیار خانے میں رہنا مُناسب نہیں، میرا اس شہر میں اِعتبار ہے اور بڑا نام ہے، اجلد اُنھیں بُلوالو۔ میں ایک مکان تمھارے اسباب کے لیے خالی کر دیتا ہوں۔ جو کچھ جنس لائے ہو، میں دیکھوں، ایسی تدبیر کروں گا کہ یہیں تمھیں بہت سا نفع ملے۔ تم بھی خوش ہو گے، اور سفر کے ہرج مرج سے بچو گے، اور مجھے بھی چند روز رہنے سے اپنا احسان مند کرو گے۔ سوداگر بچّے نے اوپری دل سے عُذر کیا، لیکن خواجہ نے پذیرا نہ کیا، اور اپنے گُماشتے کو فرمایا کہ بار بردار جلد بھیجو، اور کارواں سَرا سے اِن کا اسباب منگوا کر، فلانے مکان میں رکھواؤ۔

سوداگر بچّے نے ایک زنگی غلام کو اُن کے ساتھ کر دیا کہ سب مال متاع لدوا کر لے آ، اور آپ شام تلک خواجہ کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جب گزری کا وقت ہو چکا، اور دُکان بڑھائی، خواجہ گھر کو چلا۔ تب دونوں غُلاموں میں سے ایک نے کُتّے کو بغل میں لیا، دوسرے نے کُرسی اور قالیچہ اٹھا لیا، اور اُن دونوں حبشی غلاموں نے اُس پنجرے کو مزدوروں کے سر پر دھر دیا، اور آپ پانچوں ہتھیار باندھے ساتھ ہو لیے۔ خواجہ سوداگر بچّے کا ہاتھ ہاتھ میں لیے، باتیں کرتا ہوا، حویلی میں آیا۔

سوداگر بچّے نے دیکھا کہ مکانِ عالی شان لائق بادشاہوں یا امیروں کے ہے، لبِ نہر فرش چاندنی کا بچھا ہے، اور مسند کے رُو بہ رُو اسباب عیش کا چُنا ہے۔ کُتّے کی صندلی بھی اُسی جگہ بچھائی اور خواجہ سوداگر بچّے کو لے کر بیٹھا، بے تکلّف تواضع شراب کی کی، دونوں پینے لگے۔ جب سَرخوش ہوئے، تب خواجہ نے کھانا منگا-

دستر خوان بچھا، اور دُنیا کی نعمت چُنی گئی۔ پہلے ایک لنگری میں کھانا لے کر، سرپوش طلائی ڈھانپ کر، کُتّے کے واسطے لے گئے، اور ایک دستر خوان زر بفت کا بچھا کر، اُس کے آگے دھر دی۔ کُتّا صَندلی سے نیچے اُترا، جتنا چاہا، اُتنا کھایا، اور سونے کی لگن میں پانی پیا، پھر چوکی پر جا بیٹھا۔ غلاموں نے رومال سے ہاتھ مُنہ اُس کا پاک کیا۔ پھر اُس طباق اور لگن کو غلام پنجرے کے نزدیک لے گئے، اور خواجہ سے کُنجی مانگ کر، قُفل قفس کا کھولا۔

اُن دونوں انسانوں کو باہر نکال کر، کئی سونٹے مار کر، کُتّے کا جھوٹا اُنھیں کھلایا، اور وہی پانی پلایا، پھر تالا بند کر کر، تالی خواجہ کے حوالے کی۔ جب یہ سب ہو چکا، تب خواجہ نے آپ کھانا شروع کیا۔ سوداگر بچّے کو یہ حرکت پسند نہ آئی، گھِن کھا کر ہاتھ کھانے میں نہ ڈالا۔ ہر چند خواجہ نے مِنّت کی، پر اُس نے انکار ہی کیا۔ تب خواجہ نے سبب اُس کا پوچھا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ سوداگر بچّے نے کہا: یہ حرکت تمھاری اپنے تئیں بدنما معلوم ہوئی، اِس لیے کہ انسان اشرفُ المخلوقات ہے، اور کُتّا نجسُ العین ہے۔ پس خدا کے دو بندوں کو کُتّے کا جھوٹا کھلانا، کس مذہب و مِلّت میں رَوا ہے؟ فقط یہ غنیمت نہیں جانتے کہ وے تمھاری قید میں ہیں؟ نہیں تو تم اور وے برابر ہیں۔ اب میرے تئیں شک آئی کہ تم مسلمان نہیں، کیا جانوں کون ہو؟ کہ کُتّے کو پوجتے ہو؟ مجھے تمھارا کھانا کھانا مکروہ ہے، جب تلک یہ شُبہہ دل سے دور نہ ہو۔

خواجہ نے کہا: اے بابا! جو کچھ تو کہتا ہے، میں یہ سب سمجھتا ہوں، اور اسی خاطر بدنام ہوں کہ اِس شہر کی خَلقت نے میرا نام خواجۂ سگ پرست رکھا ہے۔ اِسی طرح پکارتے ہیں، اور مشہور کیا ہے۔ لیکن خدا کی لعنت کافروں اور مُنکروں پر ہو جیو۔ کلمہ پڑھا اور سوداگر بچّے کی خاطر جمع کی۔ تب سوداگر بچّے نے پوچھا کہ اگر مسلمان بہ دِل ہو، تو اِس کا کیا باعث ہے؟ ایسی حرکت کر کے اپنے تئیں بدنام کیا ہے۔ خواجہ نے کہا: اے فرزند! نام میرا بدنام ہے، اور دُگنا محصول اِس شہر میں

بھرتا ہوں، اِسی واسطے کہ یہ بھید کسو پر ظاہر نہ ہو۔ عجب یہ ماجرا ہے کہ جو کوئی سُنے، سوائے غم اور غصّے کے اُسے کچھ اور حاصل نہ ہو۔ تو بھی مجھے مُعاف رکھ، کہ نہ مجھ میں قُدرت کہنے کی اور نہ تجھ میں طاقت سُننے کی رہے گی۔ سوداگر بچّے نے اپنے دل میں غور کی کہ مجھے اپنے کام سے کام ہے، کیا ضرور ہے جو ناحق میں زیادہ مُجوّز ہوں؟ بولا: خیر، اگر لائق کہنے کے نہیں تو نہ کہیے۔ کھانے میں ہاتھ ڈالا، اور نوالہ اُٹھا کر کھانے لگا۔ دو مہینے تک اِس ہوشیاری اور عقل مندی سے سوداگر بچّے نے خواجہ کے ساتھ گُزران کی کہ کسو پر ہرگز نہ کھُلا کہ یہ عورت ہے، سب یہی جانتے تھے کہ مرد ہے۔ اور خواجہ سے روز بہ روز ایسی مُحبّت زیادہ ہوئی کہ ایک دم اپنی آنکھوں سے جُدا نہ کرتا۔

ایک دن عین مے نوشی کی صحبت میں سوداگر بچّے نے رونا شروع کیا۔ خواجہ نے دیکھتے ہی خاطر داری کی، اور رومال سے آنسو پونچھنے لگا، اور سبب گریے کا پوچھا۔ سوداگر بچّے نے کہا: اے قبلہ! کیا کہوں؟ کاشکے تمھاری خدمت میں بندگی پیدا نہ کی ہوتی، اور یہ شفقت، جو صاحب میرے حق میں کرتے ہیں، نہ کرتے۔ اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ہیں: نہ تمھاری خدمت سے جُدا ہونے کو جی چاہتا ہے، اور نہ رہنے کا اِتّفاق یہاں ہو سکتا ہے۔ اب جانا ضرور ہوا، لیکن آپ کی جُدائی سے اُمّیدِ زندگی کی نظر نہیں آتی۔

یہ بات سُن کر، خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ہچکی بندھ گئی، اور بولا کہ اے نورِ چشم! ایسی جلدی اِس اپنے بوڑھے خادم سے سیر ہوئے کہ اِسے دِل گیر کیے جاتے ہو؟ قصدِ روانہ ہونے کا دل سے دُور کرو۔ جب تلک میری زندگی ہے، رہو۔ تمھاری جُدائی سے ایک دم میں جیتا نہ رہوں گا، بغیر اجل کے مر جاؤں گا۔ اور اِس مُلکِ فارس کی آب و ہوا بہت خوب اور مُوافق ہے، بہتر تو یوں ہے کہ ایک آدمی مُعتبر بھیج کر، اپنے والدین کو مع اسباب یہیں بُلوا لو۔ جو کچھ سواری اور بار برداری درکار ہو، میں موجود کر دوں۔ جب ماباپ تمھارے اور گھر بار سب آیا، اپنی خوشی سے کاربار تجارت کا کیا کرو۔ میں نے بھی اِس عُمر میں زمانے کی بہت سختیاں کھینچی ہیں، اور

مُلک مُلک پھرا ہوں، اب بوڑھا ہوا، فرزند نہیں رکھتا، میں تجھے بہتر اپنے بیٹے سے جانتا ہوں، اور اپنا ولی عہد و مُختار کرتا ہوں، میرے کارخانے سے بھی ہوشیار اور خبردار ہو۔ جب تلک جیتا ہوں، ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ہاتھ سے دو، جب مرجاؤں، گاڑ داب دیجو، اور سب مال و متاع میرا لیجو۔

تب سوداگر بچّے نے جواب دیا کہ واقعی صاحب نے زیادہ باپ سے میری غمخواری اور خاطرداری کی کہ مجھے ماباپ بھول گئے۔ لیکن اِس عاصی کے والد نے ایک سال کی رُخصت دی تھی؛ اگر دیر لگاؤں گا، تو وے اِس پیری میں روتے روتے مرجائیں گے۔ بس رضامندی پدر کی، خوشنودی خدا کی ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے ناراضی ہوں گے، تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید دُعائے بد نہ کریں، کہ دونوں جہان میں خدا کی رحمت سے محروم رہوں۔ اب آپ کی یہی شفقت ہے کہ بندے کو حکم کیجیے کہ فرمانا قبلہ گاہ کا بجالاوے، اور حقِ پدری سے ادا ہووے۔ اور صاحب کی توجّہ کا ادائے شکر، جب تلک دم میں دم ہے، میری گردن پر ہے۔ اگر اپنے مُلک میں بھی جاؤں گا، تو ہر دم دل و جان سے یاد کیا کروں گا۔ خدا مُسبّبُ الاَسباب ہے، شاید پھر کوئی ایسا سبب ہو کہ قدم بوسی حاصل کروں۔

غرض سوداگر بچّے نے ایسی ایسی باتیں نون مرچیں لگا کر خواجہ کو سُنائیں، کہ وہ بے چارا لاچار ہو کر، ہونٹھ چاٹنے لگا۔ از بس کہ اُس پر شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا، کہنے لگا: اچھّا، اگر تم نہیں رہتے، تو میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں تجھ کو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں؛ بس جب جان چلی جاوے، تو خالی بدن کس کام آوے؟ اگر تو اسی میں رضامند ہے، تو چل، اور مجھے بھی لے چل۔ سوداگر بچّے سے یہ کہہ کر، اپنی بھی تیّاری سفر کی کرنے لگا۔ اور گُماشتوں کو حکم کیا کہ بار برداری کی فکر جلدی کرو۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر ہوئی، وہاں کے سوداگروں نے سُن کر، سب نے تہیّہ سفر کا کیا۔ خواجۂ سگ پرست نے گنج اور جواہرِ بے شمار، نوکر اور غلام اَن گنت،

تحفے اور اسباب شاہانہ بہت سا ساتھ لے کر، شہر کے باہر تنبو اور قنات اور بےچوبے اور سراپردے اور گندلے کھڑے کروا کر، اُن میں داخل ہوا۔ جتنے تجّار تھے، اپنی اپنی بساط موافق مال سوداگری کا لے کر ہم راہ ہوئے، برائے خود ایک لشکر ہو گیا۔

ایک دن جوگنی کو بیٹھ دے کر وہاں سے کوچ کیا۔ ہزاروں اونٹوں پر شلیتے اسباب کے، اور خچّروں پر صندوق نقد، جواہر کے لاد کر، پانچ سو غلام دشتِ قپچاق اور زنگ و روم کے مسلّح صاحب شمشیر، تازی اور تُرکی و عراقی و عربی گھوڑوں پر چڑھ کر چلے۔ سب کے پیچھے خواجہ اور سوداگر بچہ خلعتِ فاخرہ پہنے، سُکھپال پر سوار، اور ایک تختِ بغدادی اُونٹ پر کسا، اُس پر کُتّا مسند پر سویا ہوا۔ اور اُن دونوں قیدیوں کے قفس ایک شتر پر لٹکائے ہوئے، روانہ ہوئے۔ جس منزل پر پہنچتے، سب سوداگر خواجہ کے دربار میں آ کر حاضر ہوتے۔ اور دسترخوان پر کھانا کھاتے اور شراب پیتے۔ خواجہ، سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں، شکر خدا کا کرتا اور کوچ در کوچ چلا جاتا تھا۔ بارے، بہ خیر و عافیت نزدیک قسطنطنیہ کے آ پہنچے۔ باہر شہر کے مقام کیا۔ سوداگر بچے نے کہا: اے قبلہ! اگر رُخصت دیجیے، تو میں جا کر ماں باپ کو دیکھوں، اور مکان صاحب کے واسطے خالی کروں، جب مزاجِ سامی میں آوے، شہر میں داخل ہو جیے۔

خواجہ نے کہا: تمھاری خاطر تو میں یہاں آیا، اچھا، جلد مِل جُل کر میرے پاس آؤ، اور اپنے نزدیک میرے اُترنے کو مکان دو۔ سوداگر بچہ رُخصت ہو کر اپنے مکان میں آیا۔ سب وزیر کے محل کے آدمی حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھس آیا۔ سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ماں کے پانو پر جا گری اور روئی، اور بولی کہ میں تمھاری جائی ہوں۔ سُنتے ہی، وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے نستری! تو بڑی شتّا ہو نکلی، اپنا منھ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رُسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر، صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو۔

تب وزیرزادی نے سر پر سے پگڑی اُتار کر پھینک دی اور بولی: اے

امّاں جان! میں بُری جگہ نہیں گئی، کچھ بدی نہیں کی۔ تمھارے بہ مُوجب فرمانے کے، بابا کو قید سے چُھڑانے کی خاطر یہ سب فکر کی۔ اَلحمدُللہ! کہ تمھاری دُعا کی برکت سے اور اللہ کے فضل سے پورا کام کر کے آئی ہوں، کہ نیشا پور سے اُس سوداگر کو بہ مع کُتّے (جس کے گلے میں وے لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں۔ اور تمھاری امانت میں کبھی خیانت نہیں کی، سفر کے لیے مردانہ بھیس کیا ہے۔ اب ایک روز کا کام باقی ہے، وہ کر کر، قبلہ گاہ کو بندی خانے سے چُھڑاتی ہوں، اور اپنے گھر میں آتی ہوں۔ اگر حکم ہو تو پھر جاؤں، اور ایک روز باہر رہ، خدمت میں آؤں۔ ماں نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا، اور اپنے تئیں سب طرح سلامت و محفوظ رکھا ہے، خدا کی درگاہ میں نک گھِسنی کی، اور خوش ہو کر بیٹی کو چھاتی سے لگا لیا، اور مُنہ چوما، بلائیں لیں، دُعائیں دیں، اور رُخصت کیا کہ تو جو مناسب جان، سو کر، میری خاطر جمع ہوئی۔

وزیر زادی پھر سوداگر بچّہ بن کر، خواجۂ سگ پرست پاس چلی، وہاں خواجہ کو جُدائی اُس کی از بس کہ شاق ہوئی، بے اختیار ہو کر کوچ کیا۔ اِتّفاقاً نزدیک شہر کے، ایدھر سے سوداگر بچّہ جاتا تھا اور اُدھر سے خواجہ آتا تھا۔ عین راہ میں ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے دیکھتے ہی کہا: بابا! مجھ بوڑھے کو اکیلا چھوڑ کر کہاں گیا تھا؟ سوداگر بچّہ بولا! آپ سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا تھا، آخر مُلاقات کے اِشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا، آ کر حاضر ہوا۔ شہر کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک باغ سایہ دار دیکھ کر، خیمہ اِستادہ کیا اور وہیں اُترے۔ خواجہ اور سوداگر بچّہ باہم بیٹھ کر شراب و کباب پینے کھانے لگے۔ جب عصر کا وقت ہوا، سیر تماشے کی خاطر خیمے سے نکل کر صندلیوں پر بیٹھے۔ اِتّفاقاً ایک قراوِل بادشاہی اُدھر آنکلا۔ اُن کا لشکر اور نشست برخاست دیکھ کر، اَچنبھے ہو رہا اور دِل میں کہا: شاید ایلچی کسو بادشاہ کا آیا ہے، کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔

خواجہ کے شاطِر نے اُس کو آگے بُلایا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے کہا

میں بادشاہ کا میر شکار ہوں۔ شاطر نے خواجہ سے اُس کا احوال کہا۔ خواجہ نے ایک غلام کافری کو کہا کہ جاکر باز دار سے کہہ کہ ہم مسافر ہیں، اگر جی چاہے تو آؤ بیٹھو، قہوہ قلیان حاضر ہے۔ جب میر شکار نے نام سوداگر کا سُنا، زیادہ متعجب ہوا، اور تبسم کے ساتھ خواجہ کی مجلس میں آیا۔ لوازم اور شان و شوکت اور سپاہ و غلام دیکھے، خواجہ اور سوداگر بچے کو سلام کیا، اور مرتبہ سگ کا نگاہ کیا، ہوش اُس کے جاتے رہے، ہکا بکا سا ہو گیا۔ خواجہ نے اُسے بٹھلاکر، قہوے کی ضیافت کی۔ قراول نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا۔ جب رُخصت مانگی، خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے اُسے دے کر اجازت دی۔ صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، درباریوں سے خواجہ سوداگر کا ذکر کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھ کو خبر ہوئی، میر شکار کو میں نے رُوبہ رُو طلب کیا، اور سوداگر کا احوال پوچھا۔

اُس نے جو کچھ دیکھا تھا، عرض کیا۔ سُننے سے کُتّے کے تجمُّل کے، اور دو آدمیوں کے پنجرے میں قید ہونے کے، مجھ کو خفگی آئی۔ میں نے فرمایا: وہ مردود تاجر واجبُ القتل ہے۔ نسقچیوں کو حکم کیا کہ جلد جاؤ، اُس بے دین کا سر کاٹ لاؤ۔ قضا کار، وہی ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا، مُسکرایا۔ مجھے اور بھی غضب زیادہ ہوا، فرمایا کہ اے بے ادب! بادشاہوں کے حُضور میں بے سبب دانت کھولنے، ادب سے باہر ہیں۔ بے محل ہنسنے سے رونا بہتر ہے۔ اُس نے التماس کیا: جہاں پناہ! کئی باتیں خیال میں گزریں، لہٰذا فدوی مُتبسّم ہوا۔ پہلے یہ کہ وزیر سچا ہے، اب قید خانے سے رہائی پاوے گا۔ دوسرے یہ کہ بادشاہ خونِ ناحق سے اُس وزیر کے بچے۔ تیسرے یہ کہ قبلۂ عالم نے بے سبب اور بے تقصیر اُس سوداگر کو حکم قتل کا کیا۔ اِن حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق، ایک بے وقوف کے کہنے سے، آپ ہر کسو کو حکم قتل کا کر بیٹھتے ہیں۔ خدا جانے فی الحقیقت اُس خواجہ کا احوال کیا ہے! اُسے حُضور میں طلب کیجیے، اور اُس کی واردات پوچھیے، اگر تقصیر وار ٹھہرے، تب مُختار ہو، جو مرضی میں آوے، اُس سے سُلوک کیجیے۔

جب ایلچی نے اِس طرح سے سمجھایا، مجھے بھی وزیر کا کہنا یاد آیا، فرمایا: جلد

سوداگر کو اُس کے بیٹے کے ساتھ اور وہ سگ اور قفس حاضر کرو۔ فوراً اُس کے بُلانے کو دَوڑائے۔ ایک دَم میں سب کو حُضور میں لے آئے۔ رُوبرُو طلب کیا۔ پہلے خواجہ اور اُس کا پسر آیا، دونوں لباسِ فاخرہ پہنے ہوئے۔ سوداگر بچّے کا جمال دیکھنے سے سب اَدنا اَعلا حیران اور بھیچک ہوئے۔ ایک خوانِ طِلائی جواہر سے بھرا ہوا (کہ ہر ایک رَقم کی چھوٹ نے سارے مکان کو روشن کر دیا) سوداگر بچّہ ہاتھ میں لیے آیا، اور میرے تخت کے آگے نِچھاوَر کیا، آداب کُورنشات بجا لاکر کھڑا ہوا۔ خواجہ نے بھی زمین چومی اور دُعا کرنے لگا۔ اِس گویائی سے بولتا تھا کہ گویا بُلبُلِ ہزار داستاں ہے۔ میں نے اُس کی لیاقت کو بہت پسند کیا، لیکن عِتاب کی رُو سے کہا: اے شیطان! آدمی کی صورت! تو نے یہ کیا جال پھیلایا ہے اور اپنی راہ میں کنواں کھودا ہے؟ تیرا کیا دین ہے اور یہ کون آئین ہے؟ کس پیغمبر کی اُمّت ہے؟ اگر کافر ہے، تو بھی یہ کیسی مَت ہے؟ اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے؟

اُن نے کہا: قبلۂ عالم کی عُمر و دَولت بڑھتی رہے، غلام کا دین یہ ہے کہ خُدا واحد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد مُصطفٰے صلی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا کلمہ پڑھتا ہوں۔ اور اُس کے بعد بارہ امام کو اپنا پیشوا جانتا ہوں۔ اور آئین میری یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں، اور روزہ رکھتا ہوں، اور حج بھی کر آیا ہوں، اور اپنے مال سے خُمس زکوٰۃ دیتا ہوں، اور مسلمان کہلاتا ہوں۔ لیکن ظاہر میں یہ سارے عَیب جو مجھ میں بھرے ہیں، جن کے سبب سے آپ ناخوش ہوئے ہیں، اور تمام خَلقُ اللہ میں بدنام ہو رہا ہوں؛ اِس کا ایک باعِث ہے کہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ ہرچند سگ پرست مشہور ہوں، اور مُضاعَف محصول دیتا ہوں؛ یہ سب قُبول کیا ہے، پر دل کا بھید کسو سے نہیں کہا۔ اِس بہانے سے میرا غُصّہ زیادہ ہوا اور کہا: مجھے تو باتوں میں پُھسلاتا ہے! میں نہیں ماننے کا، جب تلک اِس اپنی گُم راہی کی دلیلِ معقول عرض نہ کرے کہ میرے دل نشین ہو، تب تو جان سے بچے گا۔ نہیں تو اِس کے قِصاص میں تیرا پیٹ چاک کرواؤں گا، تو سب کو عبرت ہو، کہ بار دیگر کوئی دینِ مُحمّدی

میں رَخنہ نہ کرے۔

خواجہ نے کہا: اے بادشاہ! مجھ کم بخت کے خون سے درگزر کر، اور جتنا مال میرا ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے، سب کو ضَبط کر لے، اور مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے تخت کے تصدّق کر کر چھوڑ دے، اور جان بخشی کر۔ میں نے تبسّم کر کے کہا: اے بے وقوف! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے۔ سوائے سچ بولنے کے، اب تیری مُخلِصی نہیں۔ یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے، اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری، اور بولا: میں تو بادشاہ کے رُوبہ رُو گُنہ گار ٹھہرا، مارا جاؤں گا، اب کیا کروں؟ تجھے کس کو سونپوں؟ میں نے ڈانٹا کہ اے مکّار! بس اب عُذر بہت کیے، جو کہنا ہے جلد کہہ۔

تب تو اُس مرد نے قدم بڑھا کر، تخت کے پاس آکر، پایے کو بوسہ دیا اور صِفت و ثنا کرنے لگا اور بولا: اے شہنشاہ! اگر حکمِ قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا، تو سب بِسیار تنیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے، کوئی آپ سے کنویں میں نہیں گرتا۔ بس جان کی مُحافَظت واجب ہے، اور ترکِ واجب کا خلافِ حکمِ خدا کے ہے۔ خیر، جو مرضیِ مُبارک یہی ہے، تو سَرگُذشت اِس پیرِ ضعیف کی سُنیے۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس، جن میں دو آدمی قید ہیں، حُضور میں لا کر رکھیں۔ میں اپنا احوال کہتا ہوں، اگر کہیں جھوٹھ کہوں، تو اُن سے پوچھ کر مجھے قائل کیجیے اور انصاف فرمائیے۔ مجھے یہ بات اُس کی پسند آئی۔ پنجروں کو منگوا کر، اُن دونوں کو نکلوا کر، خواجہ کے پاس کھڑا کیا۔

خواجہ نے کہا: اے بادشاہ! یہ مرد جو داہنی طرف ہے، غلام کا بڑا بھائی ہے۔ اور جو بائیں کو کھڑا ہے، مَنجھلا برادر ہے۔ میں اِن دونوں کا چھوٹا ہوں۔ میرا باپ مُلکِ فارس میں سوداگر تھا۔ جب میں چودہ برس کا ہوا، قبلہ گاہ نے رِحلَت کی۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی، اور پھول اُٹھ چکے، ایک روز اِن دونوں بھائیوں نے مجھے کہا کہ اب باپ کا مال جو کچھ ہے، تقسیم کر لیں۔ جس کا دل جو

چاہیے، سو کام کرے۔ میں نے سُن کر کہا: اے بھائیو! یہ کیا بات ہے؟ میں تمھارا غُلام ہوں، بھائی چارے کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ ایک باپ مر گیا، تم دونوں میرے پدر کی جگہ میرے سر پہ قائم ہو۔ ایک نانِ خشک چاہتا ہوں، جس میں زندگی بسر کروں اور تمھاری خدمت میں حاضر رہوں۔ مجھے حصّے بَخرے سے کیا کام ہے؟ تمھارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھر لوں گا، اور تمھارے پاس رہوں گا۔ میں لڑکا ہوں، کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں، مجھ سے کیا ہو سکے گا؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو۔

یہ سن کر جواب دیا کہ تو چاہتا ہے اپنے ساتھ ہمیں بھی خراب اور محتاج کرے۔ میں چُپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا۔ پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی آخر بُزرگ ہیں، میری تعلیم کی خاطر چشم نُمائی کرتے ہیں کہ کچھ سیکھے۔ اِسی فکر میں سو گیا۔ صبح کو ایک پیادہ قاضی کا آیا اور مجھے دارُالشّرع میں لے گیا۔ وہاں دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ہیں۔ قاضی نے کہا: کیوں اپنے باپ کا وَرثہ بانٹ چُونٹ نہیں لیتا؟ میں نے گھر میں جو کہا تھا، وہاں بھی جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا: اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ہے تو ہمیں لا دعویٰ لکھ دے کہ باپ کے مال و اسباب سے مجھے کچھ عِلاقہ نہیں۔ تب بھی میں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بُزرگ ہیں، میری نصیحت کے واسطے کہتے ہیں کہ باپ کا مال لے کر، بے جا تصرّف نہ کرے۔ بہ مُوجب اِن کی مرضی کے فارغ خطی بہ مُہرِ قاضی میں نے لکھ دی۔ یہ راضی ہوئے، میں گھر میں آیا۔

دوسرے دن مجھ سے کہنے لگے: اے بھائی! یہ مکان جس میں تو رہتا ہے ہمیں درکار ہے؛ تو اپنی بود و باش کی خاطر اور جگہ لے کر رہ جا۔ تب میں نے دریافت کیا کہ یہ باپ کی حویلی میں بھی رہنے سے خوش نہیں۔ لاچار ارادہ اُٹھ جانے کا کیا جہاں پناہ! جب میرا باپ جیتا تھا، تو جس وقت سفر سے آتا، ہر ایک مُلک کا تحفہ بہ طریقِ سوغات کے لاتا، اور مجھے دیتا۔ اِس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ہر کوئی زیادہ پیار کرتا ہے۔ میں نے اُن کو بیچ بیچ کر، تھوڑی سی اپنی بِنج کی پونجی بہم پہنچائی

تھی، اُسی سے کچھ خرید فروخت کرتا۔ ایک بار لونڈی میری خاطر ترکستان سے میرا باپ لایا، اور ایک دفعہ گھوڑے لے کر آیا۔ اُن میں سے ایک بچھڑا تاکند کہ ہونہار تھا، وہ بھی مجھے دیا۔ میں اپنے پاس سے دانہ گھاس اُس کا کرتا تھا۔

آخر ان کی بے مُرَوّتی دیکھ کر، ایک حویلی خرید کی، وہیں جا رہا۔ یہ کُتّا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ واسطے ضروریات کے، اسباب خانہ داری کا جمع کیا اور دو غلام خدمت کی خاطر مول لیے۔ اور باقی پونجی سے ایک دُکان بزازی کی کر کے، خدا کے توکّل پر بیٹھا۔ اپنی قسمت پر راضی تھا۔ اگرچہ بھائیوں نے بدخلقی کی؛ پر خدا جو مہربان ہوا، تین برس کے عرصے میں ایسی دُکان جمی کہ میں صاحبِ اعتبار ہوا۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ چاہتا میری ہی دکان سے جاتا، اُس میں بہت سے روپے کمائے، اور نہایت فراغت سے گزرنے لگی۔ ہر دم جنابِ باری میں شکر کرتا، اور آرام سے رہتا۔ یہ کبت اکثر اپنے احوال پر پڑھتا:

روٹھے کیوں نہ راجا، داتیں کچھونا ہیں کاجا
ایک تو سے مہاراجا، اور کون کو سراہیے
روٹھے کیوں نہ بھائی؛ داتیں کچھ نہ بائی
ایک تو ہی ہے سہائی، اور کون پاس جائیے
روٹھے کیوں نہ متر شتر، آٹھوں جام ایک
را اور ے جمن کے نیہ کو نبھائیے
سنسار ہے روٹھا، ایک تو ہی انوٹھا
سب جو ہیں گے انگوٹھا، ایک تو نہ روٹھا چاہیے

اتفاقاً جمعے کے روز میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا، کہ ایک غلام میرا سودے سلف کو بازار گیا تھا، بعد ایک دم کے روتا ہوا آیا۔ میں نے سبب پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ خفا ہو کر بولا کہ تمھیں کیا کام ہے؟ تم خوشی مناؤ، لیکن قیامت میں کیا جواب دو گے؟ میں نے کہا: ارے حبشی! ایسی کیا بلا تجھ پر نازل ہوئی؟ اُس نے کہا: یہ غضب ہے کہ تمھارے بڑے بھائیوں کی چوک کے چوراہے میں ایک یہودی نے مشکیں باندھی ہیں، اور قمچیاں مارتا ہے، اور ہنستا ہے کہ اگر میرے

روپے نہ دوگے، تو مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا؛ بھلا مجھے ثواب تو ہوگا۔ پس تمھارے بھائیوں کی یہ نوبت، اور تم بے فکر ہو۔ یہ بات اچھی ہے؟ لوگ کیا کہیں گے؟ یہ بات غلام سے سنتے ہی، لہو نے جوش مارا۔ ننگے پانو بازار کی طرف دوڑا، اور غلاموں کو کہا: جلد روپے لے کر آؤ۔ جونہیں وہاں گیا، دیکھا، تو جو کچھ غلام نے کہا تھا، سچ ہے۔ ان پر مار پڑ رہی ہے۔ حاکم کے پیادوں کو کہا: واسطے خدا کے ذرا رہ جاؤ، میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ہے، جس کے بدلے یہ تعزیر کی ہے؟

یہ کہہ کر، میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا: آج روزِ آدینہ ہے، ان کو کیوں ضربِ شلاق کر رہا ہے؟ اُس نے جواب دیا: اگر حمایت کرتے ہو، تو پوری کرو، ان کے عوض روپے حوالے کرو، نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو۔ میں نے کہا: کیسے روپے؟ دست آویز نکال، میں روپے گن دیتا ہوں۔ اُن نے کہا: تمسّک حاکم کے پاس دے آیا ہوں۔ اس میں میرے دونوں غلام دو بدرے روپے لے کر آئے۔ ہزار روپے میں نے یہودی کو دیے اور بھائیوں کو چھڑایا۔ ان کی یہ صورت ہو رہی تھی کہ بدن سے ننگے، اور بھوکھے پیاسے اپنے ہم راہ گھر میں لایا، وونہیں حمّام میں نہلوایا، نئی پوشاک پہنائی، کھانا کھلایا۔ ہرگز ان سے یہ نہ کہا کہ اتنا مال باپ کا تم نے کیا کیا؟ شاید شرمندہ ہوں۔ اے بادشاہ! یے دونوں موجود ہیں، پوچھیے کہ سچ کہتا ہوں، یا کوئی بات جھوٹھ بھی ہے؟ خیر، جب کئی دن میں مار کی کوفت سے بحال ہوئے، ایک روز میں نے کہا کہ اے بھائیو! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ہو گئے ہو، بہتر یہ ہے کہ چند روز سفر کرو۔ یہ سن کر چپ ہو رہے۔ میں نے معلوم کیا کہ راضی ہیں، سفر کی تیاری کرنے لگا۔ پال، پرتل، بار برداری اور سواری کی فکر کر کے، بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی خرید کی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بخارے کو جاتا تھا، اُن کے ساتھ کر دیا۔

بعد ایک سال کے وہ کارواں پھر آیا، ان کی خیر خبر کچھ نہ پائی۔ آخر ایک آشنا

سے قسمیں دے کر پوچھا۔ اُس نے کہا: جب بُخارے میں گئے، ایک نے جُوے خانے میں اپنا تمام مال ہار دیا۔ اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے، اور پِھڑ کو بیچتا پوتتا ہے جُواری جو جمع ہوتے ہیں، اُن کی خدمت کرتا ہے، وہ بہ طریق خیرات کے کچھ دیتے ہیں۔ وہاں گُزرگا بنا پڑا رہتا ہے۔ اور دوسرا، بوزہ فروش کی لڑکی پر عاشق ہو، اپنا مال سارا صَرف کیا۔ اب وہ بوزہ خانے کی ٹہل کیا کرتا ہے۔ قافلے کے آدمی اس لیے نہیں کہتے تو شرمندہ ہو گا۔

یہ احوال اُس شخص سے سُن کر، میری عجب حالت ہوئی۔ مارے فِکر کے نیند بھوکھ جاتی رہی۔ زادِ راہ لے کر قصدِ بخارے کا کیا۔ جب وہاں پہنچا، دونوں کو ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر اپنے مکان میں لایا۔ غسل کرواکر، نئی پوشاک پہنائی۔ اور اِن کی خجالت کے ڈر سے، ایک بات مُنہ پر نہ رکھّی۔ پھر مال سوداگری کا ان کے واسطے خریدا، اور ارادہ گھر کا کیا۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا، ایک گانو میں بہ مع مال اسباب ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا، اس لیے کہ میرے آنے کی کسو کو خبر نہ ہو۔ بعد دو دن کے مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ہیں، کل اُن کے اِستقبال کی خاطر جاؤں گا۔ صبح کو چاہا کہ جاؤں، ایک گرہست اُسی موضع کا میرے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا۔ میں اُس کی آواز سُن کر باہر نکلا۔ اسے دیکھ کر روتا پوچھا کہ کیوں زاری کرتا ہے؟ وہ بولا: تمھارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے، کاشکے اُن کو تم وہاں نہ چھوڑ آتے!

میں نے پوچھا: کیا مصیبت گزری؟ بولا کہ رات کو ڈاکا آیا، اُن کا مال و اسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے۔ میں نے افسوس کیا اور پوچھا کہ اب وے دونوں کہاں ہیں؟ کہا: شہر کے باہر ننگے مُنگے، خراب خستہ بیٹھے ہیں۔ وونہیں دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لے کر گیا، پہنا کر گھر میں لایا۔ لوگ سُن کر ان کے دیکھنے کو آتے تھے، اور یے مارے شرمندگی کے باہر نہ نکلتے تھے۔ تین مہینے اسی طرح گزرے۔ تب میں نے اپنے دل میں غور کی کہ کب تلک یہ کونے میں دُبکے بیٹھے

رہیں گے۔ بنے، تو ان کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاؤں۔

بھائیوں سے کہا: اگر فرمائیے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے۔ بے خاموش رہے۔ پھر لوازمہ سفر کا اور جنس سوداگری کی کر کے چلا، اور ان کو ساتھ لیا۔ جس وقت مال کی زکوٰۃ دے کر، اسباب کشتی پر چڑھایا اور لنگر اُٹھایا، ناو چلی۔ یہ کُتّا کنارے پر سو رہا تھا۔ جب چونکا اور جہاز کو مانجھ دار میں دیکھا، حیران ہو کر بھونکا، اور دریا میں کود پڑا، اور پیرنے لگا۔ میں نے ایک پنسوئی دوڑا دی، بارے سگ کو لے کر کشتی میں پہنچایا۔ ایک مہینا خیر و عافیت سے دریا میں گزرا۔ کہیں منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہوا۔ ایک دن بڑے بھائی سے کہنے لگا کہ چھوٹے بھائی کی مِنّت اُٹھانے سے بڑی شرمندگی حاصل ہوئی، اس کا تدارک کیا کریں؟ بڑے نے جواب دیا کہ ایک صلاح دل میں ٹھہرائی ہے، اگر بن آوے تو بڑی بات ہے۔ آخر دونوں نے مصلحت کر کے تجویز کی کہ اسے مار ڈالیں، اور سارے مال اسباب کے قابض مُتصرّف ہوں۔

ایک دن میں جہاز کی کوٹھری میں سوتا تھا، اور لونڈی پانو داب رہی تھی، کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا۔ میں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا۔ یہ کُتّا بھی میرے ساتھ ہولیا۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ہاتھ ٹیکے، منہ ڈالا ہوا، تماشا دریا کا دیکھ رہا ہے اور مجھے پکارتا ہے۔ میں نے پاس جا کر کہا: خیر تو ہے؟ بولا: عجب طرح کا تماشا ہو رہا ہے کہ دریائی آدمی، موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لیے ہوئے ناچتے ہیں۔ اگر اور کوئی ایسی بات خلاف قیاس کہتا، تو میں نہ مانتا؛ بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا۔ دیکھنے کو سر جھکایا۔ ہر چند نگاہ کی، کچھ نظر نہ آیا، اور وہ یہی کہتا رہا، اب دیکھا؟ لیکن کچھ ہو تو دیکھوں۔ اس میں مجھے غافل پا کر منجھلے نے اچانک پیچھے آ کر، ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا، اور وہ رونے دھونے لگے کہ دوڑیو، ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا۔

اتنے میں ناو بڑھ گئی، اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لے گئی۔ غوطے

Donated By
Dr. BALBAHADUR [illegible]

پر غوطے کھاتا تھا، اور موجوں میں چلا جاتا تھا۔ آخر تھک گیا۔ خدا کو یاد کرتا تھا، کچھ بس نہ چلتا تھا۔ ایک بارگی کسو چیز پر ہاتھ پڑا، آنکھ کھول کر دیکھا تو یہی کتّا ہے شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا، میرے ساتھ یہ بھی کودا، اور پیرتا ہوا، میرے ساتھ لپٹا چلا جاتا تھا۔ میں نے اِس کی دُم پکڑ لی۔ اللہ نے اِس کو میری زندگی کا سبب کیا۔ سات دن اور رات یہی صورت گزری، آٹھویں دن کنارے جا لگے۔ طاقت مطلق نہ تھی، لیٹے لیٹے کروٹیں کھا کر، جوں توں اپنے تئیں خشکی میں ڈالا۔ ایک دن بے ہوش پڑا رہا۔ دوسرے دن کُتّے کی آواز کان میں گئی، ہوش میں آیا۔ خدا کا شکر بجا لایا، اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دور سے سَوادِ شہر کا نظر آیا، لیکن قوّت کہاں کہ ارادہ کروں! لاچار دو قدم چلنا، پھر بیٹھنا۔ اِسی حالت سے شام تک کوس بھر راہ کاٹی۔

بیچ میں ایک پہاڑ ملا، رات کو وہاں گر رہا۔ صبح کو شہر میں داخل ہوا۔ جب بازار میں گیا، نان بائی اور حلوائیوں کی دُکانیں نظر آنے لگیں۔ دل ترسنے لگا۔ نہ پاس پیسا جو خرید کروں، نہ جی چاہے کہ مُفت مانگوں۔ اِسی طرح اپنے دِل کو تسلی دیتا ہوا کہ اگلی دُکان سے لوں گا، چلا جاتا تھا۔ آخر طاقت نہ رہی، اور پیٹ میں آگ لگی۔ نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلے، ناگاہ دو جوان کو دیکھا کہ لباسِ عجم کا پہنے، اور ہاتھ پکڑے چلے جاتے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر خوش ہوا کہ یہ اپنے ملک کے اِنسان ہیں، شاید آشنا صورت ہوں، اِن سے اپنا احوال کہوں گا۔ جب نزدیک آئے، تو میرے دونوں برادرِ حقیقی تھے۔ دیکھ کر نہایت شاد ہوا، شکر خدا کا کیا کہ خدا نے آبرو رکھ لی، غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا۔ نزدیک جا کر سلام کیا اور بڑے بھائیؑ کا ہاتھ چوما۔ اُنھوں نے مجھے دیکھتے ہی غل و شور کیا۔ منجھلے بھائیؑ نے تمانچا مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ بڑے بھائیؑ کا دامن پکڑا کہ شاید یہ حمایت کرے گا، اس نے لات ماری۔

غرض دونوں نے مجھے خوب خُور و خام کیا، اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا سا کام کیا۔ ہر چند میں نے خدا کے واسطے دیے اور گِھگھیایا، ہرگز رحم نہ کھایا۔ ایک خلقت اِکٹھی ہوئی سب نے پوچھا: اِس کا کیا گناہ ہے؟ تب بھائیوں نے کہا: یہ

حرام زادہ ہمارے بھائی کا نوکر تھا، سو اُس کو دریا میں ڈال دیا، اور مال و اسباب سب لے لیا۔ ہم مُدّت سے تلاش میں تھے، آج اِس صورت سے نظر آیا۔ اور مجھ سے پوچھتے تھے کہ اے ظالم! یہ کیا تیرے دِل میں آیا، کہ ہمارے بھائی کو مار کھپایا! کیا اُس نے تیری تقصیر کی تھی؟ اُن نے تجھ سے کیا بُرا سلوک کیا تھا کہ اپنا مُختار بنایا تھا؟ پھر اِن دونوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے، اور بے اِختیار جھوٹھ موٹھ بھائی کی خاطر روتے تھے، اور لات مُکّی مجھ پر کرتے تھے۔

اِس میں حاکم کے پیادے آئے، اِن کو ڈانٹا کہ کیوں مارتے ہو؟ اور میرا ہاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ یے دونوں بھی ساتھ چلے، اور حاکم سے بھی یہی کہا، اور بہ طورِ رشوت کے کچھ دے کر اپنا انصاف چاہا، اور خونِ ناحق کا دعویٰ کیا۔ حاکم نے مجھ سے پوچھا۔ میری یہ حالت تھی کہ مارے بھوکھ اور مار پیٹ کے، طاقت گویائی کی نہ تھی۔ سر نیچے کیے کھڑا تھا، کچھ مُنہ سے جواب نہ نِکلا۔ حاکم کو بھی یقین ہوا کہ یہ مُقرّر خونی ہے۔ فرمایا کہ اِسے میدان میں لے جاکر سُولی دو۔ جہاں پناہ! میں نے روپے دے کر ان کو یہودی کی قید سے چُھڑایا تھا، اِس کے عوض انھوں نے بھی روپے خرچ کر کے میری جان کا قصد کیا۔ یے دونوں حاضر ہیں، اِن سے پوچھیے، میں اِس میں سرِ مُو تفاوت کہتا ہوں؟ خیر مجھے لے گئے۔ جب دار کو دیکھا، ہاتھ زندگی سے دھوئے۔

سوائے اِس کُتّے کے، کوئی میرا رونے والا نہ تھا۔ اِس کی یہ حالت تھی کہ ہر ایک آدمی کے پانو میں لوٹتا اور چِلّاتا تھا۔ کوئی لکڑی کوئی پتھر مارتا، لیکن یہ اُس جگہ سے نہ سرکتا۔ اور میں رُو بہ قبلہ کھڑا ہو، خدا کو کہتا تھا کہ اِس وقت میں تیری ذات کے سوا میرا کوئی نہیں، جو آڑے آوے، اور بے گناہ کو بچاوے۔ اب تو ہی بچاوے، تو بچتا ہوں۔ یہ کہہ کر، کلمۂ شہادت کا پڑھ کر، تیورا کر گر پڑا۔ خُدا کی حِکمت سے اُس شہر کے بادشاہ کو قُولنج کی بیماری ہوئی۔ اُمرا اور حکیم جمع ہوئے۔ جو علاج کرتے تھے، فائدے مند نہ ہوتا تھا۔ ایک بُزرگ نے کہا کہ سب سے یہ بہتر دوا ہے کہ محتاجوں کو کچھ خیرات کرو، اور بندی والوں کو آزاد کرو، دوا سے دُعا میں بڑا اثر

ہے۔ وونہیں پادشاہی چیلے بنڈرت خانوں کی طرف دوڑے۔

اتفاقاً ایک اُس میدان میں آنکلا۔ اژدحام دیکھ کر معلوم کیا کہ کسو کو سُولی چڑھاتے ہیں۔ یہ سُنتے ہی گھوڑے کو نزدیک لاکر، تلوار سے طنابیں کاٹ دیں۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا اور تنبیہ کی کہ ایسے وقت میں کہ پادشاہ کی یہ حالت ہے، تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو! اور مجھے چھڑوا دیا۔ تب یہ دونوں بھائی پھر حاکم کے پاس گئے، اور میرے قتل کے واسطے کہا۔ شحنے نے تو رشوت کھائی تھی، جو یہ کہتے تھے، سو کرتا تھا۔

کوتوال نے ان سے کہا کہ خاطر جمع رکھو، اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ مارے بھوکوں کے بے آب و دانہ مرجاوے، کسو کو خبر نہ ہووے۔ مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا۔ اُس شہر سے باہر، کوس ایک پر، ایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں دیووں نے ایک کنواں تنگ و تاریک اُس میں کھودا تھا، اُس کا نام زندانِ سلیمانؑ کہتے تھے۔ جس پر بڑا غضبِ پادشاہی ہوتا، اسے وہاں محبوس کرتے، وہ خود بہ خود مرجاتا۔ القصّہ رات کو چپکے یہ دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے مجھے اُس پہاڑ پر لے گئے، اور اُس غار میں ڈال کر، اپنی خاطر جمع کر کے پھرے۔ اے پادشاہ! یہ کُتّا میرے ساتھ چلا گیا۔ جب مجھے کنوئیں میں گرایا، تب یہ اُس کی منڈیر پر لیٹ رہا۔ میں اندر بے ہوش پڑا تھا۔ ذرا سُرت آئی، تو میں اپنے تئیں مُردہ خیال کیا، اور اُس مکان کو گور سمجھا۔ اِس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ یہی معلوم کیا کہ نکیر مُنکر ہیں، تجھ سے سوال کرنے آئے ہیں۔ سرسراہٹ رسّی کی سُنی، جیسے کسو نے وہاں لٹکائی۔ میں حیرت میں تھا، زمین کو ٹٹولتا، تو ہڈیاں ہاتھ میں آتیں۔

بعد ایک ساعت کے، آواز چپڑ چپڑ مُنہ چلانے کی میرے کان میں آئی، جیسے کوئی کچھ کھاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے خدا کے بندو! تم کون ہو؟ خدا کے واسطے بتاؤ۔ وہ ہنسے اور بولے: یہ زندانِ مہتر سلیمانؑ کا ہے، اور ہم قیدی ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا: کیا میں جیتا ہوں؟ پھر کھلکھلا کر ہنسے اور بولے: اب تلک تو زندہ

ہے، پر اب مرے گا۔ میں نے کہا: تم جو کھاتے ہو، کیا ہو، جو مجھے بھی تھوڑا سا دو۔ تب جھنجھلا کر خالی جواب دیا اور کچھ نہ دیا۔ وہ کھا پی کر سو رہے۔ میں مارے ضعف و ناتوانی کے، غش میں پڑا رونا تھا، اور خدا کو یاد کرتا تھا۔ قبلۂ عالم! سات دن دریا میں، اور اتنے دن بھائیوں کے بہتان کے سبب، دانہ نہ میسّر آیا۔ علاوہ، کھانے کے بدلے مار پیٹ کھائی، اور ایسے زندان میں پھنسا کہ صورت رہائی کی مطلق خیال میں بھی نہ آتی تھی۔

آخر جان کندنی کی نوبت پہنچی! کبھو دم آتا، کبھو نکل جاتا تھا۔ لیکن کبھو کبھو آدھی رات کو ایک شخص آتا، اور رومال میں روٹیاں اور پانی کی صراحی ڈوری میں باندھ کر لٹکا دیتا اور پکارتا۔ وہ دونوں آدمی جو میرے پاس محبوس تھے، لے لیتے اور کھاتے پیتے۔ اوپر سے کُتّے نے ہمیشہ یہ احوال دیکھتے دیکھتے عقل دوڑائی کہ جس طرح یہ شخص آب و نان کنوئیں میں لٹکا دیتا ہے، تو بھی ایسی فکر کر کہ کچھ اس بے کس کو جو میرا خاوند ہے، آذوقہ پہنچے، تو اس کا دم بچے۔ یہ خیال کر کے شہر میں گیا، نان بائی کی دکان میں منبر پر گردے چُنے ہوئے دھرے تھے، جست مار کر ایک کلچہ منہ میں لیا اور بھاگا۔ لوگ پیچھے دوڑے، ڈھیلے مارتے تھے، لیکن اس نے نان کو نہ چھوڑا، آدمی تھک کر پھرے۔ شہر کے کُتّے پیچھے لگے، اُن سے لڑتا بھڑتا روٹی کو بچائے، اُس چاہ پر آیا اور نان کو اندر ڈال دیا۔ روز روشن تھا، میں نے روٹی کو اپنے پاس پڑا دیکھا اور کُتّے کی آواز سنی، کلچے کو اُٹھا لیا۔ اور یہ کُتّا روٹی پھینک کر، پانی کی تلاش میں گیا۔

کسی گانو کے کنارے ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی، ٹھلیا اور بدھنا پانی سے بھرا ہوا دھرا تھا اور وہ پیرزن چرخا کاتتی تھی۔ کُتّا کوزے کے نزدیک گیا، چاہا کہ لوٹے کو اُٹھا دے، عورت نے ڈانٹا، لوٹا اُس کے منہ سے چھوٹا، گھڑے پر گرا، مٹکا پھوٹا، باقی باسن لڑھ گئے، پانی بہ چلا۔ بڑھیا لکڑی لے کر مارنے کو اُٹھی۔ یہ سگ اُس کے دامن میں لپٹ گیا، اُس کے پانو پر منہ ملنے اور دُم ہلانے لگا۔

اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا۔ پھر اُس کے پاس آکر کبھو رسّی اُٹھاتا، کبھی ڈول مُنہ میں پکڑ کر دکھاتا، اور مُنہ اُس کے قدموں پر رگڑتا، اور آنچل چادر کا پکڑ کر کھینچتا۔ خدا نے اُس عورت کے دل میں رحم دیا کہ ڈول رسّی کو لے کر، اُس کے ہم راہ چلی۔ یہ اُس کا آنچل پکڑے، گھر سے باہر ہو کر، آگے آگے ہو لیا۔

آخر اُس کو پہاڑی پر لے آیا۔ عورت کے جی میں کُتّے کی اِس حرکت سے اِلہام ہوا کہ اِس کا میاں مُقرّر اِس غار میں گرفتار ہے، شاید اُس کی خاطر پانی چاہتا ہے۔ غرض پیرزن کو لیے ہوئے غار کے مُنہ پر آیا۔ عورت نے لوٹا پانی کا بھر کر رسّی سے لٹکایا۔ میں نے وہ باسن لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا، دو تین گھونٹ پانی پیا، اِس پیٹ کے گُنتّے کو راضی کیا۔ خدا کا شکر کر کر، ایک کنارے بیٹھا، اور خدا کی رحمت کا مُنتظِر تھا کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے؟ یہ حیوان بے زبان اِسی طور سے نان لے آتا اور بڑھیا کے ہاتھ پانی پلواتا۔ جب بھٹھیاروں نے دیکھا کہ کُتّا ہمیشہ روٹی لے جاتا ہے، ترس کھا کر مُقرّر کیا کہ جب اِسے دیکھنے، ایک گردا اِس کے آگے پھینک دیتے۔ اور اگر وہ عورت پانی نہ لاتی، تو یہ اُس کے باسن چھوڑ ڈالتا۔ لاچار وہ بھی ہر روز ایک صُراحی پانی کی دے جاتی۔ اِس رفیق نے میری آب و نان سے میری خاطر جمع کی اور آپ زِندان کے مُنہ پر پڑا رہتا۔ اِس طرح چھ مہینے گزرے۔ لیکن جو آدمی ایسے زِندان میں رہے کہ دُنیا کی ہوا اُس کو نہ لگے، اُس کا کیا حال ہو! نِرا پوست و اُستخوان مجھ میں باقی رہا۔ زندگی وَبال ہوئی، جی میں آوے کہ یا اِلٰہی! یہ دم نکل جاوے تو بہتر ہے۔

ایک روز رات کو وہ دونوں نیند کی سوتے تھے، میرا دل اُمنڈ آیا بے اختیار رونے لگا اور خدا کی درگاہ میں ناک گھِسنی کرنے لگا۔ پچھلے پہر کیا دیکھتا ہوں کہ خدا کی قُدرت سے ایک رسّی غار میں لٹکی اور آواز سہج میں سُنی کہ اے کم بخت بد نصیب! ڈور کا سرا اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل۔ میں نے سُن کر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی مجھ پر مہربان ہو کر لہو کے جوش سے آپ ہی نکالنے آئے۔

نہایت خوشی سے اُس طناب کو کمر میں خوب کسا۔ کسو نے مجھے اوپر کھینچا۔ رات ایسی اندھیری تھی کہ جن نے مجھے نکالا، اُس کو میں نے نہ پہچانا کہ کون ہے۔ جب میں باہر آیا، تب اُس نے کہا: جلد آ، یہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں۔ مجھ میں طاقت تو نہ تھی، پر مارے ڈر کے اُٹھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا۔ دیکھوں تو دو گھوڑے زین بندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ اُس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا اور ایک پر آپ چڑھ لیا اور آگے ہوا۔ جاتے جاتے دریا کے کنارے پر پہنچا۔

صبح ہوگئی، اُس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے۔ اُس جوان کو دیکھا کہ اونچی بنا ہوا، زرہ بکتر پہنے، چار آئینہ باندھے، گھوڑے پر پاکھر ڈالے۔ میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر، اور ہاتھ اپنا دانتوں سے کاٹ کر، تلوار میان سے کھینچی اور گھوڑے کو جست کر کر مجھ پر چلائی۔ میں نے اپنے تئیں گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور گھگھیانے لگا کہ میں بے تقصیر ہوں، مجھے کیوں قتل کرتا ہے؟ اے صاحبِ مُروّت! ویسے زندان سے میرے تئیں تو نے نکالا، اب یہ بے مُروّتی کیا ہے؟ اُس نے کہا: سچ کہہ، تو کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مُسافر ہوں، ناحق کی بلا میں گرفتار ہو گیا تھا، تمھارے تصدُّق سے بارے جیتا نکلا ہوں۔ اور بہت باتیں خوشامد کی کیں۔

خُدا نے اُس کے دل میں رحم دیا، شمشیر کو غلاف کیا اور بولا: خیر، خُدا جو چاہے سو کرے! جا تیری جان بخشی کی، جلد سوار ہو، یہاں توَقُّف کا مکان نہیں۔ گھوڑوں کو جَلد کیا اور چلے۔ راہ میں افسوس کھاتا اور پچھتاتا جاتا تھا۔ ظُہر کے وقت تک ایک جزیرے میں جا پہنچے۔ وہاں گھوڑے سے اُترا، مجھے بھی اُتارا۔ زین، خوگیر، مرکبوں کی پیٹھ سے کھولا اور چرنے کو چھوڑ دیا۔ اپنی بھی کمر سے ہتھیار کھول ڈالے اور بیٹھا۔ مجھ سے بولا: اے بدنصیب! اب اپنا احوال کہہ، تو معلوم ہو کہ تو کون ہے۔ میں نے اپنا نام و نشان بتایا، اور جو جو کچھ بپتا بیتی تھی، اُس سے آخر تک کہی۔

اُس جوان نے جب میری سرگذشت سب سُنی، رونے لگا اور مُخاطب ہوا کہ اے جوان! اب میرا ماجرا سُن۔ میں گنیا زیر باد کے دیس کے راجا کی ہوں۔ اور وہ گبرو جو زندانِ سلیمان میں قید ہے، اُس کا نام بہرہ مند ہے، میرے پِتا کے منتری کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراج نے آگیا دی کہ جتنے راجا اور کنور ہیں، میدان میں زیر جھروکھے نکل کر، تیر اندازی اور چوگان بازی کریں، تو گھڑ چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے، جو میری ماتا تھیں، اٹاری پر اوجھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں، تماشا دیکھتی تھی۔ یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا اور گھوڑے کو کاوے دے کر کسب کر رہا تھا، مجھ کو بھایا اور دل سے اُس پر رجھی۔ مدت تلک یہ بات گپت رکھی۔

آخر جب بہت بیاکل ہوئی، تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا۔ وہ اُس جوان کو کسو نہ کسو ڈھب سے میری پوشیدہ دھراہر میں لے آئی۔ تب یہ بھی مجھے چاہنے لگا۔ بہت دن اِس عشق مُشک میں کٹے۔ ایک روز چوکی داروں نے آدھی رات کو ہتھیار باندھے اور محل میں آتے دیکھ کر اُسے پکڑا اور راجا سے کہا۔ اُسے حکم قتل کیا۔ سب ارکانِ دولت نے کہہ سن کر جان بخشی کروائی۔ تب فرمایا کہ اِس کو زندانِ سلیمان میں ڈال دو۔ اور دوسرا جوان جو اُس کے ہم راہ اسیر ہے، اُس کا بھگنا ہے، اُس رین کو وہ بھی اُس کے ساتھ تھا، دونوں کو اُس کنویں میں چھوڑ دیا۔ آج تین برس ہوئے کہ وے پھنسے ہیں، مگر کسو نے نہیں دریافت کیا کہ یہ جوان راجا کے گھر میں کیوں آیا تھا۔ بھگوان نے میری پت رکھی۔ اِس کے شکرانے کے بدلے میں نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ آن اور جل اُس کو پہنچایا کروں۔ جب سے اٹھوارے میں ایک دن آتی ہوں، اور آٹھ دن کا آذوقہ اکٹھا دے جاتی ہوں۔

کل کی رات سپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ہے کہ شتابی اُٹھ اور گھوڑا اور جوڑا کمند اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لے کر اُس غار پر جا، اور اُس بچارے کو وہاں سے نکال۔ یہ سن کر میں چونک پڑی اور مگن ہو کر مردانہ بھیس کیا اور ایک

صندوقچہ جواہر و اشرفی سے بھر لیا اور یہ گھوڑا اور کپڑا جوڑا لے کر وہاں گئی کہ کمند سے اُسے کھینچوں، کرم میں تیرے تھا کہ ویسی قید سے اِس طرح چھٹکارا پاوے۔ اور میرے اِس کرتب سے محرم کوئی نہیں۔ شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری مخلصی کی خاطر مجھے بھجوایا۔ خیر، جو میرے بھاگ میں تھا، سو ہوا۔ یہ کہتا کہ کر، پُوری کچَوری ماس کا سالن انگوچھے سے کھولا۔ پہلے قند نکال کر ایک کٹورے میں گھولا اور عرق بید مُشک کا اُس میں ڈال کر مجھے دیا۔ میں نے اُس کے ہاتھ سے لے کر پیا، پھر تھوڑا سا ناشتا کیا۔ بعد ایک ساعت کے میرے سر کے بال کُترے، ناخن لیے، نہلا دُھلا کر کپڑے پہنائے، نئے سر سے آدمی بنایا۔ میں دوگانہ شکرانے کا رُو بہ قبلہ ہو کر پڑھنے لگا۔ وہ نازنین اِس میری حرکت کو دیکھتی رہی۔

جب نماز سے فارغ ہوا، پوچھنے لگی کہ یہ تو نے کیا کام کیا؟ میں نے کہا: جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سے محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دِل کو مجھ پر مہربان کیا اور ایسے زندان سے خلاص کروایا، اُس کی ذات لاشریک ہے، اُس کی میں نے عبادت کی اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا۔ یہ بات سُن کر کہنے لگی: تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا: شکر الحمدُ للہ۔ بولی: میرا دل تمھاری باتوں سے خوش ہوا، میرے تئیں بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ: میں نے دل میں کہا: الحمدُ للہ کہ یہ ہمارے دین کی شریک ہوئی۔ غرض میں نے لا الٰہ الاّ اللہ محمدٌ الرّسولُ اللہ۔ پڑھا اور اُس سے پڑھوایا۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر ہم دونوں چلے۔ رات کو اُترتے، تو وہ ذکر دین ایمان کا کرتی اور سنتی اور خوش ہوتی۔ اِسی طرح دو مہینے تلک پیہم شبانہ روز چلے گئے۔

آخر ایک ولایت میں پہنچے کہ درمیان سرحدِ مُلکِ زیر باد اور سراندیپ کے تھی۔ ایک شہر نظر آیا کہ آبادی میں اِستنبول سے بڑا اور آب و ہوا بہت خوش اور موافق۔ بادشاہ اُس شہر کا کسریٰ سے زیادہ عادل اور رعیّت پرور دیکھ کر دل نپٹ شاد ہوا۔ ایک حویلی خرید کر کے بُود باش مُقرّر کی۔ جب کئی دن میں

رنجِ سفر سے آسودہ ہوئے، کچھ اسبابِ ضروری درست کر کے، اُس بی بی سے مُوافق شرعِ محمّدی کے نکاح کیا اور رہنے لگا۔ تین سال میں وہاں کے اکابر و اصاغر سے مل جل کر اعتبار بہم پہنچایا اور تجارت کا ٹھاٹھ پھیلایا۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لے گیا۔ ایک روز وزیرِ اعظم کی خدمت میں سلام کے لیے چلا، ایک میدان میں کثرت خلق اللہ کی دیکھی۔ کسو سے پوچھا کہ کیوں اتنا اِزدحام ہے؟ معلوم ہوا کہ دو شخصوں کو زنا اور چوری کرتے پکڑا ہے، اور شاید خون بھی کیا ہے؛ اُن کو سنگ سار کرنے کو لائے ہیں۔

مجھے سنتے ہی اپنا احوال یاد آیا کہ ایک دن مجھے بھی اِسی طرح سُولی چڑھانے لے گئے تھے، خدا نے بچا لیا۔ آیا یے کون ہیں کہ ایسی بلا میں گرفتار ہوئے ہیں؟ معلوم نہیں کہ راست ہے، یا میری طرح تُہمت میں گرفتار ہوئے ہیں! بھیڑ کو چیر کر اندر گھُسا، دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں کہ ٹُنڈیاں کسے سَرو پا برہنہ، ان کو لیے جاتے ہیں۔ ان کی صورت دیکھتے ہی خون نے جوش کیا اور کلیجا جلا، مُحَصِّلوں کو ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا: ایک ساعت توَقّف کرو، اور وہاں سے گھوڑے کو سرپٹ پھینک کر حاکم کے گھر گیا۔ ایک دانہ یاقوتِ بے بہا کا نذر گزرانا اور ان کی شفاعت کی۔ حاکم نے کہا: ایک شخص اُن کا مُدّعی ہے اور اُن کے گُناہ ثابت ہوئے ہیں اور پادشاہ کا حکم ہو چکا ہے، میں لاچار ہوں۔

بارے بہت مِنّت و زاری سے، حاکم نے مُدّعی کو بُلوا کر پانچ ہزار روپے پر راضی کیا کہ وہ دعویٰ خون کا مُعاف کرے۔ میں نے روپے گن دیے اور لا دعوا لکھوا لیا اور ایسی بلا سے مُخلصی دلوائی۔ جہاں پناہ! ان سے پوچھیے کہ سچ کہتا ہوں یا جھوٹھ بکتا ہوں۔ وے دونوں بھائی سر نیچے کیے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ خیر، ان کو چھُڑوا کر گھر میں لایا، حمّام کروا کر لباس پہنوایا، دیوان خانے میں مکان رہنے کو دیا۔ اِس مرتبے اپنے قبیلے کو ان کے رُو بہ رُو نہ کیا۔ ان کی خدمت میں حاضر رہنا اور ان کے ساتھ کھانا کھانا، سونے کے وقت گھر جانا۔ تین برس

تک اِن کی خاطر داری میں گزری اور ان سے کبھی کوئی حرکتِ بد واقع نہ ہوئی کہ باعثِ رنجیدگی کا ہووے۔ جو میں سوار ہو کر کہیں جاتا تو بے گھر میں رہتے۔

اِتّفاقاً وہ بی بی نیک بخت ایک دِن حمّام کو گئی تھی۔ جب دیوان خانے میں آئی، کوئی مرد نظر نہ پڑا، اُس نے بُرقع اُتارا۔ شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگتا تھا، دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ بڑے بھائی سے کہا۔ دونوں نے میرے مار ڈالنے کی باہم صلاح کی۔ میں اِس حرکت سے مطلق خبر نہ رکھتا تھا، بلکہ دل میں کہتا تھا کہ اَلحمدُ لِلّٰہ! اِس مرتبہ اب تک اِنھوں نے کچھ ایسی بات نہیں کی، اب اُن کی وضع دُرست ہوئی، شاید غیرت کو کام فرمایا۔ ایک روز بعد کھانے کے بڑے بھائی صاحب آب دیدہ ہوئے اور اپنے وطن کی تعریف اور ایران کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ یہ سُن کر دوسرے بھی بِسورنے لگے۔ میں نے کہا: اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر، میں تابع مرضی کے ہوں، میری بھی یہی آرزو ہے، اب انشاءاللہ تعالیٰ میں بھی آپ کی رکاب میں چلتا ہوں۔ اُس بی بی سے دونوں بھائیوں کی اُداسی کا مذکور کیا اور اپنا ارادہ بھی کہا۔ وہ عاقلہ بولی کہ تم جانو، لیکن پھر کچھ دغا کیا چاہتے ہیں، یہ تمھاری جان کے دشمن ہیں، تم نے سانپ آستین میں پالے ہیں اور اُن کی دوستی کا بھروسا رکھتے ہو! جو جی چاہے سو کرو، لیکن موذیوں سے خبردار رہو۔ بہرتقدیر، تھوڑے عرصے میں تیاری سفر کی کر کے، خیمہ میدان میں اِستادہ کیا۔ بڑا قافلہ جمع ہوا اور میری سرداری اور قافلہ باشی پر راضی ہوئے۔ اچھی ساعت دیکھ کر روانہ ہوا، لیکن اِن کی طرف سے اپنی جانب میں ہوشیار رہتا اور سب صورت سے فرماں برداری اور دلجوئی اِن کی کرتا۔

ایک روز ایک منزل میں منجھلے بھائی نے مذکور کیا کہ ایک فرسنگ اس مکان سے ایک چشمہ جاری ہے مانند سلسبیل کے، اور میدان میں خودرو کوسوں تک لالہ و نافرمان اور نرگس و گلاب پھولا ہے، واقعی عجب مکان سَیر کا ہے۔ اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وہاں جا کر تفریح طبیعت کی کرتے اور ماندگی بھی رفع ہوتی۔ میں بولا

صاحب مختار ہیں، فرماؤ تو کل کے دن مُقام کریں، اور وہاں چل کر سیر کرتے پھریں۔ یے بولے: ازیں چہ بہتر؟ میں نے حکم کیا کہ سارے قافلے میں پُکار دو کہ کل مُقام ہے۔ اور بکاوَل کو کہا کہ حاضری قِسم بہ قِسم کی تیار کر، کل سیر کو چلیں گے۔ جب صبح ہوئی، اِن دونو برادروں نے کپڑے پہن کر، کمر باندھ کر، مجھے یاد دلایا کہ جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلیے اور سیر کیجیے۔ میں نے سواری مانگی۔ بولے کہ پا پیادہ جو لطف سیر کا ہوتا ہے، سو سواری میں معلوم؟ نفروں کو کہہ دو، گھوڑے ڈُربا کر لے آویں۔

دونوں غلاموں نے قلیان اور قہوہ دان لے لیا اور ساتھ ہوئے۔ راہ میں تیر اندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب قافلے سے دور نکل گئے، ایک غلام کو انھوں نے کسی کام کو بھیجا۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کر، دوسرے کو بھی اُس کے بُلانے کو رُخصت کیا۔ کم بختی جو آئی، میرے مُنھ میں جیسے کسو نے مُہر دے دی۔ جو وہ چاہتے تھے سو وہ کرتے تھے اور مجھے باتوں میں پرچائے لیے جاتے تھے، مگر یہ کُتّا ساتھ رہ گیا۔ بہت دور نکل گئے، نہ چشمہ نظر آیا نہ گلزار، مگر ایک میدان پُر خار تھا۔ وہاں مجھے پیشاب لگا۔ میں بول کرنے کو بیٹھا۔ اپنے پیچھے چمک تلوار کی سی دیکھی، مُڑ کر دیکھوں تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھ پر تلوار ماری کہ سر دو پارہ ہو گیا۔ جب تلک بولوں کہ اے ظالم! مجھے کیوں مارتا ہے؟ بڑے بھائی نے شانے پر لگائی۔ دونوں زخم کاری لگے، تیورا کر گرا۔ تب اِن دونوں بے رحموں نے بہ خاطر جمع میرے تئیں چور زخمی کیا اور لہو لہان کر دیا۔ یہ کُتّا میرا احوال دیکھ کر اُن پر بھِدکا، اِس کو بھی گھایل کیا۔ بعد اس کے دونوں ہاتھوں سے اپنے بدنوں میں زخموں کے نشان کیے اور سر و پا برہنہ قافلے میں گئے اور ظاہر کیا کہ حرامیوں نے اُس میدان میں ہمارے بھائی کو شہید کیا اور ہم بھی لڑ بھڑ کر زخمی ہوئے۔ جلدی کوچ کرو، نہیں تو اب کارواں پر گر کر، سب کو ننگیالیں گے۔ قافلے کے لوگوں نے بدوؤں کا نام جو سُنا، وونہیں بدحواس ہوئے اور گھبرا کر کوچ کیا اور چل نکلے۔

میرے قبیلے نے سُلوک اور خوبیاں اِن کی سُن رکھی تھیں، جو جو مجھ سے دغائیں کی تھیں۔ یہ واردات اِن کا ذبوں سے سُن کر، جلد خنجر سے اپنے تئیں ہلاک کیا اور جان بحق تسلیم ہوئی۔ اے درویشو! اُس خواجۂ سگ پرست نے جب اپنی کیفیت اور مصیبت اِس طرح سے یہاں تلک کہی، سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آیا۔ وہ سوداگر دیکھ کر کہنے لگا کہ قبلۂ عالم! اگر بے ادبی نہ ہوتی تو برہنہ ہوکر میں اپنا سارا بدن کھول کر دکھاتا۔ تِس پر بھی اپنی راستی پر گریبان مونڈھے تلک چیر کر دکھایا۔ واقعی چار اُنگل تن اُس کا بغیر زخم کے ثابت نہ تھا۔ میرے حضور سر سے عمامہ اُتارا، کھوپڑی میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سموچا اُس میں سما وے۔ ارکان دولت جتنے حاضر تھے، سب نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، طاقت دیکھنے کی نہ رہی۔

پھر خواجہ بولا کہ بادشاہ سلامت! جب یہ بھائی اپنی دانست میں میرا کام تمام کر کے چلے گئے، ایک طرف میں اور ایک طرف یہ سگ میرے نزدیک زخمی پڑا تھا۔ لہو اتنا بدن سے گیا کہ مطلق طاقت اور ہوش کچھ باقی نہ تھا۔ کیا جانوں دم کہاں اَٹک رہا تھا کہ جیتا تھا۔ جس جگہ میں پڑا تھا۔ اُس شہر میں بڑا بُت خانہ تھا۔ اور وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی، نہایت قبول صورت اور صاحبِ جمال۔ اکثر بادشاہ اور شہزادے اُس کے عشق میں خراب تھے۔ وہاں رسم حجاب کی نہ تھی، اس سے وہ لڑکی تمام دن ہم جولیوں کے ساتھ سیر شکار کرتی پھرتی۔ ہم سے نزدیک ایک بادشاہی باغ تھا، اُس روز بادشاہ سے اجازت لے کر اُسی باغ میں آئی تھی۔ سیر کی خاطر اُس میدان میں پھرتی پھرتی آنکلی، کئی خواصیں بھی ساتھ سوار تھیں۔ جہاں میں پڑا تھا، آئیں۔ میرا کراہنا سُن کر پاس کھڑی ہوئیں۔ مجھے اِس حالت میں دیکھ کر وے بھاگیں اور شہزادی سے کہا کہ ایک مُردہ اور ایک کُتّا لہو میں شور بور پڑا ہے۔ اُن سے یہ سُن کر آپ مالکہ میرے سر پر آئی، افسوس کھا کر کہا: دیکھو تو کچھ جان باقی ہے؟ دو چار

دائیوں نے اُتر کر دیکھا اور عرض کی: اب تلک تو جیتا ہے۔ تُرت فرمایا کہ امانت قالیچے پر لِٹا کر باغ میں لے چلو۔

وہاں لے جا کر، جرّاح سرکار کا بُلا کر، میرے اور میرے کُتّے کے علاج کی خاطر بہت تاکید کی، اور اُمّیدوار انعام و بخشش کا کیا۔ اُس حجّام نے ہمارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خاک و خون سے پاک کیا۔ اور شراب سے دھو دھا کر، زخموں کو ٹانکے دے کر، مرہم لگایا اور بید مُشک کا عَرَق پانی کے بدلے میرے حلق میں چُوایا۔ ملکہ آپ میرے سرہانے بیٹھی رہتی اور میری خدمت کرواتی اور تمام دن رات میں دو چار بار کچھ شوربا یا شربت اپنے ہاتھ سے پلاتی۔ بارے مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ ملکہ نہایت افسوس سے کہتی ہے: کس ظالم خونخوار نے تجھ پر یہ ستم کیا۔ بڑے بُت سے بھی نہ ڈرا! بعد دس روز کے عرق اور شربت اور معجونوں کی قوت سے میں نے آنکھ کھولی، دیکھا تو اندر کا اکھاڑا میرے آس پاس جمع ہے اور ملکہ سرہانے کھڑی ہے۔ ایک آہ بھری اور چاہا کہ کچھ حرکت کروں، طاقت نہ پائی۔ بادشاہ زادی مہربانی سے بولی کہ اے عجمی! خاطر جمع رکھ، کُرّہ صحت، اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بُت نے مجھ کو تجھ پر مہربان کیا ہے، اب چنگا ہو جاوے گا۔

قسم اُس خدا کی جو واحد اور لاشریک ہے، میں اُسے دیکھ کر پھر بے ہوش ہو گیا۔ ملکہ نے بھی دریافت کیا اور گلاب پاش سے گُلاب اپنے ہاتھ سے چھڑکا۔ بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے اور انگور کر لائے۔ ملکہ ہمیشہ رات کو جب سب سو جاتے میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی۔ غرض ایک چلّے میں غُسل کیا۔ بادشاہ زادی نہایت خوش ہوئی۔ حجّام کو انعام بہت سا دیا اور مجھ کو پوشاک پہنوائی۔ خدا کے فضل سے اور خبر گیری اور سعی سے ملکہ کی، خوب چاق چوبند ہوا۔ اور بدن نہایت تیّار ہوا اور رنگتّا بھی فربہ ہو گیا۔ روز مجھے شراب پلاتی اور باتیں سنتی اور خوش ہوتی۔ میں بھی ایک آدھ نقل یا کہانی انوٹھی کہہ کر، اُس

کے دِل کو بہلاتا۔

ایک دن پوچھنے لگی کہ اپنا احوال تو بیان کرو کہ تم کون ہو اور یہ واردات تم پر کیوں کر ہوئی؟ میں نے سارا ماجرا اپنا اوّل سے آخر تک کہہ سُنایا۔ سُن کر رونے لگی اور بولی کہ اب میں تجھ سے ایسا سُلوک کروں گی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جاوے گا۔ میں نے کہا خدا انھیں سلامت رکھّے، تم نے نئے سر سے میری جان بخشی کی ہے، اب میں تمھارا ہو رہا ہوں، واسطے خدا کے اسی طرح ہمیشہ مجھ پر اپنی مہربانی کی نظر رکھیو۔ غرض تمام رات اکیلی میرے پاس بیٹھی رہتی اور صحبت رکھتی۔ بعضے دن دائی اُس کی بھی ساتھ رہتی۔ ہر ایک طور کا ذکر مذکور کہتی اور سنتی۔ جب ملکہ اُٹھ جاتی اور میں تنہا ہوتا، طہارت کر، کونے میں چھُپ کر نماز پڑھ لیتا۔

ایک بار ایسا اتّفاق ہوا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی، میں خاطر جمع سے وُضو کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک شہزادی دائی سے بولتی ہوئی آئی کہ دیکھیں، عجمی اِس وقت کیا کرتا ہے، سوتا ہے یا جاگتا ہے؟ مجھے مکان پر جو نہ دیکھا، تعجّب میں ہوئی کہ ایں! یہ کہاں گیا ہے؟ کسو سے کچھ لگّا تو نہیں لگایا۔ کونا کُھترا دیکھنے لگی اور تلاش کرنے لگی۔ آخر جہاں میں نماز کر رہا تھا، وہاں آنکلی۔ اُس لڑکی نے کبھو نماز کاہے کو دیکھی تھی، چُپکی کھڑی دیکھا کی۔ جب میں نے نماز تمام کر کے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور سجدے میں گیا، بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی: کیا یہ آدمی سَودائی ہو گیا، یہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے؟

میں ہنسنے کی آواز سن کر دل میں ڈرا۔ ملکہ آگے آکر پوچھنے لگی کہ اے عجمی! یہ تو کیا کرتا تھا؟ میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ اِس میں دائی بولی: بلا لوں، تیرے صدقے گئی، مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور لات منات کا دشمن ہے، ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ ملکہ نے یہ سنتے ہی ہاتھ پر ہاتھ مارا، بہت غصّے ہوئی کہ میں کیا جانتی تھی کہ یہ تُرک ہے، اور ہمارے خداؤں سے مُنکر ہے

تبھی ہمارے بُت کے غضب میں پڑا تھا۔ میں نے ناحق اس کی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا۔ یہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ میں سنتے ہی بدحواس ہوا کہ دیکھیے اب کیا سلوک کرے۔ مارے خوف کے نیند اُچاٹ ہو گئی۔ صبح تک بے اختیار رویا کیا اور آنسوؤں سے مُنہ دھویا کیا۔

تین دن رات اسی خوف ورجا میں روتے گزرے، ہرگز آنکھ نہ جھپکی۔ تیسری شب ملکہ شراب کے نشے میں مخمور اور دائی ساتھ لیے میرے مکان پر آئی۔ غصّے میں بھری ہوئی اور تیر کمان ہاتھ میں لیے ہوئے، باہر چمن کے کنارے بیٹھی۔ دائی سے پیالہ شراب کا مانگا، پی کر کہا: دَدّا! وہ عجمی جو ہمارے بڑے بُت کے قہر میں گرفتار ہے، مُوا؛ یا اب تک جیتا ہے؟ دائی نے کہا: بَلَیّاں لوں، کچھ دم باقی ہے۔ بولی کہ اب وہ ہماری نظروں سے گرا۔ لیکن کہہ کہ باہر آوے۔ دائی نے مجھے پکارا۔ میں دوڑا۔ دیکھوں تو ملکہ کا چہرہ مارے غصّے کے تمتما رہا ہے اور سُرخ ہو گیا ہے۔ روح قالب میں نہ رہی۔ سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھ کر، دائی سے بولی: اگر میں اِس دین کے دشمن کو تیر سے ماروں، تو میری خطا بڑا بُت معاف کرے گا یا نہیں؟ یہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا ہے کہ میں نے اِسے اپنے گھر میں رکھ کر خاطرداری کی۔

دائی نے کہا: بادشاہ زادی کی کیا تقصیر ہے؟ کچھ دشمن جان کر نہیں رکھا، تم نے اُس پر ترس کھایا۔ تم کو نیکی کے عِوض نیکی ملے گی اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ بڑے بُت سے پا رہے گا۔ یہ سن کر کہا: دائی! اسے بیٹھنے کو کہہ۔ دائی نے مجھے اشارت کی کہ بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے اور جام شراب کا پیا اور دائی سے کہا کہ اِس کم بخت کو بھی ایک پیالہ دے، تو آسانی سے مارا جاوے۔ دائی نے جام دیا۔ میں نے بلا عُذر پیا اور سلام کیا۔ ہرگز میری طرف نگاہ نہ کی، مگر کن انکھیوں سے چوری چوری دیکھتی تھی۔ جب مجھے سُرور ہوا، کچھ شعر پڑھنے لگا۔ ازاں جملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی:

قابو میں ہوں تیرے، گو اب جیا تو پھر کیا خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا؟

سُن کر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی: کیا تجھے نیند آتی ہے؟ دائی نے رضی پاکر کہا کہ ہاں، مجھ پر خواب نے غلبہ کیا ہے۔ وہ تو رُخصت ہو کر جہنّم واصل ہوئی۔ بعد ایک دم کے ملکہ نے پیالہ مجھ سے مانگا۔ میں جلد بھر کر رُو بہ رُو لے گیا۔ ایک ادا سے میرے ہاتھ سے لے کر پی لیا۔ تب میں قدموں پر گرا۔ ملکہ نے ہاتھ مجھ پر جھاڑا اور کہنے لگی: اے جاہل! ہمارے بڑے بُت میں کیا بُرائی دیکھی، جو غائب خدا کی پرستش کرنے لگا؟ میں نے کہا: انصاف شرط ہے، ٹک غور فرمائیے کہ بندگی کے لائق وہ خدا ہے کہ جس نے ایک قطرے پانی سے تم سا رکا محبوب پیدا کیا، اور یہ حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کر ڈالو۔ بُت کیا چیز ہے کہ کوئی اُس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر کو سنگ تراش نے گڑھ کر صورت بنائی، اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا۔ جن کو شیطان کو ورغلاتا ہے، وے مصنوع کو صانع جانتے ہیں۔ جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں، اُس کے آگے سر جُھکاتے ہیں۔ اور ہم مسلمان ہیں، جس نے ہمیں بنایا ہے، ہم اُسے مانتے ہیں، اُن کے واسطے دوزخ، ہمارے لیے بہشت بنایا ہے۔ اگر بادشاہ زادی ایمان خدا پر لاوے تب اُس کا مزا پاوے۔ اور حق و باطل میں فرق کرے اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے۔

بارے ایسی ایسی نصیحتیں سُن کر، اُس سنگ دل کا دل ملائم ہوا۔ خدا کے فضل و کرم سے رونے لگی اور بولی: اچھا، مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ۔ میں نے کلمہ تلقین کیا۔ ان نے بہ صدقِ دل پڑھا اور توبہ استغفار کر کر مسلمان ہوئی۔ تب میں اُس کے پاؤں پڑا۔ صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رہی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میں نے تمہارا دین قبول کیا، لیکن ماں باپ کافر ہیں؛ اُن کا کیا علاج؟ میں نے کہا: تمہاری بلا سے، جو جیسا کرے گا سو پاوے گا۔ بولی کہ مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ہے اور وہ بُت پرست ہے، کل کو خدا نخواستہ بیاہ ہو اور وہ کافر مجھ سے ملے اور اُس کا نطفہ میرے پیٹ میں ٹھہر جاوے تو بڑی قباحت ہے۔ اِس کی فکر ابھی سے کیا چاہیے کہ اِس بلا سے نجات پاؤں۔ میں نے کہا:

تم بات تو معقول کہتی ہو؛ جو مزاج میں آوے سو کرو۔ بولی کہ میں اب یہاں نہ رہوں گی، کہیں نکل جاؤں گی۔ میں نے پوچھا: کس صورت سے بھاگنے پاؤ گی اور کہاں جاؤ گی؟ جواب دیا کہ پہلے تم میرے پاس سے جاؤ، مسلمانوں کے ساتھ سرا میں جا رہو، تو سب آدمی سنیں اور تم پر گمان نہ لے جاویں۔ تم وہاں کشتیوں کی تلاش میں رہو۔ جو جہاز عجم کی طرف چلے، مجھے خبر کیجو۔ میں اس واسطے دائی کو تمھارے پاس اکثر بھیجا کروں گی۔ جب تم کہلا بھیجوگے، میں نکل کر آؤں گی اور کشتی پر سوار ہو کر چلی جاؤں گی، ان کم بختوں بے دینوں کے ہاتھ سے مخلصی پاؤں گی۔ میں نے کہا: تمھاری جان و ایمان کے قربان ہوا، دائی کو کیا کرو گی؟ بولی: اس کی فکر سہل ہے، ایک پیالے میں زہر ہلاہل پلا دوں گی۔ یہی صلاح مقرر رہی۔ جب دن ہوا، میں کارواں سرا میں گیا۔ ایک حجرہ کرایے لیا اور جا رہا۔ اس جدائی میں فقط وصل کی توقع پر جیتا تھا۔ جب دو مہینے میں سوداگر روم و شام و اصفہان کے جمع ہوئے، ارادہ کوچ کا تری کی راہ سے کیا، اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے۔ ایک جگہ رہنے سے اکثر آشنا صورت ہو گئے تھے، مجھ سے کہنے لگے: کیوں صاحب! تم بھی چلو نہ، یہاں کفرستان میں کب تلک رہو گے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن جاؤں؟ یہی ایک لونڈی، ایک گٹھری، ایک صندوق بساط میں رکھتا ہوں۔ اگر تھوڑی سی جگہ بیٹھ رہنے کو دو، اور اس کا نول مقرر کرو، تو میری خاطر جمع ہو؛ میں بھی سوار ہوں۔

سوداگروں نے ایک کوٹھڑی میرے تخت میں کر دی۔ میں نے اس کے نول کا روپیا بھر دیا۔ دل جمعی کر کر، کسو بہانے سے دائی کے گھر گیا اور کہا: اے اماں! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں، اب وطن کو جاتا ہوں، اگر تیری توجہ سے ایک نظر ملکہ کو دیکھ لوں تو بڑی بات ہے۔ بارے دائی نے قبول کیا۔ میں نے کہا: میں رات کو آؤں گا، فلانے مکان پر کھڑا رہوں گا۔ بولی: اچھا میں

کہ کر سرا میں آیا۔ صندوق اور بچھونے اُٹھا کر جہاز میں لایا اور ناخدا کو سونپ کر کہا:
کل فجر کو اپنی کنیز کو لے کر آؤں گا۔ ناخدا بولا: جلد آئیو، صبح کو ہم لنگر اُٹھاویں گے۔
میں نے کہا: بہت خوب۔ جب رات ہوئی، اُسی مکان پر جہاں دائی سے وعدہ
کیا، جا کر کھڑا رہا۔ پہر رات گئے محل کا دروازہ کھُلا، اور ملکہ مَیلے کچیلے کپڑے پہنے،
ایک پیٹی جواہر کی لیے باہر نکلی۔ وہ پٹاری میرے حوالے کی اور ساتھ چلی۔ صبح
ہوتے کنارے دریا کے ہم پہنچے۔ ایک لنگبوٹ پر سوار ہو کر، جہاز میں جا اُترے۔
یہ وفادار کُتّا بھی ساتھ تھا۔ جب صبح خوب روشن ہوئی، لنگر اُٹھایا اور روانہ
ہوئے بہ خاطر جمع چلے جاتے تھے۔ ایک بندر سے آواز توپوں کی شلک کی آئی۔
سب حیران اور فکر مند ہوئے، جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا کہ
شاہِ بندر کچھ دغا کرے گا، توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟

اِتّفاقاً سب سوداگروں کے پاس خوب صورت لونڈیاں تھیں۔ شاہِ بندر
کے خوف سے کہ مبادا چھین لے، سب نے کنیزکوں کو صندوقوں میں بند کیا۔ میں
نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو صندوق میں بٹھا کر قفل کر دیا۔ اِس عرصے میں شاہِ
بندر ایک غراب پر، بمع نوکر چاکر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ آتے آتے جہاز پر آ چڑھا۔ شاید
اُس کے آنے کا یہ سبب تھا کہ بادشاہ کو دائی کے مرنے کی اور ملکہ کے غائب ہونے
کی جب خبر معلوم ہوئی، مارے غیرت کے اُس کا تو نام نہ لیا، مگر شاہِ بندر کو حکم کیا
کہ میں نے سُنا ہے، عجمی سوداگروں کے پاس لونڈیاں خوب خوب ہیں، سو میں
شہزادی کے واسطے لیا چاہتا ہوں۔ تم اُن کو روک کر، جتنی لونڈیاں جہاز میں ہوں،
حضور میں حاضر کرو گے۔ انھیں دیکھ کر، جو پسند آویں گی، اُن کی قیمت دی جائے
گی، نہیں تو واپس ہوں گی۔

بہ موجب حکم بادشاہ کے، یہ شاہِ بندر اِس لیے آپ جہاز پر آیا۔ اور میرے
نزدیک ایک اور شخص تھا، اُس کے پاس بھی ایک باندی قبول صورت صندوق
میں بند تھی۔ شاہِ بندر اُسی صندوق پر آ کر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا۔

میں نے خدا کا شکر کیا کہ بھلا پادشاہ زادی کا مذکور نہیں۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں۔ شاہ بندر کے آدمیوں نے ناو پر چڑھائیں اور خود شاہ بندر جس صندوق پر بیٹھا تھا، اُس کے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا کہ تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی؟ اُس احمق نے کہا: آپ کے قدموں کی سوگند، میں نے ہی یہ کام نہیں کیا؛ سبھوں نے تمہارے ڈر سے لونڈیاں صندوقوں میں چھپائی ہیں۔ شاہ بندر نے یہ بات سُن کر، سب صندوقوں کا جھاڑا لینا شروع کیا۔ میرا بھی صندوق کھولا اور ملکہ کو نکال کر سب کے ساتھ لے گیا۔ عجب طرح کی مایوسی ہوئی کہ یہ ایسی حرکت پیش آئی کہ تیری جان تو مُفت گئی، اور ملکہ سے دیکھیے کیا سُلوک کرے۔

اُس کی فکر میں اپنی بھی جان کا ڈر بھول گیا۔ سارے دن رات خدا سے دُعا مانگتا رہا۔ جب بڑی فجر ہوئی، سب لونڈیوں کو کشتی پر سوار کر کے لائے۔ سوداگر خوش ہوئے، اپنی اپنی کنیزکیں لیں۔ سب آئیاں، مگر ایک ملکہ اُن میں نہ تھی۔ میں نے پوچھا کہ میری لونڈی نہیں آئی، اِس کا کیا سبب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم واقف نہیں، شاید پادشاہ نے پسند کی ہو گی۔ سب سوداگر مجھے تسلّی اور دِلاسا دینے لگے کہ خیر، جو ہوا سو ہوا، تو کُڑھ مت۔ اُس کی قیمت ہم سب بہری کر کر تجھے دیں گے۔ میرے حواس باختہ ہو گئے۔ میں نے کہا کہ اب میں عجم نہیں جانے کا۔ کشتی والوں سے کہا: یارو! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، کنارے پر اُتار دیجو۔ وے راضی ہوئے۔ میں جہاز سے اُتر کر، غُراب میں آ بیٹھا۔ یہ کُتّا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔

جب بندر میں پہنچا، ایک صندوقچہ جواہر کا جو ملکہ اپنے ساتھ لائی تھی، اُسے تو رکھ لیا اور سب اسباب شاہ بندر کے نوکروں کو دیا۔ اور میں جاسوسی میں ہر کہیں پھرنے لگا کہ شاید خبر ملکہ کی پاؤں، لیکن ہرگز سُراغ نہ ملا اور نہ اُس بات کا پتا پایا۔ ایک رات کو کسی مکر سے بادشاہ کے بھی محل میں گیا اور ڈھونڈھا، کچھ

خبر نہ ملی۔ قریب ایک مہینے کے شہر کے کوچے اور محلّے چھان مارے اور اُس غم سے اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا اور سودائی سا پھرنے لگا۔ آخر اپنے دل میں خیال کیا کہ غالب ہے شاہ بندر کے گھر ہیں میری بادشاہ زادی ہووے تو ہووے، نہیں تو اور کہیں نہیں۔ شاہِ بندر کی حویلی کے گِرد پیش دیکھتا پھرتا تھا کہ کہیں سے کبھی جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں۔

ایک بَدرَرو نظر پڑی کہ مُوافق آدمی کی آمد و رفت کے ہے، مگر جالی آہنی اُس کے دہانے پر جَڑی ہے۔ یہ قصد کیا کہ اُس بَدرَرو کی راہ سے چلوں۔ کپڑے بدن سے اُتارے اور اُس نجس کیچڑ میں اُترا۔ ہزار محنت سے اُس جالی کو توڑا اور سنڈاس کی راہ سے چور محل میں گیا۔ عورتوں کا سا لباس بنا کر، ہر طرف دیکھنے بھالنے لگا۔ ایک آواز میرے کان میں پڑی جیسے کوئی مُناجات کر رہا ہے۔ آگے جا کر دیکھوں تو ملکہ ہے کہ عجب حالت سے روتی ہے اور ناک گھسنی کر رہی ہے اور خدا سے دُعا مانگتی ہے کہ صدقے اپنے رسول کے اور اُس کی آلِ پاک کے مجھے اُس کفرستان سے نجات دے۔ اور جس شخص نے مجھے اسلام کی راہ بتائی ہے، اُس سے ایک بار خیریت سے ملا۔ میں دیکھتے ہی، دوڑ کر پانو پر گر پڑا۔ ملکہ نے مجھے گلے لگا لیا۔ ہم دونوں پر ایک دم بے ہوشی کا عالَم ہو گیا۔ جب حواس بجا ہوئے میں نے کیفیت ملکہ سے پوچھی۔ بولی: جب شاہ بندر سب لونڈیوں کو کنارے پر لے گیا، میں خدا سے یہی دُعا مانگتی تھی کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو اور میں پہچانی نہ جاؤں اور تیری جان پر آفت نہ آوے۔ وہ ایسا ستّار ہے کہ ہرگز کسو نے نہ دریافت کیا کہ یہ ملکہ ہے۔ شاہِ بندر ہر ایک کو بہ نظرِ خریداری دیکھتا تھا۔ جب میری باری ہوئی، مجھے پسند کر کر، اپنے گھر میں چُھپکے بھیج دیا۔ اوروں کو بادشاہ کے حُضور گزرانا۔

میرے باپ نے جب ان میں مجھے نہ دیکھا، سب کو رُخصت کیا۔ یہ سب پرپنچ میرے واسطے کیا تھا۔ اب یوں مشہور کیا ہے کہ بادشاہ زادی بہت بیمار

ہے۔ اگر میں ظاہر نہ ہوئی، تو کوئی دن میں میرے مرنے کی خبر سارے مُلک میں اُڑے گی؛ تو بدنامی بادشاہ کی نہ ہووے۔ لیکن اب میں اِس عذاب میں ہوں کہ شاہِ بندر مجھ سے اور ارادہ دل میں رکھتا ہے اور ہمیشہ ساتھ سونے کو بُلاتا ہے۔ میں راضی نہیں ہوتی۔ ازبس کہ چاہتا ہے، اب تک میری رضامندی منظور ہے۔ لہٰذا چپ ہو رہتا ہے۔ پر حیران ہوں، اِس طرح کہاں تک نبھے گی۔ سو میں نے بھی جی میں یہ ٹھہرایا ہے کہ جب مجھ سے کچھ اور قصد کرے گا، تو میں اپنی جان دوں گی۔ اور مر رہوں گی۔ لیکن تیرے ملنے سے ایک اور تدبیر دل میں سوجھی ہے، خدا چاہے تو سوائے اِس فکر کے دوسری کوئی طرح مخلصی کی نظر نہیں آتی۔

میں نے کہا: فرماؤ تو وہ کون سی تدبیر ہے؟ کہنے لگی: اگر تو سعی اور محنت کرے تو ہو سکے۔ میں نے کہا: میں فرماں بردار ہوں، اگر حکم کرو تو جلتی آگ میں کود پڑوں۔ اور سیڑھی پاؤں تو تمھاری خاطر آسمان پر چلا جاؤں۔ جو کچھ فرماؤ سو بجا لاؤں۔ ملکہ نے کہا: تو بڑے بُت کے بُت خانے میں جا۔ اور جس جگہ جوتیاں اُتارتے ہیں، وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ہے۔ اِس مُلک کی رسم ہے کہ جو کوئی مُفلس اور محتاج ہو جاتا ہے، اُس جگہ وہ ٹاٹ اوڑھ کر بیٹھتا ہے؛ یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں، موافق اپنے اپنے مقدور کے اُسے دیتے ہیں۔

جب دو چار دن میں مال جمع ہوتا ہے۔ پنڈے ایک خلعت بڑے بُت کی سرکار سے دے کر اُسے رخصت کرتے ہیں، وہ تونگر ہو کر چلا جاتا ہے۔ کوئی نہیں معلوم کرتا کہ یہ کون تھا۔ تو بھی جا کر اُس پلاس کے نیچے بیٹھ اور ہاتھ مُنہ اپنا خوب طرح چھپا لے اور کسو سے نہ بول۔ بعد تین دن کے، براہمن اور بُت پرست ہر چند تجھے خلعت دے کر رخصت کریں، تو وہاں سے ہرگز نہ اُٹھ۔ جب نہایت منت کریں تب تو بولیو کہ مجھے روپیا پیسا کچھ درکار نہیں، میں مال کا بھوکا نہیں؛ میں مظلوم ہوں، فریاد کو آیا ہوں۔ اگر برہمنوں کی ماتا میری داد دے تو بہتر نہیں تو بڑا بُت میرا انصاف کرے گا اور اُس ظالم سے یہی بڑا بُت میری فریاد کو

پہنچے گا۔ جب تلک وہ ما برہمنوں کی آپ تیرے پاس نہ آوے، بہتیرا کوئی مناوے، تو راضی نہ جیو۔ آخر لاچار ہو کر وہ خود تیرے نزدیک آوے گی۔ وہ بہت بوڑھی ہے، دو سو چالیس برس کی عمر ہے، اور چھتیس بیٹے اُس کے جنے ہوئے بت خانے کے سردار ہیں۔ اور اُس کا بڑے بُت کے پاس بڑا درجہ ہے۔ اِس سبب اُس کا اِتنا بڑا حکم ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے اِس ملک کے ہیں، اُس کے کہنے کو اپنی سعادت جانتے ہیں جو وہ فرماتی ہے بہ سر و چشم مانتے ہیں۔ اُس کا دامن پکڑ کر کہیو: اے مائی! اگر مجھ مظلوم مسافر کا انصاف ظالم سے نہ کرے گی، تو میں بڑے بُت کی خدمت میں ٹکریں ماروں گا، آخر وہ رحم کھا کر تجھ سے میری سفارش کرے گی۔

جب وہ تیرا احوال پوچھے، تو کہیو کہ میں عجم کا رہنے والا ہوں۔ بڑے بُت کی زیارت کی خاطر اور تمہاری عدالت سُن کر کالے کوسوں سے یہاں آیا ہوں۔ کئی دنوں سے آرام رہا۔ میری بی بی بھی میرے ساتھ آئی تھی۔ وہ جوان ہے اور صورت شکل بھی اچھی ہے اور آنکھ ناک سے دُرست ہے۔ معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اُسے کیوں کر دیکھا، بہ زور مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال دیا۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جو نامحرم عورت کو اُن کی دیکھے یا چھین لے، تو واجب ہے کہ اُس کو جس طرح ہو، مار ڈالیں اور اپنی جورو کو لے لیں، اور نہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں۔ کیوں کہ جب تلک وہ جیتا رہے، وہ عورت خاوند پر حرام ہے۔ اب یہاں لاچار ہو کر آیا ہوں، دیکھیے تم کیا انصاف کرتی ہو۔ جب ملکہ نے مجھے یہ سب کچھ سکھا پڑھا دیا، میں رخصت ہو، اُسی نابدان کی راہ سے نکلا اور وہ جالی آہنی پھر لگا دی۔

صبح ہوتے بُت خانے میں گیا اور وہ سیاہ پلاس اوڑھ کر بیٹھا۔ تین روز میں اتنا روپیا اور اشرفی اور کپڑا میرے نزدیک جمع ہوا کہ انبار لگ گیا۔ چوتھے دن پنڈے بھجن کرتے اور گاتے بجاتے خلعت لیے میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے۔ میں راضی نہ ہوا اور دُہائی بڑے بُت کو دی کہ میں گدائی کرنے نہیں آیا،

بلکہ انصاف کے لیے بڑے مُبت اور برہمنوں کی ماتا کے پاس آیا ہوں۔ جب تلک اپنی داد نہ پاؤں گا، یہاں سے نہ جاؤں گا۔ وے سُن کر اُس پیرزال کے رُوبہ رُو گئے اور میرا احوال بیان کیا۔ بعد اُس کے ایک چُوبے آیا اور میرے تئیں کہنے لگا کہ چل، ماتا بلاتی ہے۔ میں دو نہیں ٹاٹ کا لاسر سے پانو تک اُوڑھے ہوئے دہرے میں گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک جڑاؤ سنگھاسن پر، جس میں لعل، الماس اور موتی، مونگا لگا ہوا ہے۔ بڑا بُت بیٹھا ہے۔ اور ایک کُرسی زرّیں پر فرش معقول بچھا ہے، اُس پر ایک بڑھیا سیاہ پوش، مسند پر تکیے لگائے، اور دو لڑکے دس بارہ برس کے ایک داہنے ایک بائیں شان و شوکت اور تجمّل سے بیٹھی ہے۔ مجھے آگے بلایا، میں ادب سے آگے گیا اور تخت کے پایے کو بوسہ دیا، پھر اُس کا دامن پکڑ لیا۔ اُس نے میرا احوال پوچھا۔ میں نے اُسی طرح، جس طور سے ملکہ نے تعلیم کر دیا تھا، ظاہر کیا۔

سُن کر بولی کہ کیا مسلمان اپنی استریوں کو اُوجھل میں رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، تمھارے بچّوں کی خیر ہو، یہ ہماری رسم قدیم ہے۔ بولی کہ تیرا اچھا مذہب ہے۔ میں ابھی حکم کرتی ہوں کہ شاہِ بندر بہ مع تیری جورو آن کر حاضر ہوتا ہے۔ اور اُس گیدی کو ایسی سیاست کروں کہ بارِ دیگر ایسی حرکت نہ کرے اور سب کے کان کھڑے ہوں اور ڈریں۔ اپنے لوگوں سے پوچھنے لگی کہ شاہِ بندر کون ہے؟ اُس کی یہ مجال ہوئی کہ بیگانی نزیا کو بہ زور چھین لیتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ فلانا شخص ہے۔ یہ سُن کر اُن دونوں لڑکوں کو، جو پاس بیٹھے تھے، فرمایا کہ جلدی اُس مانس کو ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ماتا فرماتی ہے کہ حکم بڑے مُبت کا یہ ہے کہ شاہِ بندر آدمیوں پر زور زیادتی کرتا ہے، چنانچہ اِس غریب کی عورت کو چھین لیا ہے۔ اُس کی تقصیر بڑی ثابت ہوئی۔ جلد اُس گمراہ کے مال کا تالیفہ کر کر اِس تُرک کے، کہ ہمارا منظور نظر ہے، حوالے کر۔ نہیں تو آج رات کو تو ستیاناس ہوگا اور ہمارے غضب میں پڑے گا۔ وے دونوں

طفل اُٹھ کر منڈل سے باہر آئے اور سوار ہوئے، سب پنڈت سنکھ بجاتے اور آرتی گاتے جلو میں ہو لیے۔

غرض وہاں کے چھوٹے بڑے، جہاں اُن لڑکوں کا پانو پڑتا تھا، وہاں کی مٹی تبرّک جان کر اُٹھا لیتے اور آنکھوں سے لگا لیتے، اُسی طرح بادشاہ کو قلعے تک گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی، ننگے پانو استقبال کی خاطر نکل آیا، اور اُن کو بڑے مان مہت سے لے جا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا: آج کیوں کر تشریف فرمانا ہوا؟ اُن دونوں برہمن بچّوں نے، ما کی طرف سے جو کچھ سُن آئے تھے، کہا۔ اور بڑے بُت کی خفگی سے ڈرایا۔

بادشاہ نے سُنتے ہی فرمایا: بہت خوب۔ اور اپنے نوکروں کو حکم کیا کہ محصّل جاویں اور شاہِ بندر کو مع اُس عورت کے جلد حضور میں حاضر کریں، تو میں تقصیر اُس کی تجویز کر کے سزا دوں۔ یہ سُن کر میں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی۔ اگر شاہِ بندر کے ساتھ ملکہ کو بھی لاویں، تو پردہ فاش ہوگا اور میرا کیا اَحوال ہوگا؟ دل میں نہایت خوف زدہ ہو کر، خدا کی طرف رجوع کی۔ لیکن میرے مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں، اور بدن کانپنے لگا۔ لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ کر، شاید دریافت کیا کہ یہ حکم اِس کی مرضی کے موافق نہ ہوا۔ وونہیں خفا و برہم ہو کر اُٹھے، اور بادشاہ کو جھڑک کر بولے: اے مَردک! تو دیوانہ ہوا ہے جو فرماں برداری سے بڑے بُت کی نکلا، اور ہمارے بچّن کو جھوٹھ سمجھا، جو دونوں کو بُلوا کر تحقیق کیا چاہتا ہے؟ اب خبردار! تو غضب میں بڑے بُت کے پڑا، ہم نے تجھے حکم پہنچا دیا، اب تو جان اور بڑا بُت جانے۔

اِس کہنے سے بادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور سر سے پانو تلک رعشہ ہو گیا، مِنّت کر کے مَنانے لگا۔ یے دونوں ہرگز نہ بیٹھے، لیکن کھڑے رہے۔ اِس میں جتنے امیر اُمرا وہاں حاضر تھے، ایک مُنہ ہو کر بدگوئی شاہِ بندر کی کرنے لگے کہ وہ ایسا ہی حرام زادہ، بدکار اور پاپی ہے۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا

ہے کہ حضور میں پادشاہ کے کیا کیا عرض کریں؟ جو کچھ برہمنوں کی ماتا نے کہلا بھیجا ہے، درست ہے، اِس واسطے کہ حکم بڑے بُت کا ہے، یہ دروغ کیوں کر ہوگا؟ پادشاہ نے جب سب کی زُبانی ایک ہی بات سُنی، اپنے کہنے سے بہت خجل اور نادم ہوا۔ جلد ایک خلعتِ پاکیزہ مجھے دی۔ اور حکم نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ، اُس پر دستی مُہر کر کر، میرے حوالے کیا۔ اور ایک رُقعہ مادرِ برہمنان کو لکھا اور جواہر اشرفیوں کے خوان لڑکوں کے رُو بہ رُو پیش کش رکھ کر رُخصت کیا۔ میں خوشی بہ خوشی بُت خانے میں آیا اور اُس بڑھیا کے پاس گیا۔

پادشاہ کا جو خط آیا تھا، اُس کا یہ مضمون تھا: القاب کے بعد، بندگی، عجز و نیاز لکھ کر، لکھا تھا کہ موافق حکم حضور کے اس مردِ مسلمان کو خدمت شاہِ بندر کی مقرر ہوئی اور خلعت دی گئی۔ اب یہ اُس کے قتل کرنے کا مختار ہے۔ اور سارا مال و اموال اُس کا اِس تُرک کا ہوا، جو چاہے سو کرے۔ امّید وار ہوں کہ میری تقصیر مُعاف ہو۔ برہمنوں کی ما نے خوش ہو کر فرمایا کہ نوبت خانے میں بُت خانے کی نوبت بجے۔ اور پانچ سو سپاہی برقنداز جو بال باندھی کوڑی ماریں، مُسلّح میرے ہم راہ کر دیے۔ اور حکم کیا کہ بندر میں جاکر، شاہِ بندر کو دست گیر کر کے، اِس مسلمان کے حوالے کریں۔ جس طرح کے عذاب سے اُس کا جی چاہے اُسے مارے۔ اور خبر دار! سوائے اِس عزیز کے کوئی محل سرا میں داخل نہ ہووے اور اُس کے مال و خزانے کو امانت اِس کے سُپرد کریں۔ جب یہ بہ خوشی رخصت کرے، رسید اور صافی نامہ اِس سے لے کر پھر آویں۔ اور ایک سرے پاؤ بُت بزرگ کی سرکار سے میرے تئیں دے کر، سوار کروا کر وداع کیا۔

جب میں بندر میں پہنچا، ایک آدمی نے بڑھ کر شاہِ بندر کو خبر کی۔ وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا پہنچا۔ غصّہ تو دل میں بھر ہی رہا تھا، دیکھتے ہی شاہِ بندر کو تلوار کھینچ کر ایسی گردن میں لگائی کہ اُس کا سر الگ بھُٹّا سا اُڑ گیا۔ اور وہاں کے گُماشتے، خزانچی، مُشرِف، داروغوں کو پکڑوا کر سب دفتر ضبط کیے اور میں محل میں

داخل ہوا۔ ملکہ سے ملاقات کی، آپس میں گلے لگ کر روئے اور شکر خدا کا کیا۔ میں نے اُس کے، اُس نے میرے آنسو پونچھے پھر باہر مسند پر بیٹھ کر، اہل کاروں کو خلعتیں دیں اور اپنی اپنی خدمتوں پر سب کو بحال کیا۔ نوکر اور غلاموں کو سرفرازی دی۔ وہ لوگ جو منڈپ سے میرے ساتھ متعیّن ہوئے تھے، ہر ایک کو انعام و بخشش دے کر، اور اُن کے جمعدار، رسالے دار کو جوڑے پہنا کر رُخصت کیا۔ اور جواہر بیش قیمت اور تھان نور بافی اور شال بافی اور زردوزی اور جنس و تحفے ہر ایک مُلک کے اور نقد بہت سا پادشاہ کی نذر کی خاطر، اور مُوافق ہر ایک اُمرائوں کے درجہ بہ درجہ اور رنڈیاں اُن کے لیے، اور سب بنڈوں کے تقسیم کرنے کی خاطر، اپنے ساتھ لے کر، بعد ایک ہفتے کے میں بُت کدے میں آیا اور اُس ماتا کے آگے بہ طریق بھینٹ کے رکھا۔

اُس نے ایک اور خلعتِ سرفرازی کی مجھے بخشی اور خطاب دیا۔ پھر بادشاہ کے دربار میں پیش کش گزرانی۔ اور جو ظلم و فساد شاہِ بندر نے ایجاد کیا تھا، اُس کے مَوقُوف کرنے کی خاطر عرض کی۔ اِس سبب سے بادشاہ اور امیر، سوداگر سب مجھ سے راضی ہوئے۔ بہت نوازش مجھ پر فرمائی اور خلعت اور گھوڑا دے کر، منصب جاگیر عنایت کیں اور آبرو حُرمت بخشی۔ جب بادشاہ کے حضور سے باہر آیا۔ شاگرد پیشوں کو اور اہل کاروں کو اتنا کچھ دے کر راضی کیا کہ سب میرا کلمہ پڑھنے لگے۔ غرض میں بہت مُرَفّہ الحال ہو گیا اور نہایت چین و آرام سے اُس مُلک میں ملکہ سے عَقد باندھ کر رہنے لگا اور خدا کی بندگی کرنے لگا میرے انصاف کے باعث رعیت پرجا سب خوش تھے۔ مہینے میں ایک بار بُت خانے میں اور بادشاہ کے حضور آتا جاتا۔ بادشاہ روز بروز سرفرازی فرماتا۔

آخر مُصاحبت میں مجھے داخل کیا۔ میری بے صلاح کوئی کام نہ کرتا۔ نہایت بے فکری سے زندگی گزرنے لگی۔ مگر خدا ہی جانتا ہے اکثر اندیشہ ان دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وے کہاں ہوں گے اور کس طرح ہوں گے! بعد مُدّت

دو برس کے، ایک قافلہ سوداگروں کا ملک زیر باد سے اُس بندر میں آیا۔ وے سب قصد عجم کا رکھتے تھے۔ انھوں نے یہ چاہا کہ دریا کی راہ سے اپنے مُلک کو جاویں۔ وہاں کا یہ قاعدہ تھا کہ جو کارواں آتا، اُس کا سردار سوغات و تحفہ ہر ایک مُلک کا میرے پاس لاتا اور نذر گزرانتا۔ دوسرے روز میں اُس کے مکان پر جاتا، دہ یکی بہ طریق محصول کے اُس کے مال سے لیتا اور رہ‌داگی کو چ کی دیتا۔ اسی طرح وہ سوداگر زیر باد کے بھی میری مُلاقات کو آئے اور بے بہا پیش کش لائے۔ دوسرے دن میں اُن کے خیمے میں گیا۔ دیکھا تو دو آدمی پھٹے پُرانے کپڑے پہنے، گٹھری بُقچے سر پر اُٹھا کر میرے رُو بہ رُو لاتے ہیں۔ بعد مُلاحظہ کرنے کے پھر اُٹھا لے جاتے ہیں اور بڑی محنت اور خدمت کر رہے ہیں۔

میں نے خوب سمجھا کر جو دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں۔ اُس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاہا کہ ان کو اِس طرح خدمت گاری میں دیکھوں۔ جب اپنے گھر کو چلا، آدمیوں کو کہا کہ اِن دونوں شخصوں کو لیے آؤ۔ جب ان کو لائے، پھر لباس و پوشاک بنوا دی اور اپنے پاس رکھا۔ ان بد ذاتوں نے پھر میرے مارنے کا منصوبہ کر کر، ایک روز آدھی رات میں سب کو غافل پا کر، چوٹّوں کی طرح میرے سرہانے آ پہنچے۔ میں نے اپنی جان کے ڈر سے چوکی داروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کُتّا وفادار میری چارپائی کی پٹّی تلے سوتا تھا۔ جوں انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں، پہلے کُتّے نے بھونک کر ان پر حملہ کیا۔ اُس کی آواز سے سب جاگ پڑے۔ میں بھی ہل بلا کر چونکا۔ آدمیوں نے اِن کو پکڑا۔ معلوم ہوا کہ آپ ہی ہیں۔ سب لعنتیاں دینے لگے کہ باوجود اِس خاطر داری کے یہ کیا حرکت اِن سے ظہور میں آئی۔

بادشاہ سلامت! اب تو میں بھی ڈرا۔ مَثَل مشہور ہے: ایک خطا، دو خطا، تیسری خطا مادر بہ خطا۔ دل میں یہی صلاح ٹھہری کہ اب ان کو مُقیّد کروں۔ لیکن اگر بندی خانے میں رکھوں تو ان کا کون خبر گیراں رہے گا؟ بھوکھ پیاس

سے مَر جائیں گے، یا کوئی اور سوانگ لائیں گے۔ اِس واسطے قفس میں رکھا ہے کہ ہمیشہ میری نظروں کے تلے رہیں تو میری خاطر جمع رہے۔ مبادا آنکھوں سے اُوجھل ہو کر کچھ اور مکر کریں اور اِس کُتّے کی عزّت اور حُرمت، اِس کی نمک حلالی اور وفاداری کے سبب ہے۔ سبحانَ اللہ! آدمی بے وفا، بدتر حیوان باوفا سے ہے۔ میری یہ سَرگذشت تھی جو حضور میں عرض کی، اب خواہ قتل فرمائیے یا جان بخشی کیجیے، حکم بادشاہ کا ہے۔

میں نے سُن کر، اُس جوانِ باایمان پر آفریں کی اور کہا کہ تیری مُروّت میں کچھ خلل نہیں اور اِن کی بے حیائی اور حرامزدگی میں ہرگز قصور نہیں۔ سچ ہے: کُتّے کی دُم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے۔ اُس کے بعد میں نے حقیقت اُن بارھوں لعل کی کہ اُس کُتّے کے پٹّے میں تھے، پوچھی۔ خواجہ بولا کہ بادشاہ کی صَد و بست سال کی عمر ہو۔ اُسی بندر میں جہاں میں حاکم تھا، بعد تین چار سال کے ایک روز بالاخانے پر محل کے (کہ بلند تھا) واسطے سیر اور تماشے دریا و صحرا کے میں بیٹھا تھا اور ہر طرف دیکھتا تھا۔ ناگاہ ایک طرف جنگل میں کہ وہاں شاہ راہ نہ تھی، دو آدمی کی تصویر سی نظر آئی کہ چلے جاتے ہیں۔ دوربین لے کر دیکھا تو عجب ہیئت کے انسان دکھائی دیے۔ چوب داروں کو اُن کے بُلانے کے واسطے دوڑایا۔

جب وے آئے، معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک مرد ہے۔ رنڈی کو محل سرا میں ملکہ کے پاس بھیج دیا اور مرد کو رُوبرو بلایا۔ دیکھا تو ایک جوان برس بیس بائیس کا، داڑھی مونچھ آغاز ہے۔ لیکن دھوپ کی گرمی سے اُس کے چہرے کا رنگ کالے تَوے کا سا ہو رہا ہے۔ اور سر کے بال اور ہاتھوں کے ناخون بڑھ کر بَن مانس کی صورت بن رہا ہے۔ اور ایک لڑکا برس تین چار ایک کا کاندھے پر۔ اور دو آستینیں کُرتے کی بھری ہوئی، ہیکل کی طرح گلے میں ڈالے۔ عجب صورت اور عجب وضع اُس کی دیکھی۔ میں نے نہایت حیران ہو کر پوچھا: اے عزیز! تو کون

ہے اور کس ملک کا باشندہ ہے اور یہ کیا تیری حالت ہے؟ وہ جوان بے اختیار رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے زمین پر رکھی اور بولا: اَلجُوع! اَلجُوع! واسطے خدا کے کچھ کھانے کو دو۔ مدت سے گھاس اور مَناس پتّیاں کھاتا چلا آتا ہوں، ایک ذرا قوت مجھ میں باقی نہیں رہی۔ وونہیں نان و کباب اور شراب میں نے منگوا دی۔ وہ کھانے لگا۔

اتنے میں خواجہ سرا محل سے کئی تھیلیاں اور اُس کے قبیلے کے پاس سے لے آیا۔ میں نے اُن سب کو کُھلوایا۔ ہر ایک قسم کے جواہر دیکھے کہ ایک ایک دانہ اُن کا خراج سلطنت کا کہا چاہیے۔ ایک سے ایک اَن مول، ڈول میں اور تول میں اور آب داری میں۔ اور اُن کی چھوٹ پڑنے سے سارا مکان بوقلموں ہو گیا۔ جب اُس نے ٹکڑا کھایا اور ایک جام دارو کا پیا اور دم لیا۔ حواس بجا ہوئے۔ تب میں نے پوچھا: بے بَتّھر تجھے کہاں ہاتھ لگے؟ جواب دیا کہ میرا وطن ولایت آذربائیجان ہے، لڑکپن میں گھر بار، ماباپ سے جُدا ہو کر سختیاں کھینچیں۔ اور ایک مدت تلک میں زندہ درگور تھا۔ اور کئی بار مَلکُ الموت کے پنجے سے بچا ہوں۔ میں نے کہا: اے مرد آدمی! مُفصّل کہہ تو معلوم ہو۔ تب وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا کہ میرا باپ سوداگر پیشہ تھا۔ ہمیشہ سفر ہندستان و روم و چین و خطا و فرنگ کا کرتا۔ جب میں دس برس کا ہوا، باپ ہندستان کو چلا۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کو ہوا۔ ہر چند والدہ نے اور خالا، ممانی، پھوپھی نے کہا کہ ابھی یہ لڑکا ہے، لائق سفر کے نہیں ہوا۔ والد نے نہ مانا اور کہا کہ میں بوڑھا ہوا، اگر یہ میرے رُو بہ رُو تربیت نہ ہوگا تو یہ حسرت گور میں لے جاؤں گا۔ مرد بچّہ ہے۔ اب نہ سیکھے گا تو کب سیکھے گا؟

یہ کہہ کر مجھے خواہ نخواہ ساتھ لیا اور روانہ ہوا۔ خیر و عافیت سے راہ کٹی۔ جب ہندستان میں پہنچے، کچھ جنس وہاں بیچی۔ اور وہاں کی سوغات لے کر زیرباد کے مُلک کو گئے۔ یہ بھی سفر بہ خوبی ہوا۔ وہاں سے بھی خرید فروخت کر کے،

جہاز پر سوار ہوئے کہ جلدی وطن میں پہنچیں۔ بعد ایک مہینے کے ایک روز آندھی اور طوفان آیا اور مینہ موسلا دھار برسنے لگا۔ سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہو گیا۔ اور پتوار جہاز کی ٹوٹ گئی۔ معلّم، ناخدا سر پیٹنے لگے۔ دس دن تلک ہوا اور موج، جیدھر جاتی تھی لیے جاتی تھی۔ گیارھویں روز ایک پہاڑ سے ٹکّر کھا کے جہاز پرزے پرزے ہو گیا۔ نہ معلوم ہوا کہ باپ اور نوکر چاکر اور اسباب کہاں گیا؟

میں نے اپنے تئیں ایک تختے پر دیکھا۔ سہ شبانہ روز وہ بڑا بے اختیار چلا گیا، چوتھے دن کنارے پر جا لگا۔ مجھ میں جان باقی تھی۔ اُس پر سے اُتر کر گھٹنیوں چل کر، بارے کسو نہ کسو طرح زمین پر پہنچا۔ دُور سے کھیت نظر آئے اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے، لیکن سب سیاہ فام اور ننگے مادر زاد مجھ سے کچھ بولے، لیکن میں نے اُن کی زبان مطلق نہ سمجھی۔ وہ کھیت چنوں کا تھا۔ وہ آدمی آگ کا اَلاؤ جلا کر، بُوٹوں کے ہُولے کرتے تھے اور کھاتے تھے۔ اور کئی ایک گھر بھی وہاں نظر آئے۔ شاید اُن کی خوراک یہی تھی اور وہیں بستے تھے۔ مجھے بھی اشارت کرنے لگے کہ تو بھی کھا۔ میں نے بھی ایک مٹھی اُکھاڑ کر بھونے اور پھانکنے لگا۔ تھوڑا سا پانی پی کر ایک گوشے میں سو رہا۔

بعد دیر کے جب جاگا، اُن میں سے ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا۔ میں نے تھوڑے سے چنے اُکھیڑ لیے اور اُس راہ پر چلا۔ ایک کفِ دست میدان تھا، گویا صحرائے قیامت کا نمونہ کہا چاہیے۔ یہی بُوٹ کھاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ بعد چار دن کے ایک قلعہ نظر آیا۔ جب پاس گیا تو ایک کوٹ دیکھا بہت بلند، تمام پتّھر کا۔ اور ہر ایک لنگ اُس کی دو دو کوس کی۔ اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہوا، ایک قفل بڑا سا جڑا تھا لیکن وہاں انسان کا نشان نظر نہ پڑا۔ وہاں سے آگے چلا۔ ایک ٹیلا دیکھا کہ اُس کی خاک سُرمے کے رنگ سیاہ تھی۔ جب اُس ٹل کے پار ہوا تو ایک شہر نظر پڑا بہت بڑا، گرد شہر پناہ اور جا بہ جا بُرج۔ ایک

طرف شہر کے دریا تھا بڑے پاٹ کا۔ جاتے جاتے دروازے پہ گیا اور بسم اللہ کہہ کر قدم اندر رکھا۔ ایک شخص کو دیکھا، پوشاک اہلِ فرنگ کی پہنے ہوئے کُرسی پر بیٹھا ہے۔ جوان نے مجھے اجنبی مُسافر دیکھا اور میرے مُنھ سے بسم اللہ سُنی، پُکارا کہ آگے آؤ۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا۔ تُرت میز پر پاوروٹی اور مسکہ اور مُرغ کا کباب اور شراب رکھ کر کہا: پیٹ بھر کر کھاؤ۔ میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا اور بے خبر ہو کر سویا۔ جب رات ہو گئی تب بولا کہ یہاں تو کیوں آیا؟ میں نے دِق ہو کر کہا: شاید تو دیوانہ ہے! میں نے بعد مُدّت کی محنت کے اب بستی کی صورت دیکھی ہے۔ خدا نے یہاں تلک پہنچایا، اور تو کہتا ہے کیوں آیا؟ کہنے لگا اب تو آرام کر، کل جو کہنا ہو گا کہوں گا۔

جب صبح ہوئی، بولا: کوٹھری میں پھاوڑا اور چھلنی اور توبڑا ہے، باہر لے آ۔ میں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر کیا محنت مجھ سے کروائے گا۔ لاچار وہ سب نکال کر اُس کے رُوبہ رُو لایا۔ تب اُس نے فرمایا کہ اُس ٹیلے پر جا اور ایک گز کے مُوافق گڑھا کھود۔ وہاں سے جو کچھ نکلے، اِس چھلنی میں چھان۔ جو نہ چھن سکے، اِس توبڑے میں بھر کر میرے پاس لا۔ میں وہ سب چیزیں لے کر وہاں گیا اور اُتنا ہی کھود کر، چھان چھون کر، توبڑے میں ڈالا۔ دیکھا تو سب جواہر رنگ بہ رنگ کے تھے۔ اُن کی جوت سے آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اُسی طرح تھیلے کو مونہا مُنہ بھر کر اُس عزیز کے پاس لے گیا۔ دیکھ کر بولا کہ جو اِس میں بھرا ہے، تو لے اور یہاں سے جا۔ کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ صاحب نے اپنی جانب میں بڑی مہربانگی کی کہ اِتنا کچھ کنکر پتّھر دیا، لیکن میرے کس کام کا؟ جب بھوکھا ہوں گا، تو نہ ان کو چبا سکوں گا، نہ پیٹ بھرے گا۔ پس اگر اور بھی دو، تو میرے کس کام آئیں گے؟ وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ مجکو تجھ پر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہماری مانند مُلکِ عجم کا مُتوطّن ہے۔ اس لیے میں منع کرتا ہوں۔ نہیں تو جان۔ اگر خواہ مخواہ تیرا یہی قصد ہے کہ شہر میں جاؤں، تو میری

انگوٹھی لیتا جا۔ جب بازار کے چوک میں جاوے، تو ایک شخص سفید ریش وہاں بیٹھا ہوگا۔ اور اُس کی صورت شکل مجھ سے بہت مشابہ ہے، میرا بڑا بھائی ہے۔ اُس کو یہ چھاپ دیجو، تو وہ تیری خبرگیری کرے گا۔ اور جو کچھ وہ کہے، اُسی موافق کام کیجو۔ نہیں تو مفت مارا جائے گا اور میرا حکم یہاں تلک ہے، شہر میں میرا دخل نہیں۔ میں نے وہ خاتم اُس سے لی اور سلام کر کر رخصت ہوا۔ شہر میں گیا۔ بہت خاصا شہر دیکھا۔ کوچہ و بازار صاف، اور زن و مرد بے حجاب آپس میں خرید فروخت کرتے۔ سب خوش لباس۔ میں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا جب چوک کے چوراہے میں پہنچا، ایسا اِزدِحام تھا کہ تھالی پھینکیے تو آدمیوں کے سر پر چلی جائے۔ خلقت کا یہ ٹھٹ بندھ رہا تھا کہ آدمی کو راہ چلنا مشکل تھا جب کچھ بھیڑ چھٹی، میں بھی دھکم دھکا کرتا ہوا آگے گیا۔ بارے اُس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ہے اور ایک جڑاؤ چُماق رُوبرُو دھرا ہے۔ میں نے جا کر سلام کیا اور وہ مُہر دی۔ نظرِ غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا: کیوں تو یہاں آیا اور اپنے تئیں بلا میں ڈالا؟ مگر میرے بے وقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا؟

میں نے کہا: اُنھوں نے تو کہا، لیکن میں نے نہ مانا اور تمام کیفیت اپنی اِبتدا سے اِنتہا تک کہہ سنائی۔ وہ شخص اُٹھا اور مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چلا۔ اُس کا مکان پادشاہوں کا سا دیکھنے میں آیا اور بہت سے نوکر چاکر اُس کے تھے۔ جب خلوت میں جا کر بیٹھا، بہ ملائمت بولا کہ اے فرزند! یہ کیا تو نے حماقت کی کہ اپنے پاؤں سے گور میں آیا؟ کوئی بھی اِس کم بخت طلسماتی شہر میں آتا ہے؟ میں نے اپنا: میں اپنا احوال بیشتر کہہ چکا ہوں، اب تو قسمت لے آئی۔ لیکن شفقت فرما کر یہاں کی رسم و راہ سے مُطّلع کیجیے، تو معلوم کروں کہ اِس واسطے تم نے اور تمھارے بھائی نے مجھے منع کیا۔ تب وہ جواں مرد بولا کہ پادشاہ اور تمام رئیس اِس شہر کے راندے ہوئے ہیں۔ عجب طرح کا اُن کا رَوِیّہ اور مذہب ہے۔ یہاں بُت خانے میں ایک بُت ہے کہ شیطان اُس کے پیٹ میں سے نام اور ذات اور

دین ہر کسو کا بیان کرتا ہے۔ پس جو کوئی غریب مسافر آتا ہے، بادشاہ کو خبر ہوتی ہے، اُسے مَنڈَپ میں لے جاتا ہے اور بُت کو سجدہ کرواتا ہے۔ اگر ڈنڈوت کی تو بہتر نہیں تو بچارے کو دریا میں ڈبوا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے کہ دریا سے نکل کر بھاگے، تو آلت اور خصیے اُس کے لمبے ہو جاتے ہیں ایسے کہ زمین میں گھسٹتے ہیں۔ البتہ کچھ طِلسم اِس شہر میں بنایا ہے۔ مجھ کو تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔ مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں کہ بھلا کوئی دن تو تو جیتا رہے اور اِس عذاب سے بچے۔

میں نے پوچھا: وہ کیا صورت تجویز کی ہے؟ ارشاد ہو۔ کہنے لگا: تجھے کتخدا کروں اور وزیر کی لڑکی تیری خاطر بیاہ لاؤں۔ میں نے جواب دیا کہ وزیر اپنی بیٹی مجھ سے مفلس کو کب دے گا؟ مگر جب اُن کا دین قبول کروں؟ سو یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ کہنے لگا: اِس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اِس بُت کو سجدہ کرے، اگر فقیر ہو اور بادشاہ کی بیٹی مانگے تو اُس کی خوشی کی خاطر حوالے کریں اور اُسے رنجیدہ نہ کریں۔ اور میرا بھی بادشاہ کے نزدیک اعتبار ہے اور عزیز رکھتا ہے، لہٰذا سب ارکان اور اکابر یہاں کے میری قدر کرتے ہیں۔ اور درمیان ایک ہفتے کے دو دن بُت کدے میں زیارت کو جاتے ہیں اور عبادت بجا لاتے ہیں۔ چناں چہ کل سب جمع ہوویں گے، میں تجھے لے جاؤں گا۔

یہ کہہ کر، کِھلا پِلا کر، سُلا رکھا۔ جب صبح ہوئی مجھے ساتھ لے کر بُت خانے کی طرف چلا۔ وہاں جا کر جو دیکھا تو آدمی آتے جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں۔ بادشاہ اور امیر بُت کے سامھنے پنڈتوں کے پاس سر ننگے کیے ادب سے دو زانو بیٹھے تھے۔ اور ناکتخدا لڑکیاں اور لڑکے خوب صورت، جیسے حور و غلمان، چاروں طرف صف باندھے کھڑے تھے۔ تب وہ عزیز مجھ سے مخاطب ہوا کہ اب میں جو کہوں، سو کر۔ میں نے قبول کیا کہ جو فرماؤ، سو بجا لاؤں۔ بولا کہ پہلے بادشاہ کے ہاتھ پانو کو بوسہ دے، بعد اُس کے وزیر کا دامن پکڑ۔ میں نے ویسا ہی کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے؟ اُس مرد نے کہا: یہ جوان

میرے رشتے میں ہے، پادشاہ کی قدم بوسی کی آرزو میں دُور سے آیا ہے، اِس توقع پر کہ وزیر اِس کو اپنی غلامی میں سَر بلند کرے، اگر حکم بُتِ کلاں کا اور مرضی حضور کی ہووے۔ پادشاہ نے پوچھا کہ ہمارا مذہب اور دین و آئین قبول کرے گا تو مُبارک ہے۔ وہ نہیں بُت خانے کا نقار خانہ بجنے لگا۔ اور بھاری خلعت مجھے پہنائی۔ اور ایک رسّی سیاہ میرے گلے میں ڈال کر، کھینچے ہوئے، بُت کے سِنگھاسن کے آگے لے جا کر، سجدہ کروا کر کھڑا کیا۔

بُت سے آواز نکلی کہ اے خواجہ زادے! خوب ہوا کہ تو ہماری بندگی میں آیا، اب ہماری رحمت اور عنایت کا اُمّید وار رہ۔ یہ سُن کر، سب خلقت نے سجدہ کیا اور زمین پر لوٹنے لگے اور پکارے: دَھن ہے، کیوں نہ ہو، تم ایسے ہی ٹھاکر ہو۔ جب شام ہوئی، پادشاہ اور وزیر سوار ہو کر، وزیر کے محل میں داخل ہوئے۔ اور وزیر کی بیٹی کو اپنے طور کی ریت رسم کر کے میرے حوالے کیا۔ اور بہت سا دان دہیز دیا۔ اور بہت منّت وار ہوئے کہ بہ موجب حکم بڑے بُت کے اِسے تمھاری خدمت میں دیا ہے۔ ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا۔ اُس نازنین کو جو میں نے دیکھا تو فی الواقع اُس کا عالَم پری کا سا تھا۔ نکھ سِکھ سے دُرست۔ جو جو خوبیاں پدمنی کی سُنی جاتی ہیں، سو سب اُس میں موجود تھیں۔ بہ فراغت تمام میں نے صُحبت کی اور حظ اُٹھایا۔ صبح کو غسل کر کے، بادشاہ کے مُجرے میں حاضر ہوا۔ پادشاہ نے خلعت دامادی کی عنایت کی۔ اور حکم فرمایا کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہا کرے۔ آخر کو بعد چند روز کے پادشاہ کی مُصاحبت میں داخل ہوا۔

پادشاہ میری صُحبت سے نہایت محظوظ ہوتے اور اکثر خلعت اور انعام عنایت کرتے، اگرچہ دُنیا کے مال سے میں غنی تھا، اِس واسطے کہ میرے قبیلے کے پاس اِتنا نقد و جنس اور جواہر تھا کہ جس کی حدّ و نہایت نہ تھی۔ دو سال تک بہت عیش و آرام سے گزری۔ اتفاقاً وزیر زادی کو پیٹ رہا۔ جب ستوانسا ہوا تو

اور اُن گنا مہینا گزر کر پورے دن ہوئے، پیریں لگیں۔ دائی جنائی آئی تو مُوا لڑکا پیٹ میں سے نکلا۔ اُس کا بس بچّا کو چڑھا۔ وہ بھی مر گئی۔ میں مارے غم کے دیوانہ ہو گیا کہ یہ کیا آفت ٹوٹی! اُس کے سرہانے بیٹھا روتا تھا۔ ایک بارگی رونے کی آواز سارے محل میں بلند ہوئی اور چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں۔ جو آتی تھی، ایک دو ہتڑ میرے سر پر مارتی اور اپنی کُس اور کُون کو ننگا کر کے، میرے مُنہ کے مُقابل کھڑی رہتی۔ اور رونا شروع کرتی۔ اتنی رنڈیاں اکٹھی ہوئیں کہ میں اُن کے چوتڑوں میں چھُپ گیا۔ نزدیک تھا کہ جان نکل جاوے۔ اتنے میں کسو نے پیچھے سے گریبان میرا کھینچ کر گھسیٹا۔ دیکھوں تو وہی مردِ عجمی ہے، جس نے مجھے بیاہا تھا۔ کہنے لگا کہ احمق! تو کس لیے روتا ہے؟ میں نے کہا: اے ظالم! یہ تو نے کیا بات کہی؟ میری بادشاہت لُٹ گئی، آرام خانہ داری کا گیا گزرا، تو کہتا ہے کیوں غم کرتا ہے! وہ عزیز تبسّم کر کے بولا کہ اب اپنی موت کی خاطر رُو۔ میں نے پہلے ہی تجھے کہا تھا کہ شاید اس شہر میں تیری اجل لے آئی ہے، سو ہی ہوا۔ اب سوائے مرنے کے تیری رہائی نہیں۔ آخر لوگ مجھے پکڑ کر بُت خانے میں لے گئے۔ دیکھا تو بادشاہ اور اُمرا اور چھتیس فرقہ رعیّت پرجا وہاں جمع ہیں۔ اور وزیرزادی کا مال اموال سب دھرا ہے۔ جو چیز جس کا جی چاہتا ہے، لیتا ہے اور اُس کی قیمت کے روپے دھر دیتا ہے۔

غرض سب اسباب کے نقد روپے ہوئے۔ اُن روپوں کا جواہر خریدا گیا اور ایک صندوقچے میں بند کیا۔ اور ایک دوسرے صندوق میں نان، حلوا اور گوشت کے کباب اور میوہ خشک و تر اور کھانے کی چیزیں لے کر بھریں۔ اور لاش اُس بی بی کی صندوق میں رکھ کر، صندوق آزقے کا ایک اونٹ پر لدوا دیا۔ اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواہر کا میری بغل میں دیا اور سارے برہمن آگے آگے بھجن کرتے سنکھ بجاتے چلے۔ اور پیچھے ایک خلقت مُبارک بادی کہتی ہوئی ساتھ ہو لی۔ اس طور سے اُسی دروازے سے کہ میں پہلے روز آیا تھا، شہر کے

باہر نکلا۔ جونہیں داروغہ کی نگاہ مجھ پر پڑی، رونے لگا اور بولا کہ اے کم بخت اُجل گرفتہ! میری بات نہ سُنی اور اِس شہر میں جا کر مُفت اپنی جان دی۔ میری تقصیر نہیں، میں نے منع کیا تھا۔ اُن نے یہ بات کہی، لیکن میں تو ہکّا بکّا ہو رہا تھا، نہ زبان یاری دیتی تھی کہ جواب دوں، نہ اوسان بجا تھے کہ دیکھیے انجام میرا کیا ہوتا ہے؟

آخر اُسی قلعے کے پاس، جس کا میں نے پہلے روز دروازہ بند دیکھا تھا، لے گئے اور بہت سے آدمیوں نے مل کر قفل کو کھولا اور تابوت اور صندوق کو اندر لے چلے۔ ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا کہ مانُس ایک دن جنم پاتا ہے اور ایک روز ناس ہوتا ہے۔ دُنیا کا یہی آواگون ہے۔ اب یہ تیری استری اور پُوت اور دھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ہے، اِس کو لے اور یہاں رہ۔ جب تلک بڑا بُت تجھ پر مہربان ہووے۔ میں نے غُصّے میں چاہا کہ اُس بُت پر اور وہاں کے رہنے والوں پر اور اُس ریت رسم پر لعنت کہوں اور اُس باہمن کو ڈھول جھکڑ کروں۔ وہی مردِ عجمی اپنی زبان میں مانع ہوا کہ خبردار! ہرگز دم مت مار۔ اگر کچھ بھی بولا تو اِسی وقت تجھے جلا دیں گے۔ خیر جو تیری قسمت میں تھا سو ہوا، اب خدا کے کرم سے اُمّیدوار رہ، شاید اللہ تجھے یہاں سے جیتا نکالے۔

آخر سب مجھے تن تنہا چھوڑ کر اُس حِصار سے باہر نکلے اور دروازہ پھر مُقفّل کر دیا۔ اُس وقت میں اپنی تنہائی اور بے کسی پر بے اختیار رویا۔ اور اُس عورت کی لوتھ پر لاتیں مارنے لگا کہ اے مُردار! اگر تجھے اتنے ہی مر جانا تھا، بیاہ کاہے کو کیا تھا اور پیٹ سے کیوں ہوئی تھی؟ مار موڑ کر پھر چُپکا بیٹھا۔ اِس میں دن چڑھا اور دُھوپ گرم ہوئی۔ سر کا بھیجا پکنے لگا اور تعفّن کے مارے روح نکلنے لگی۔ جیدھر دیکھتا ہوں، مُردوں کی ہڈیاں اور صندوق جواہر کے ڈھیر لگے ہیں۔ تب کئی صندوق پُرانے لے کر نیچے اوپر رکھے کہ دن کو

دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ ہو۔ آپ پانی کی تلاش کرنے لگا۔ ایک طرف جھرنا سا دیکھا کہ قلعے کی دیوار میں پتھر کا تراشا ہوا گھڑے کے منہ کے موافق ہے۔ بارے کئی دن اُس پانی اور کھانے سے زندگی ہوئی۔

آخر آذوقہ تمام ہوا۔ میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ دروازہ گوٹ کا کھلا اور ایک مُردے کو لائے۔ اُس کے ساتھ ایک پیر مرد آیا۔ جب اُسے بھی چھوڑ کر گئے، یہ دل میں آیا کہ اس بوڑھے کو مار کر اس کے کھانے کا صندوق سب کا سب لے۔ ایک صندوق کا پایا ہاتھ میں لے کر اُس کے پاس گیا۔ وہ بچارا سرِ زانو پر دھرے حیران بیٹھا تھا۔ میں نے پیچھے سے آکر اُس کے سر میں ایسا مارا کہ سر پھٹ کر مغز کا گودا نکل پڑا اور فی الفور جاں بحق تسلیم ہوا۔ اُس کا آذوقہ لے کر میں کھانے لگا۔ مدت تلک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مُردے کے ساتھ آتا اُسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لے کر بہ فراغت کھاتا۔

بعد کتنی مُدت کے ایک مرتبہ ایک لڑکی تابوت کے ہمراہ آئی۔ نہایت قبول صورت؛ میرے دل نے نہ چاہا کہ اُسے بھی ماروں۔ اُن نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بے ہوش ہوگئی۔ میں اُس کا آذوقہ اُٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔ لیکن اکیلا نہ کھاتا، جب بھوکھ لگتی، کھانا اُس کے نزدیک لے جاتا اور ساتھ مِل کر کھاتا۔ جب اُس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا، دن بہ دن اُس کی وحشت کم ہوئی اور رام ہوتی چلی۔ میرے مکان میں آنے جانے لگی۔ ایک روز اُس کا احوال پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ کے وکیل مطلق کی بیٹی ہوں۔ اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی۔ شبِ عروسی کے دن اُسے قولنج ہوا، ایسا درد سے تڑپھنے لگا کہ ایک آن کی آن میں مر گیا۔ مجھے اُس کے تابوت کے ساتھ لا کر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ تب اُس نے میرا احوال پوچھا۔ میں نے بھی تمام و کمال بیان کیا اور کہا: خدا نے تجھے میری خاطر یہاں بھیجا ہے۔ وہ مُسکرا کر چپکی ہو رہی۔

اسی طرح کئی دن میں آپس میں محبّت زیادہ ہو گئی۔ میں نے اُسے ارکان مسلمانی کے سکھا کر کلمہ پڑھایا۔ اور مُتعہ کر کر، صُحبت کی۔ وہ بھی حاملہ ہوئی۔ ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قریب تین برس کے اسی صورت سے گُزری۔ جب لڑکے کا دودھ بڑھایا، ایک روز بی بی سے کہا کہ یہاں کب تلک رہیں گے اور کس طرح یہاں سے نکلیں گے؟ وہ بولی: خدا نکالے تو نکلیں، نہیں تو ایک روز یوں ہیں مر جائیں گے۔ مجھے اُس کے کہنے پر اور اپنے رہنے پر کمال رِقّت آئی، روتے روتے سو گیا۔ ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے: پرنالے کی راہ سے نکلنا ہے تو نکل۔ میں مارے خوشی کے چونک پڑا اور جورُو کو کہا کہ لوہے کی میخیں اور سیخیں جو پرانے صندوقوں میں ہیں، جمع کر کے لے آؤ تو اس کو گُشادہ کروں۔ غرض میں اُس مُوری کے مُنہ پر میخ رکھ کر پتھروں سے ایسا ٹھونکتا کہ تھک جاتا۔ ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ اتنا بڑا ہوا کہ آدمی نکل سکے۔

بعد اُس کے مُردوں کی آستینوں میں اچھّے اچھّے جواہر چن کر بھرے۔ اور ساتھ لے کر، اسی راہ سے ہم تینوں باہر نکلے۔ خدا کا شُکر کیا اور بیٹے کو کاندھے پر بٹھا لیا۔ ایک مہینا ہوا ہے کہ سیدھی راہ چھوڑ کر، مارے ڈر کے جنگل پہاڑوں کی راہ سے چلا آتا ہوں۔ جب گُرسنگی ہوتی ہے، گھاس پات کھاتا ہوں، قوّت بات کہنے کی مجھ میں نہیں۔ یہ میری حقیقت ہے جو تم نے سُنی۔ بادشاہ سلامت! میں نے اُس کی حالت پر ترس کھایا اور حمّام کروا کر اچّھا لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا۔ اور میرے گھر میں ملکہ سے کئی لڑکے پیدا ہوئے، لیکن خُوردسالی میں مر مر گئے۔ ایک بیٹا پانچ برس کا ہو کر مرا، اُس کے غم میں ملکہ نے بھی وفات پائی۔ مجھے کمال غم ہوا اور وہ مُلک بغیر اُس کے کاٹنے لگا۔ دِل اُداس ہو گیا۔ ارادہ عجم کا کیا۔ بادشاہ سے عرض کر کر، خدمت شاہ بندری کی اُس جوان کو دلوا دی۔ اس عرصے میں بادشاہ بھی مر گیا۔ میں اِس وفادار کُتّے کو اور سب مال، خزانہ جواہر ساتھ لے کر نیشاپور میں آ رہا۔ اِس واسطے کہ میرے بھائیوں کے احوال سے

کوئی واقف نہ ہووے۔ میں خواجۂ سگ پرست مشہور ہوا۔ اور اِس بدنامی میں دُگنا محصول آج تک بادشاہِ ایران کی سرکار میں بھرتا ہوں۔

اِتّفاقاً یہ سوداگر بچہ وہاں گیا، اُس کے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا۔ میں نے پوچھا: کیا یہ تمھارا فرزند نہیں؟ خواجہ نے جواب دیا: قبلۂ عالم! یہ میرا بیٹا نہیں، آپ ہی کی رعیّت ہے۔ لیکن اب میرا مالک اور وارث جو کچھ کہیے، سو یہی ہے۔ یہ سُن کر سوداگر بچے سے میں نے پوچھا کہ تو کس تاجر کا لڑکا ہے اور تیرے ماباپ کہاں رہتے ہیں؟ اُس لڑکے نے زمین چومی اور جان کی امان مانگی اور بولی کہ یہ لونڈی، سرکار کے وزیر کی بیٹی ہے۔ میرا باپ حضور کے عِتاب میں اِسی خواجہ کے لعلوں کے پڑا، اور حکم یوں ہوا کہ اگر ایک سال تک اُس کی بات کی رُسی نشیں نہ ہوگی، تو جان سے مارا جاوے گا۔ میں نے سُن کر یہ بھیس بنایا اور اپنے تئیں نیشاپور پہنچایا۔ خدا نے خواجہ کو بہ مع کُتّے اور لعلوں کے حضور میں حاضر کر دیا۔ آپ نے تمام احوال سُن لیا۔ اُمیدوار ہوں کہ میرے بوڑھے باپ کی مخلصی ہو۔

یہ بیان وزیرزادی سے سُن کر، خواجہ نے ایک آہ کی اور بے اختیار گر پڑا۔ جب گلاب اُس پر چھڑکا گیا، تب ہوش میں آیا اور بولا کہ ہائے کم بختی! اِتنی دور سے یہ رنج و محنت کھینچ کر، میں اِس توقّع پر آیا تھا کہ اِس سوداگر بچے کو متبنّیٰ کر کر اپنا فرزند کروں گا، اور اپنے مال متاع کا اِس کو ہبّہ نامہ لکھ دوں گا، تو میرا نام رہے گا اور سارا عالم اِسے خواجہ زادہ کہے گا۔ سو میرا خیال خام ہوا، اور بالعکس کام ہوا۔ اِن نے عورت ہو کر مجھ مرد پیر کو خراب کیا۔ میں رنڈی کے چرِتر میں پڑا۔ اب میری وہ کہاوت ہوئی: گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے، مُونڈ مُنڈا فضیحت بھئے۔

اَلقصّہ مجھے اُس کی بے قراری اور نالہ و زاری پر رحم آیا۔ خواجہ کو نزدیک بُلایا اور کان میں مژدہ اُس کے وصل کا سُنایا کہ غمگین مت ہو، اُسی سے تیری شادی کر دیں گے۔ خدا چاہے تو اولاد تیری ہوگی اور یہی تیری مالک ہوگی۔ اِس خوش خبری کے سُننے سے فی الجملہ اُس کو تسلّی ہوئی۔ تب میں نے کہا کہ وزیرزادی کو محل میں

نے جاؤ۔ اور وزیر کو بندی خانے سے لے آؤ، اور حمّام میں نہلاؤ۔ اور خِلعتِ سَرفرازی کی پہناؤ، اور جلدی میرے پاس لاؤ۔ جس وقت وزیر آیا، لبِ فرش تک اُس کا اِستقبال فرمایا۔ اور اپنا بُزرگ جان کر گلے لگایا، اور نئے سر سے قلمدانِ وزارت کا عنایت فرمایا۔ اور خواجہ کو بھی جاگیر و مَنصب دیا۔ اور ساعتِ سعید دیکھ کر، وزیرزادی سے نکاح پڑھوا کر منسوب کیا۔

کئی سال میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اُس کے گھر میں پیدا ہوئے۔ چناں چہ بڑا بیٹا مَلِکُ التُّجار رہے، اور چھوٹا ہماری سرکار کا مُختار ہے۔ اے درویشو! میں نے اِس لیے یہ نقل تمھارے سامھنے کی کہ کل کی رات دو فقیروں کی سَرگزشت میں نے سُنی تھی۔ اب تم دونوں بھی جو باقی رہے ہو، یہ سمجھو کہ ہم اُسی مکان میں بیٹھے ہیں اور مجھے اپنا خادِم اور اِس گھر کو اپنا تکیہ جانو۔ بے وَسواس اپنی اپنی سَیر کا اَحوال کہو، اور چندے میرے پاس رہو۔ جب فقیروں نے بادشاہ کی طرف سے بہت خاطرداری دیکھی، کہنے لگے: خَیر، جب تم نے گداؤں سے اُلفت کی تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں۔ سُنیے:

سیر تیسرے درویش کی

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا اور اپنی سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا۔

اَحوال اِس فقیر کا اے دوستاں سُنو!
یعنی جو مجھ پہ بیتی ہے وہ داستاں سُنو!
جو کچھ کہ شاہِ عشق نے مجھ سے کیا سُلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اُس کا بیاں سُنو!

کہ یہ کم ترین، پادشاہ زادہ عجم کا ہے۔ میرے ولی نعمت وہاں کے پادشاہ تھے اور سوائے میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے۔ میں جوانی کے عالم میں مُصاحبوں کے ساتھ چوپڑ، گنجیفہ، شطرنج، تختہ نرد کھیلا کرتا۔ یا سوار ہو کر سَیر و شکار میں مشغول رہتا۔ ایک دن کا یہ ماجرا ہے کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لے کر میدان کی طرف نکلا۔ باز، بَہری، جُرّہ، باشا، سُرخاب اور تیتروں پر اُڑاتا ہوا دور نکل گیا۔ عجب طرح کا ایک قطعۂ بہار کا نظر آیا کہ جدھر نگاہ جاتی تھی، کوسوں تلک سبزا اور پھولوں سے لال زمین نظر آتی تھی۔ یہ سماں دیکھ کر، گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں۔ اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ ناگاہ اُس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن، اُس پر زربفت کی جھول، اور جھنور کلی مُرصّع کی، اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں

پڑے، خاطر جمع سے اُس میدان میں کہ جہاں انسان کا دخل نہیں اور پرندہ پَر نہیں مارتا، چرتا پھرتا ہے۔ ہمارے گھوڑوں کے سُم کی آہٹ پا کر چوکنّا ہوا، اور سر اُٹھا کر دیکھا، اور آہستہ آہستہ چلا۔

مجھے اُس کے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ تم یہیں کھڑے رہو، میں اُسے جیتا پکڑوں گا۔ خبردار، تم قدم آگے نہ بڑھائیو اور میرے پیچھے نہ آئیو۔ اور گھوڑا میری رانوں تلے ایسا پرّند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر اُن کی کرچھالوں کو بُھلا کر، ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لیے تھے۔ اُس کے عقب دوڑایا، وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہوا ہوا۔ گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا۔ لیکن اُس کی گرد کو نہ پہنچا۔ وہ رَاہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا، اور میری بھی جیب مارے پیاس کے چٹخنے لگی، پر کچھ بس نہ چلا۔ شام ہونے لگی اور میں کیا جانوں کہ کہاں سے کہاں نکل آیا؟ لاچار ہو کر اُسے بُھلاوا دیا۔ اور ترکش میں سے تیر نکال کر، اور قربان سے کمان سنبھال کر، چلّے میں جوڑ کر، کشش کان تک لاکر ران کو اُس کی تاک، اللہ اکبر کہہ کر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اُس کے پانو میں ترازو ہوا، تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور پاپیادہ اُس کے پیچھے چلا۔ اُس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ کئی اُتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا۔ جب پاس پہنچا، ایک باغیچہ اور ایک چشمہ دیکھا۔ وہ ہرن تو نظر دل سے چھلاوا ہو گیا۔ میں نہایت تھکا تھا، ہاتھ پانو دھونے لگا۔

ایک بارگی آواز رونے کی اُس بُرج کے اندر سے میرے کان میں آئی، جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے بچّے! جس نے تجھے تیر مارا، میری آنکھ کا تیر اُس کے کلیجے میں لگیو، وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے، اور خدا اُس کو میرا سا دُکھیا بناوے۔ میں یہ سُن کر وہاں گیا۔ دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید، اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے اور ہرن آگے لیٹا ہے؛ اُس کی جانگ سے تیر کھینچتا ہے

اور بدُعا دیتا ہے۔ میں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت سلامت! یہ تقصیر نادانستہ اِس غُلام سے ہوئی، میں یہ نہ جانتا تھا، خدا کے واسطے مُعاف کرو۔ بولا کہ بے زُبان کو تو نے ستایا ہے، اگر اَن جان یہ حرکت تجھ سے ہوئی، اللہ مُعاف کرے گا۔ میں پاس بیٹھا اور تیر نکالنے میں شریک ہوا۔ بڑی دِقت سے تیر کو نکالا، اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا۔ پھر ہاتھ دھو دھا کر اُس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اُس وقت موجود تھی، مجھے کِھلائی۔ میں نے کھا پی کر، ایک چارپائی پر لمبی تانی۔

ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا۔ اُس نیند میں آواز نوحہ وزاری کی کان میں آئی۔ آنکھیں مَل کر جو دیکھتا ہوں تو اُس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے۔ اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے۔ چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا۔ ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا، وہاں جا کر اُسے اُٹھایا۔ دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اس پر ایک پری زاد عورت، برس چودہ ایک کی، مہتاب کی سی صورت، اور زُلفیں دونوں طرف چھوٹی ہوئی، ہنستا چہرہ فرنگی لباس پہنے ہوئے، عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے اور وہ بُزرگ اپنا سِر اُس کے پانو پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے، اور ہوش وحواس کھو رہا ہے۔ میں اُس پیر مرد کا یہ احوال اور اُس نازنین کا حسن وجمال دیکھ کر مُرجھا گیا، اور مُردے کی طرح بے جان ہو کر گر پڑا۔ وہ مردِ بُزرگ میرا یہ احوال دیکھ کر، شیشہ گُلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا۔ جب میں چنگا اُٹھ کر، اُس معشوق کے مُقابل جا کر سلام کیا؛ اُس نے ہرگز نہ ہاتھ اُٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا۔ میں نے کہا: اے گُل بدن! اِتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا، کس مذہب میں دُرست ہے؟ ؎

کم بولنا، ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا\
مُند جائے چشمِ عاشق، تو بھی وہ مُنہ نہ کھولے

واسطے اُس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے، کچھ تو مُنہ سے بول۔ ہم بھی اِتفاقاً یہاں آ نکلے ہیں، مہمان کی خاطر ضرور ہے۔ میں نے بہتیری باتیں بنائیں، لیکن کچھ کام نہ آئیں۔ وہ چُپکی بُت کی طرح بیٹھی سُنا کی۔ تب میں نے بھی آگے بڑھ کر، ہاتھ پاؤں پر چلایا۔ جب پاؤں کو چھیڑا تو سخت معلوم ہوا۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتّھر سے اس لعل کو تراشا ہے، اور آزر نے اس بُت کو بنایا ہے۔ تب اُس پیر مرد بُت پرست سے پوچھا کہ میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں تیر مارا، تو نے اس عشق کے ناوک سے میرا کلیجا چھید کر وار پار کیا۔ تیری دُعا قبول ہوئی۔ اب اس کی کیفیتِ مُفصّل بیان کر کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے، اور تو نے بستی کو چھوڑ کر، جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے؟ تجھ پر جو کچھ بِیتا ہے، مجھ سے کہہ۔

جب اُس کا بہت پیچھا لیا، تب اُس نے جواب دیا کہ اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سُن کر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: لو اب بہت مکر چکر کیا، مطلب کی بات کہو، نہیں تو مار ڈالوں گا۔ مجھے نہایت درپے دیکھ کر بولا: اے جوان! حق تعالیٰ ہر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے۔ دیکھ تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہیں! عشق ہی کے مارے عورت، خاوند کے ساتھ سَتی ہوتی ہے، اور اپنی جان کھوتی ہے۔ اور فرہاد و مجنوں کا قصّہ سب کو معلوم ہے۔ تو اس کے سُننے سے کیا پھل پاوے گا؟ ناحق گھر بار، دولتِ دُنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جاوے گا۔ میں نے جواب دیا: بس اپنی دوستی تہ کر رکھو، اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو۔ اگر جان عزیز ہے، تو صاف کہو۔ لاچار ہو کر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا کہ مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے کہ بندے کا نام نُعمان سیّاح ہے۔ میں بڑا سوداگر تھا۔ اس سن میں تجارت کے سبب ہفت اقلیم کی سیر کی اور سب بادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی۔

ایک بار یہ خیال جی میں آیا کہ چاروں دانگ مُلک تو پھرا، لیکن جزیرۂ فرنگ کی طرف نہ گیا، اور وہاں کے بادشاہ کو اور رعیّت و سپاہ کو نہ دیکھا اور

رسم و راہ وہاں کی کچھ دریافت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیے۔ رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لے کر، ارادہ مُصمّم کیا۔ اور تحفہ، ہدایا جہاں تہاں کا جو وہاں کے لائق تھا، لیا۔ اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر، جہاز پر سوار ہو کر، روانہ ہوا۔ ہوا جو مُوافق پائی، کئی مہینوں میں اُس مُلک میں جا داخل ہوا۔ شہر میں ڈیرا کیا۔ عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا۔ ہر ایک بازار و کوچے میں پُختہ سڑکیں بنی ہوئی، اور چھڑکاو کیا ہوا۔ صفائی ایسی کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا، کُوڑے کا تو کیا ذکر ہے۔ اور عمارتیں رنگ بہ رنگ کی۔ اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بہ قدم روشنی۔ اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گُل بوٹے اور میوے نظر آئے، کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہوں گے۔ جو وہاں کی تعریف کروں، سو بجا ہے۔

غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا۔ ایک خواجہ سرا مُعتبر، سوار ہو کر اور کئی خدمت گار ساتھ لے کر قافلے میں آیا، اور بیوپاریوں سے پوچھا کہ تمھارا سردار کون سا ہے؟ سبھوں نے میری طرف اشارت کی۔ وہ مَحلّی میرے مکان میں آیا۔ میں تعظیم بجا لایا۔ باہم سلامٌ عَلیک ہوئی۔ اُس کو سوزنی پر بٹھایا، تکیے کی تواضع کی۔ بعد اس کے میں نے پوچھا کہ صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے۔ جواب دیا کہ شہزادی نے سُنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں اور بہت جنس لائے ہیں، لہٰذا مجھ کو حکم کیا کہ جا کر اُن کو حضور میں لے آؤ۔ پس تم جو کچھ اسباب لائق پادشاہوں کی سرکار کے ہو، ساتھ لے کر چلو۔ اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو۔

میں نے جواب دیا کہ آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں، کل جان و مال سے حاضر ہوں۔ جو کچھ اس عاجز کے پاس موجود ہے، نذر گزرانوں گا۔ جو پسند آوے، مال سرکار کا ہے۔ یہ وعدہ کر کر اور عطر پان دے کر، خواجہ کو رُخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بُلا کر، جو جو تحفہ جس کے پاس تھا، لے کر

جمع کیا۔ اور جو میرے گھر میں تھا، وہ بھی لیا۔ اور صُبح کے وقت دروازے پر بادشاہی محل کے حاضر ہوا۔ باری داروں نے میری خبر عرض کی۔ حکم ہوا کہ حضور میں لاؤ۔ وہی خواجہ سَرا نکلا اور میرا ہاتھ ہاتھ میں لے کر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ہوا لے چلا۔ پہلے خواص پُورے سے ہو کر، ایک مکانِ عالی شان میں لے گیا۔ اے عزیزو! تو باور نہ کرے گا، یہ عالم نظر آیا گویا پَر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی۔ پانو زمین سے اُکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ہوا رُو بہ رُو پہنچا۔ جو نہیں بادشاہ زادی پر نظر پڑی، غش کی نوبت آئی اور ہاتھ پانو میں رعشہ ہو گیا۔

بہ ہر صورت سلام کیا۔ دونوں طرف دستِ راست اور دستِ چپ، صف بہ صف، نازنینانِ پری چہرہ دست بستہ کھڑی تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواہر اور پارچہ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، جب کئی کشتیاں حضور میں چُنی گئیں، از بس کہ سب جنس لائق پسند کے تھی، خوش ہو کر خانساماں کے حوالے ہوئی۔ اور فرمایا کہ قیمت اس کی بہ موجب فرد کے کل دی جائے گی۔ میں تسلیمات بجا لایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہوگا۔ جب رخصت ہو کر باہر آیا، تو سوَدائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور مُنہ سے کچھ نکلتا تھا۔ اسی طرح سَرا میں آیا، لیکن حواس بجا نہ تھے۔ سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ تمھاری کیا حالت ہے؟ میں نے کہا: اتنی آمد و رفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ہے۔

غرض وہ رات تلملتے کاٹی۔ فجر کو پھر جا کر حاضر ہوا، اور اُسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہنچا۔ وہی عالم جو کل دیکھا تھا، دیکھا۔ بادشاہ زادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا۔ جب بَرچھا ہوا، خلوت میں اُٹھ گئیں اور مجھے طلب کیا۔ جب میں وہاں گیا، بیٹھنے کا حکم کیا۔ میں آداب بجا لا کر بیٹھا۔ فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا، اس میں منافع کتنا منظور ہے؟ میں نے عرض کی کہ آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی، سو خدا نے میسّر کی۔ اب میں

نے سب کچھ پھر پایا، اور دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور قیمت جو فہرست میں ہے، نصف کی خرید ہے اور نصف نفع ہے۔ فرمایا: نہیں، جو قیمت تو نے لکھی ہے، وہ عنایت ہوگی۔ بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا۔ بہ شرطیکہ ایک کام تجھ سے ہو سکے، تو حکم کروں۔

میں نے کہا کہ غلام کا جان و مال اگر سرکار کے کام آوے، تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں اور آنکھوں سے کروں۔ یہ سُن کر، قلم دان یاد فرمایا۔ ایک شقہ لکھا اور موتیوں کی ڈلیاں بیں رکھ کر، ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر، میرے حوالے کیا۔ اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے انگلی سے اُتار دی۔ اور کہا کہ اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے، دل کُشا اُس کا نام ہے، وہاں تو جا کر، ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے، اُس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجو اور ہماری طرف سے دُعا کہیو اور اِس رُقعے کا جواب مانگیو۔ لیکن جلد آئیو۔ اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دوں گی کہ تو دیکھے گا۔ میں رُخصت ہوا اور پوچھتا پوچھتا چلا۔ قریب دو کوس کے جب گیا، وہ باغ نظر پڑا۔ جب پاس پہنچا، ایک عزیز مُسلّح مجھ کو پکڑ کے دروازے میں باغ کے لے گیا۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی سی صورت، سونے کی کرسی پر زرہ داؤدی پہنے، چار آئینہ باندھے فولادی خود سر پر دھرے، نہایت شان شوکت سے بیٹھا ہے اور پانسے جوان تیار، ڈھال تلوار ہاتھ میں لیے، اور ترکش کمان باندھے، مستعد پَرا باندھے کھڑے ہیں۔

میں نے سلام کیا۔ مجھے نزدیک بُلایا۔ میں نے وہ خاتم دی، اور خوشامد کی باتیں کر کر وہ رومال دکھایا، اور رُقعے کے بھی لانے کا احوال کہا۔ اُس نے سنتے ہی اُنگلی دانتوں سے کاٹی اور سر دُھن کر بولا کہ شاید تیری اَجل تجھ کو لے آئی ہے۔ خیر، باغ کے اندر جا۔ سرو کے درخت میں ایک آہنی پنجرہ لٹکتا ہے۔ اُس میں ایک جوان قید ہے۔ اُس کو یہ خط دے کر، جواب لے کر، جلدی پھر آ۔

میں شتاب باغ میں گُھسا۔ باغ کیا تھا، گویا جیتے جی بہشت میں گیا۔ ایک ایک چمن رنگ بہ رنگ کا پھول رہا تھا، اور فوّارے چھوٹ رہے تھے، جانور چہچہے مار رہے تھے۔ میں سیدھا چلا گیا اور اُس درخت میں وہ قفس دیکھا۔ اِس میں ایک جوانِ حسین نظر آیا۔ میں نے ادب سے سر نہوڑا اور سلام کیا، اور وہ خریطہ سر بہ مُہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا۔ وہ عزیز رُقعہ کھول کر پڑھنے لگا، اور مجھ سے مشتاق وار اَحوال ملکہ کا پوچھنے لگا۔

ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ہوئی، اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی، اور بے تحاشی برچھی و تلوار مارنے لگی۔ ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چُور زخمی کر دیا۔ مجھے کچھ اپنی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ پھر جو ہوش آیا، اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اُٹھائے لیے جاتے ہیں اور آپس میں بتیاتے ہیں۔ ایک نے کہا: اِس مُردے کی لوتھ کو میدان میں پھینک دو، کُتے کوے کھا جائیں گے۔ دوسرا بولا: اگر بادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے، تو جیتا گڑ وا دے اور بال بچّوں کو کولھو میں پِروا دے۔ کیا ہمیں اپنی جان بھاری پڑی ہے جو ایسی نامعقول حرکت کریں۔

میں نے یہ گفتگو سُن کر، دونوں یاجوج ماجوج سے کہا کہ واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو، ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ہے۔ جب مر جاؤں گا، جو تمھارا جی چاہے گا سو کیجو۔ مُردہ بدستِ زندہ۔ لیکن یہ تو کہو کہ مجھ پر یہ کیا حقیقت بیتی، مجھے کیوں مارا، اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ۔ تب اُنھوں نے رحم کھا کر کہا کہ وہ جوان جو قفس میں بند ہے، اِس بادشاہ کا بھتیجا ہے۔ اور پہلے اِس کا باپ تختُ نشین تھا۔ رحلت کے وقت یہ وصیّت اپنے بھائی کو کی کہ ابھی میرا بیٹا، جو وارث اِس سلطنت کا ہے، لڑکا اور بے شعور ہے؛ کاروبار بادشاہت کا خیر خواہی اور ہوشیاری سے تم کیا کیجو۔ جب یہ بالغ ہو، اپنی بیٹی سے شادی اِس کی کر دیجو۔ اور مختار تمام مُلک اور خزانے کا کیجو۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے وفات پائی اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی۔ اُس نے وصیّت پر عمل نہ کیا، بلکہ دیوانہ اور سودائی مشہور کر کے پنجرے میں ڈال دیا۔ اور جَو کی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پَر نہیں مار سکتا۔ اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے، لیکن زندگی زبردست ہے، اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلپھے ہے اور یہ قفص میں تڑپھے ہے۔ تیرے ہاتھ شوق کا نامہ اُس نے بھیجا۔ یہ خبر ہرکاروں نے بہ جنس بادشاہ کو پہنچائی۔ حبشیوں کا دستہ مُتعیّن ہوا۔ تیرا یہ احوال کیا اور اُس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اُس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اُس بے گناہ کو بادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے مار ڈالے۔

میں نے کہا: چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہو کر وہ دونوں اور میں زخمی، چُپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے۔ اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر رُو بہ رُو کھڑا کیا۔ ملکہ جلّاد بن کر، شمشیر برہنہ لیے ہوئے، اپنے عاشق کے قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی، تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ ایسے مرنے پر میں راضی ہوں۔ یہاں بھی تیری آرزو ہے، وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔ ملکہ بولی کہ اِس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔

بادشاہ یہ دیکھ کر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا؟ محلّی ملکہ کو جدا کر کے محل میں لے گئے۔ اور وزیر نے خفا ہو کر تلوار اُٹھائی اور بادشاہ زادے کے اُوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام اُس بچارے کا تمام کرے۔ جوں چاہتا ہے کہ تیغا چلاوے، غَیب سے ایک تیر ناگہانی اُس کی پیشانی پر بیٹھا کہ دوسار ہو گیا اور وہ گر پڑا۔

بادشاہ یہ واردات دیکھ کر محل میں گھُس گئے۔ جوان کو پھر قفس میں بند کر کر باغ میں لے گئے۔ میں بھی وہاں سے نکلا۔ راہ میں سے ایک آدمی مجھے بُلا کر ملکہ

کے حضور میں لے گیا۔ مجھے گھایل دیکھ کر، ایک جرّاح کو بُلوایا اور نہایت تَفَیّدُ سے فرمایا کہ اِس جوان کو جلد چنگا کر کے، غسلِ شِفا کا دے، یہی تیرا مُجرا ہے۔ اِس کے اوپر جتنی محنت تو کرے گا، ویسا ہی انعام اور سرفرازی پاوے گا۔ غرض وہ جرّاح بہ مُوجب ارشادِ ملکہ کے، تَنگ و دَو کر کے، ایک چلّے میں نہلا دُھلا مجھے حضور میں لے گیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ اب تو کچھ کسَر باقی نہیں رہی؟ میں نے کہا کہ آپ کی توجّہ سے اب ہٹّا کٹّا ہوں۔ تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت سے روپے جو فرمائے تھے، بلکہ اُس سے بھی دو چند عطا کیے اور رُخصت کیا۔

میں نے وہاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لے کر کوچ کیا۔ جب اِس مقام پر پہنچا، سب کو کہا: تم اپنے وطن کو جاؤ۔ اور میں نے اِس پہاڑ پر یہ مکان اور اُس کی صورت بنا کر، اپنا رہنا مُقرّر کیا۔ اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ہر ایک کی قدر کے رُوپے دے کر آزاد کیا۔ اور یہ کہہ دیا کہ جب تلک میں جیتا رہوں، میرے قُوت کی خبرگیری تمھیں ضرور ہے، آگے مُختار ہو۔ اب وہی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ہیں۔ اور میں بہ خاطر جمع اِس بُت کی پرستش کرتا ہوں۔ جب تلک جیتا ہوں، میرا یہی کام ہے۔ یہ میری سرگذشت ہے جو تو نے سُنی۔ یا فُقرا اللہ! میں نے یہ ماجرا سُننے اِس قِصّے کے، کفنی گلے میں ڈالی اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے مُلک کے دیکھنے کے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصے میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا۔

آخر میرے شوق نے اُس شہر تلک پہنچایا۔ گلی کوچے میں باولا سا پھرنے لگا۔ اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا، لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تلک رسائی ہو۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کر کر گیا، وہ مطلب ہاتھ نہ آیا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایک بارگی آدمی بھاگنے لگے اور دُکان دار دُکانیں بند کر کے چلے گئے۔ یا وہ رونق تھی، یا سُنسان ہو گیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رُستم کا سا کلّہ جبڑا، شیر کی مانند گونجتا، اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا، زِرہ بکتر

گلے ہیں، اور ٹوپ جھلم کا سر پر، اور طمنچے کی جوڑی کمر میں، کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا، اور اُس کے پیچھے دو غلام بنات کی پوشاک پہنے، ایک تابوت مخمل کا شانی سے مڑھا ہوا سر پر لیے، چلے آتے ہیں۔

میں نے یہ تماشا دیکھ کر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا۔ مجھے منع کرتا۔ لیکن میں کب سُنتا ہوں؟ رفتہ رفتہ وہ جواں مرد ایک عالی شان مکان میں چلا۔ میں بھی ساتھ ہوا۔ اُس نے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے۔ میں نے اُسے قسم دی کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں، میں نے اپنا خون مُعاف کیا، کسو طرح مجھے اِس زندگی کے عذاب سے چھڑا دے کہ نہایت تنگ آیا ہوں۔ میں جان بوجھ کر تیرے سامھنے آیا ہوں، دیر مت کر۔ مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھ کر خدا نے اُس کے دل میں رحم ڈالا اور غصّہ بھی ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجّہ اور مہربانی سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟

میں نے کہا: ذرا بیٹھیے تو کہوں، میرا قصّہ بہت دور دراز ہے۔ اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں، اِس سبب سے لاچار ہوں۔ یہ سُن کر اُس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ مُنہ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا۔ مجھے بھی باعث ہوا۔ جب فراغت کر کے بیٹھا، بولا: کہ تجھ پر کیا گزری؟ میں نے سب واردات اُس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنے وہاں جانے کی کہہ سنائی۔ پہلے سُن کر رویا اور یہ کہا کہ اِس کم بخت نے کس کس کا گھر گھالا۔ لیکن بھلا تیرا علاج میرے ہاتھ میں ہے اَغلب ہے کہ اِس عاصی کے سبب سے تو اپنی مُراد کو پہنچے۔ اور تو اندیشہ نہ کر خاطر جمع رکھ۔ حجّام کو فرمایا کہ اِس کی حجامت کر کے حمّام کروائے۔ ایک جوڑا کپڑا اُس کے غلام نے لا کر پہنایا۔ تب مجھ سے کہنے لگا کہ یہ تابوت جو تو نے دیکھا، اُسی شہزادۂ مرحوم کا ہے جو قفص میں مُقیّد تھا۔ اُس کو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا۔ اُس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ میں اُس

کا کوٗ کا ہوں۔ میں نے بھی اُس وزیر کو بہ ضربِ شمشیر مارا، اور بادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا۔ پادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے اُسے نامرد جان کر چھوڑ دیا۔ جب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نَوچندی جُمعرات کو، میں اِس تابوت کو اِسی طرح شہر میں لیے پھرتا ہوں، اور اُس کا ماتم کرتا ہوں۔

اُس کی زُبانی یہ اَحوال سُننے سے مجھے تسلّی ہوئی کہ اگر یہ چاہے گا تو میرا مقصد بر آوے گا۔ خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جُنونی کو مجھ پر مہربان کیا۔ سچ ہے، خدا مہربان ہو تو کل مہربان۔ جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ہوا، اُس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عِوض وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لے کر چلا۔ فرمانے لگا کہ ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں۔ تیری سفارش تابہ مقدور کروں گا۔ تو ہرگز دم نہ ماریو۔ چُپکا بیٹھا سُنا کیجو۔ میں نے کہا: جو کچھ صاحب فرماتے ہیں، سو ہی کروں گا، خدا تم کو سلامت رکھے جو میرے اَحوال پر ترس کھاتے ہو۔ اُس جوان نے قصد بادشاہی باغ کا کیا۔ جب اندر داخل ہوا، ایک چبوترہ سنگِ مَرمَر کا ہشت پہلو باغ کے صَحن میں تھا اور اُس پر ایک نَم گیرہ سفید بادلے کا، موتیوں کی جھالر لگی ہوئی، الماس کے اِستادوں پر کھڑا تھا۔ اور ایک مسندِ مُغَرّق بچھی ہوئی تھی، گاؤ تکیہ اور بغلی تکیے زَربَفت کے لگے ہوئے۔ وہ تابوت وہاں رکھوایا۔ اور ہم دونوں کو فرمایا کہ اُس درخت کے پاس جا کر بیٹھو۔

بعد ایک ساعت کے مَشعَل کی روشنی نظر آئی۔ ملکہ آپ، کئی خواصیں پس و پیش اِہتمام کرتی ہوئیں، تشریف لائیں۔ لیکن اُداسی اور خفگی چہرے پر ظاہر تھی۔ آ کے مسند پر بیٹھیں۔ یہ کوٗ کا ادب سے دست بستہ کھڑا رہا۔ پھر ادب سے دور فرش کے کنارے مُؤدّب بیٹھا۔ فاتحہ پڑھیں اور کچھ باتیں کرنے لگا۔ میں کان لگائے سُن رہا تھا۔ آخر اُس جوان نے کہا کہ ملکۂ جہاں سلامت!

مُلکِ عجم کا شہزادہ، آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں غائبانہ سُن کر اپنی سلطنت کو برباد دے فقیر بن، مانندِ ابراہیم اَدہم کے تباہ ہوا، اور بڑی محنت کھینچ کر یہاں تلک آ پہنچا ہے، سائیں تیرے کارنے چھوڑا شہرِ بلخ، اور اِس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے۔ آخر وہ قصدِ مرنے کا کر کے میرے ساتھ لگ چلا۔ میں نے تلوار سے ڈرایا، اُس نے گردن آگے دھر دی اور قسم دی کہ اب میں یہی چاہتا ہوں، دیر مت کر، غرض تمھارے عشق میں ثابت ہے۔ میں نے خوب آزمایا، سب طرح پورا پایا؛ اِس سبب سے اُس کا مذکور میں درمیان لایا۔ اگر حضور سے اُس کے اَحوال پر مُسافر جان کر توجّہ ہو، تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں۔

یہ ذکر ملکہ نے سُن کر فرمایا: کہاں ہے؟ اگر شہزادہ ہے تو کیا مضائقہ؟ رُو بہ رُو آوے۔ وہ کوکا وہاں سے اُٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لے کر گیا۔ میں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ہوا، لیکن عقل و ہوش برباد ہوئے، عالمِ سکوت کا ہو گیا۔ یہ ہوا، نہ پڑا کہ کچھ کہوں۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا۔ گھر آ کر بولا کہ میں نے تیری سب حقیقت اوّل سے آخر تک ملکہ کو کہ سُنائی، اور سفارش بھی کی؛ اب تو ہمیشہ رات کو بلا ناغہ جایا کر اور عیش خوشی منایا کر۔ میں اُس کے قدم پر گر پڑا۔ اُس نے گلے لگا لیا۔ تمام دن گھڑیاں گنتا رہا کہ کب سانجھ ہو، جو میں جاؤں۔ جب رات ہوئی، میں اُس جوان سے رُخصت ہو کر چلا، اور پائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگا کر جا بیٹھا۔

بعد ایک گھڑی کے ملکہ تن تنہا ایک خواص کو ساتھ لے کر آہستہ آہستہ آ کر مسند پر بیٹھیں۔ خوش طالعی سے یہ دن مُیسّر ہوا۔ میں نے قدم بوسی کیا۔ اُنھوں نے سر میرا اُٹھا لیا اور گلے سے لگا لیا اور بولیں کہ اِس فرصت کو غنیمت جان اور میرا کہا مان۔ مجھے یہاں سے لے نکل، کسو اور مُلک کو چل۔ میں نے کہا: چلیے

یہ کہہ کر ہم دونوں باغ کے باہر تو ہوئے، پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھ پانو بھول گئے اور راہ بھول گئے۔ اور ایک طرف چلے جاتے تھے۔ پر کچھ ٹھکانا نہیں پاتے تھے۔ ملکہ برہم ہو کر بولی کہ اب میں تھک گئی، تیرا مکان کہاں ہے؟ جلد چل کر پہنچ، نہیں تو کیا کیا چاہتا ہے؟ میرے پانو میں پھپھولے پڑ گئے ہیں، رستے میں کہیں بیٹھ جاؤں گی۔

میں نے کہا کہ میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے، اب آ پہنچے، خاطر جمع رکھو اور قدم اُٹھاؤ۔ جھوٹھ تو بولا، پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لے جاؤں؟ عین راہ پر ایک دروازہ مُقفّل نظر پڑا۔ جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے بھیتر گئے۔ اچھی حویلی، فرش بچھا ہوا، شراب کے شیشے بھرے قرینے سے طاق میں دھرے، اور باورچی خانے میں نان کباب تیّار تھے۔ ماندگی کمال ہو رہی تھی، ایک ایک گلابی شراب پُرتگالی کی اُس گزک کے ساتھ لی اور ساری رات باہم خوشی کی۔ جب اس چین سے صبح ہوئی، شہر میں غُل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی۔ محلّہ محلّہ، کوچہ کوچہ مُنادی پھرنے لگی۔ اور کُٹنیاں اور ہرکارے چھوٹے کہ جہاں سے ہاتھ آوے پیدا کریں، اور سب دروازوں پر شہر کے بادشاہی غلاموں کی چوکی آ بیٹھی۔ گذربانوں کو حکم ہوا کہ بغیر پروانگی، چیونٹی باہر شہر کے نہ نکل سکے۔ جو کوئی سُراغ ملکہ کا لاوے گا، ہزار اشرفی اور خلعت انعام پاوے گا۔ تمام شہر میں کُٹنیاں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں۔

مجھے جو کم بختی لگی، دروازہ بند نہ کیا۔ ایک بڑھیا شیطان کی خالا، اُس کا خدا کرے مُنہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے، بُرقع اوڑھے، دروازہ کُھلا پا کر بے دھڑک چلی آئی اور سامھنے ملکہ کے کھڑے ہو کر، ہاتھ اُٹھا کر دُعا دینے لگی کہ الٰہی! تیری نتھ چوڑی سُہاگ کی سلامت رہے، اور کمائی کی پگڑی قائم رہے! میں غریب رنڈ یا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دوجی سے پورے دنوں درد زہ میں مرتی ہے۔ اور مجھ کو اِتنی وُسعت نہیں کہ آدھی کا تیل چراغ میں جلاؤں،

کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں۔ اگر مر گئی، تو گور کفن کیوں کر کروں گی؟ اور جنی، تو دائی جنائی کو کیا دوں گی؟ اور جچا کو ستھوارا، اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکھی پیاسی پڑی ہے۔ اے صاحب زادی! اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا، تو اُس کو پانی پینے کا آدھار ہو۔

ملکہ نے ترس کھا کر، اپنے نزدیک بُلا کر، چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی چھنگلیا سے اُتار کر حوالے کی کہ اس کو بیچ باچ کر گہنا پاتا بنا دیجو، اور خاطر جمع سے گزران کیجو، اور کبھو آیا کیجو، تیرا گھر ہے۔ اُس نے اپنے دل کا مُدّعا جس کی تلاش میں آئی تھی، بہ جنس پایا۔ خوشی سے دُعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ہوئی۔ ڈیوڑھی میں نان کباب پھینک دیے، مگر انگوٹھی کو مٹھی میں لے لیا کہ بیٹا ملکہ کے ہاتھ کا میرے ہاتھ آیا۔ خدا اُس آفت سے جو بچایا چاہے، اُس مکان کا مالک جواں مرد سپاہی، تازی گھوڑے پر چڑھا ہوا، نیزہ ہاتھ میں لیے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے آپہنچا۔ اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے، اُس دلالہ کو نکلتے دیکھا، مارے غصّے کے ایک ہاتھ سے اُس کے جھونٹے پکڑ کر لٹکا لیا اور گھر میں آیا۔ اُس کے دونوں پانو میں رسّی باندھ کر ایک درخت کی ٹہنی میں لٹکا لیا۔ سر تلے، پانو اوپر کیے۔ ایک دم میں تڑپھ تڑپھ کر مر گئی۔ اُس مرد کی صورت دیکھ کر یہ ہیبت غالب ہوئی کہ ہوائیاں اُڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجا کانپنے لگا۔ اُس عزیز نے ہم دونوں کو بد حواس دیکھ کر تسلّی دی کہ بڑی نادانی تم نے کی۔ ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا۔

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ شہزادہ اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے آیا اور مجھ کو پھسلایا۔ اُس نے التماس کیا کہ شہزادے نے بیانِ واقعی کہا۔ خلقی خلق اللہ ہے، بادشاہوں کی لونڈی غلام ہیں۔ اُنھیں کی برکت اور فیض سے سب کی پرورش اور نباہ ہے۔ یہ غلام، بے دام درم زرخرید تمھارا ہے۔ لیکن بھید چھپانا عقل کا مقتضا ہے۔ اے شاہ زادے! تمھارا اور ملکہ کا اس غریب خانے میں توجّہ فرمانا اور تشریف لانا، میری سعادت دونوں جہان کی ہے، اور اپنے فدوی

کو سرفراز کیا۔ میں نثار ہونے کو تیّار ہوں، کسو صورت میں جان مال سے دریغ نہ کروں گا۔ آپ شوق سے آرام فرمائیے، اب کوڑی بھر خطرہ نہیں۔ یہ مُردار کُٹنی اگر سلامت جاتی، تو آفت لاتی۔ اب جب تلک مزاج شریف چاہیے ۔ یہ مُردار کُٹنی اگر سلامت جاتی، تو آفت لاتی۔ اب جب تلک مزاج شریف چاہیے، بیٹھے رہیے۔ اور جو کچھ درکار ہو، اس خانہ زاد کو کہیے، سب حاضر کرے گا۔ اور پادشاہ تو کیا چیز ہے! تمھاری خبر فرشتے کو بھی نہ ہوگی۔ اُس جواں مرد نے ایسی ایسی باتیں تسلّی کی کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی۔ تب میں نے کہا: شاباش! تم بڑے مرد ہو۔ اس مُروّت کا عوض ہم سے بھی جب ہو سکے گا، تب ظُہور میں آوے گا۔ تمھارا نام کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ غُلام کا اِسم بہزاد خاں ہے۔ غرض چھے مہینے تک، جتنی شرط خدمت کی تھی بہ جان و دل بجا لایا۔ خوب آرام سے گُزری۔

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ما باپ یاد آئے، اس لیے نہایت مُتفکّر بیٹھا تھا۔ میرا چہرہ مَلِین دیکھ کر، بہزاد خاں رُو بہ رُو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اِس فدوی سے اگر کچھ تقصیر حکم بر داری میں واقع ہوئی ہو، تو ارشاد ہو۔ میں نے کہا: از برائے خدا، یہ کیا مذکور ہے! تم نے ایسا سُلوک کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے، جیسے اپنی ما کے پیٹ میں کوئی رہتا ہے۔ نہیں تو یہ ایسی حرکت ہم سے ہوئی تھی کہ تِنکا تِنکا ہمارا دُشمن تھا۔ ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے۔ خدا تمھیں خوش رکھّے، بڑے مرد ہو۔ تب اُس نے کہا: اگر یہاں سے دل برداشتہ ہوا ہو، تو جہاں حکم ہو، وہاں خیر و عافیت سے پہنچا دوں۔ فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والِدَین کو دیکھوں۔ میری تو یہ صورت ہوئی، خُدا جانے اُن کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میں جس واسطے جلاوطن ہوا تھا، میری تو آرزو بر آئی، اب اُن کی بھی قدم بوسی واجب ہے۔ میری خبر اُن کو کچھ نہیں کہ مُوا یا جیتا ہے، اُن کے دل پر کیا قلق گزرتا ہوگا! وہ جواں مرد بولا کہ بہت مُبارک ہے، چلیے۔ یہ کہہ کے، ایک راس گھوڑا تُرکی سو کوس چلنے والا اور ایک گھوڑی جلد، جس کے پَر نہیں کٹے تھے لیکن شائستہ

ملکہ کی خاطر لایا۔ اور ہم دونوں کو سوار کروایا۔ پھر زرہ بکتر پہن، سلاح باندھ، اُونچی بن، اپنے مرکب پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا: غلام آگے ہو لیتا ہے، صاحب خاطر جمع سے گھوڑے دبائے ہوئے چلے آویں۔

جب شہر کے دروازے پر آیا، ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ بڑ جودو! اپنے خاوند کو جا کر کہو کہ بہزاد خاں، ملکۂ مہر نگار اور شہزادۂ کام گار کو، جو تمہارا داماد ہے، ہانکے پکار لیے جاتا ہے۔ اگر مردمی کا کچھ نشہ ہے، تو باہر نکلو اور ملکہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہیو کہ چپ چاپ لے گیا۔ نہیں تو قلعے میں بیٹھے آرام کیا کرو۔ یہ خبر بادشاہ کو جلد جا پہنچی۔ وزیر اور میر بخشی کو حکم ہوا کہ اُن بدذات مفسدوں کو باندھ کر لاؤ، یا اُن کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاؤ۔ ایک دم کے بعد غٹ فوج کا نمود ہوا اور تمام زمین و آسمان گرد باد ہو گیا۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک در میں پُل کے، کہ بارہ ٹلیے اور جون پور کے پُل کے برابر تھا، کھڑا کیا۔ اور آپ گھوڑے کو چینگیا کر اُس فوج کی طرف پھرا۔ اور شیر کے مانند گونج کر، مرکب کو ڈپٹ کر، فوج کے درمیان گھسا۔ تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا، اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا۔ دونوں کے سر کاٹ لیے۔ جب سردار مارے گئے، لشکر تتر بتر ہو گیا۔ وہ کہاوت ہے: سر سے سرواہ جب بیل پھوٹی، رائی رائی ہو گئی۔ وونہیں آپ بادشاہ کتنی فوج بکتر پوشوں کی ساتھ لے کر کمک کو آئے۔ اُن کی بھی لڑائی اُس یکا جوان نے مار دی، شکستِ فاش کھائی۔

بادشاہ پسپا ہوئے۔ سچ ہے، فتح دادِ الٰہی ہے۔ لیکن بہزاد خاں نے ایسی جواں مردی کی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہو سکتی۔ جب بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہوا، اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کرے گا، بے وسواس ہو کر اور خاطر جمع کر، جہاں ہم کھڑے تھے، آیا۔ اور ملکہ کو اور مجھ کو ساتھ لے کر چلا۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے، تھوڑے عرصہ میں اپنے ملک کی سرحد میں جا

پہنچے۔ ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی پادشاہ کے حضور میں، جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے، لکھ کر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھ کر شاد ہوئے، دوگانہ شکر کا ادا کیا، جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا۔ خوش ہو کر سب امیروں کو جلو میں لے کر اس عاجز کے استقبال کی خاطر لب دریا آکر کھڑے ہوئے۔ اور نواڑوں کے واسطے امیر بحر کو حکم ہوا۔ میں نے دوسرے کنارے پر سواری پادشاہ کی کھڑی دیکھی، قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ ہیلہ مار کر حضور میں حاضر ہوا۔ مجھے مارے اشتیاق کے کلیجے سے لگا لیا۔

اب ایک اور آفتِ ناگہانی پیش آئی۔ کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا، شاید وہ بچہ اُسی مادیان کا تھا جس پر ملکہ سوار تھی۔ یا جنسیّت کے باعث، میرے مرکب کو دیکھ کر، گھوڑی نے بھی جلدی کر کر، اپنے تئیں ملکہ سمیت میرے پیچھے دریا میں گرایا اور پیرنے لگی۔ ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی۔ وہ مُنہ کی نرم تھی، اُلٹ گئی۔ ملکہ غوطے کھا کے بہ مع گھوڑی دریا میں ڈوب گئی کہ پھر اُن دونوں کا نشان نظر نہ آیا۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھ کر، اپنے تئیں گھوڑے سمیت ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا۔ وہ بھی اُس بھنور میں آگیا، پھر نکل نہ سکا۔ بہتیرے ہاتھ پانو مارے، کچھ بس نہ چلا، ڈوب گیا۔ جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھ کر، مہاجال منگوا کر پھکوایا۔ اور مَلّاحوں اور غوطہ خوروں کو فرمایا۔ اُنھوں نے سارا دریا چھان مارا، تھاہ کی مٹی لے کے آئے، پر وے دونوں ہاتھ نہ آئے۔ یا فقرا! یہ حادثہ ایسا ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا: اِن نینوں کا یہی بسیکھ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی، یا مر جاتی، تو دل کو تسلّی آتی۔ پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا۔ لیکن، جب نظروں کے رُو بہ رُو غرق ہو گئی، تو کچھ بس نہ چلا۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں، شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں۔

ایک روز رات کو اُسی دریا میں پیٹھا، اور ڈوبنے کا ارادہ کر کر، گلے تک پانی میں گیا۔ چاہتا ہوں کہ آگے پانو رکھوں اور غوطہ کھاؤں، وہی سوار بُرقع پوش، جنھوں نے تم کو بشارت دی ہے، آ پہنچے۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ خاطر جمع رکھ، ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ہیں، تو اپنی جان ناحق کیوں کھوتا ہے؟ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو، اگر جیتا رہے گا، تو تیری ملاقات اُن دونوں سے ایک نہ ایک روز ہو رہے گی۔ اب تو رُوم کی طرف جا، اور بھی دو درویش دل ریش وہاں گئے ہیں۔ اُن سے تو جب ملے گا، اپنی مُراد کو پہنچے گا۔ یا فُقرا! بہ مُوجب حکم اپنے ہادی کے، میں بھی خدمتِ شریف میں آکر حاضر ہوا ہوں۔ اُمید قوی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مطلب کو پہنچے۔

اِس گَدا کا یہ اَحوال تھا، جو تمام کمال کہہ سُنایا۔

سَیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنی سَیر کی حقیقت رو رو کر اِس طرح دُہرانے لگا ؎

قصّہ ہماری بے سَر و پائی کا اب سُنو!
ٹک اپنا دھیان رکھ کے مرا حال سب سُنو!
کس واسطے میں آیا ہوں یاں تک تباہ ہو!
سارا بیان کرتا ہوں اُس کا سبب، سُنو!

یا مُرشِدَ اللہ! ذرا مُتوجّہ ہو۔ یہ فقیر جو اِس حالت میں گرِفتار ہے، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ ناز و نعمت سے پَرورِش پائی اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے بُرے سے کچھ واقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ ہمیشہ یونہی نبھے گی، عین بے فکری میں یہ حادِثہ رُو بکار ہوا، قبلۂ عالم، جو والِد اِس یتیم کے تھے، انھوں نے رِحلت فرمائی۔ جان کَندَنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو جو میرے چچا ہیں، بُلایا اور فرمایا کہ ہم نے تو سب مال مُلک چھوڑ کر، ارادہ کوچ کا کیا، لیکن یہ وصیّت میری تم بجا لائیو اور بُزرگی کو کام فرمائیو: جب تلک شہزادہ جو مالک اِس تخت و چھتر کا ہے، جوان ہو اور شعور سنبھالے اور اپنا گھر دیکھے بھالے، تم اُس کی نیابت کیجو اور سپاہ و رعیّت کو خراب نہ ہونے دیجو۔ جب وہ بالِغ ہو، اُس کو سب کچھ سمجھا بُجھا کر تخت حوالے کرنا۔ اور روشن اختر جو تمھاری

بیٹی ہے، اُس سے شادی کر کے، تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔ اس سلوک سے بادشاہت ہمارے خاندان میں قائم رہے گی، کچھ خلل نہ آوے گا۔ یہ کہہ کر آپ تو جاں بحق تسلیم ہوئے، چچا بادشاہ ہوا، اور بندوبست مُلک کا کرنے لگا۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے۔ جب تک جوان نہ ہو، باہر نہ نکلے۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا اور کھیلا کودا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سُن کر شاد تھا۔ اور اس اُمید پر بے فکر رہتا اور دل میں کہتا کہ اب کوئی دن میں بادشاہت بھی ہاتھ لگے گی اور کتخدائی بھی ہوگی، دُنیا بہ اُمید قائم ہے۔ ایک حبشی مبارک نام کہ والدِ مرحوم کی خدمت میں تربیت ہوا تھا اور اس کا بڑا اعتبار تھا اور صاحب شعور اور نمک حلال تھا، میں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا۔ وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا کہ الحمدللہ! اے شاہزادے، اب تم جوان ہوئے۔ اِنشاءاللہ تعالیٰ عنقریب تمھارا عمو ظلِّ سُبحانی کی نصیحت پر عمل کرے گا۔ اپنی بیٹی اور تمھارے والد کا تخت تمھیں دے گا۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنیٰ سہیلی نے بے گناہ میرے تئیں ایسا طمانچہ کھینچ کر مارا کہ میرے گال پر پانچوں اُنگلیوں کا نشان اُکھڑ آیا۔ میں روتا ہوا مبارک کے پاس گیا۔ اُن نے مجھے گلے سے لگا لیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا کہ چلو آج تمھیں بادشاہ پاس لے چلوں۔ شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لائق سمجھ کر، تمھارا حق تمھیں دے۔ اُسی وقت چچا کے حضور میں لے گیا۔ اور چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی اور پوچھا کہ کیوں دل گیر ہو اور آج یہاں کیوں کر آئے؟ مبارک بولا کہ کچھ عرض کرنے آئے ہیں۔ یہ سُن کر خود بخود کہنے لگا کہ اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں۔ مبارک نے کہا: بہت مبارک ہے۔ وونہیں نجومی اور رمالوں کو رو بہ رو طلب کیا اور اوپری دل سے پوچھا کہ اس سال کون سا مہینا اور کون سا دن اور گھڑی مہورت مبارک ہے کہ سرانجام شادی

کا کروں؟ اُنھوں نے مرضی پا کر، گِن گِنا کر عرض کی کہ قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ سَعْد نہیں ٹھہرتی۔ اگر یہ سال تمام بہ خیر و عافیت کٹے تو آیندہ کارِ خیر کے لیے بہتر ہے۔

بادشاہ نے مُبارک کی طرف دیکھا اور کہا کہ شاہ زادے کو محل میں لے جا۔ خدا چاہے تو اِس سال کے گزرنے سے اُس کی امانت اُس کے حوالے کر دوں گا، خاطر جمع رکھے اور پڑھے لکھے۔ مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا، محل میں پہنچا دیا۔ دو تین کے بعد میں مُبارک کے پاس گیا، مجھے دیکھتے ہی رونے لگا۔ میں حیران ہوا اور پوچھا کہ دادا! خیر تو ہے، تمھارے رونے کا کیا باعث ہے؟ تب وہ خیر خواہ، کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا، بولا کہ میں اُس روز تمھیں اُس ظالم کے پاس لے گیا، کاشکے اگر یہ جانتا تو نہ لے جاتا۔ میں نے گھبرا کر کہا: میرے جانے میں کیا ایسی قباحت ہوئی؟ کہو تو صحیح۔ تب اُس نے کہا کہ سب امیر اور وزیر، ارکانِ دولت چھوٹے بڑے تمھارے باپ کے وقت کے، تمھیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے کہ اب ہمارا صاحب زادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لائق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حق دار کو ملے گا، تب ہماری قدر دانی کرے گا اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا۔ یہ خبر اُس بے ایمان کو پہنچی۔ اُس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔ مجھے خلوت میں بلا کر کہا: اے مُبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسی فریب سے مار ڈال، اور اُس کا خطرہ میرے جی سے نکال، جو میری خاطر جمع ہو۔ تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں، کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا۔ جو نہیں مُبارک سے یہ خبر نامُبارک میں نے سُنی، بغیر مارے مر گیا۔ اور جان کے ڈر سے اُس کے پانو پر گر پڑا، کہ واسطے خدا کے! میں سلطنت سے گزرا، کسو طرح میرا جی بچے۔ اُس غلامِ باوفا نے میرا سر اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیا، اور جواب دیا کہ کچھ خطرہ نہیں۔ ایک تدبیر مجھے سُوجھی ہے، اگر راست آئی تو کچھ پرواہ نہیں۔ زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

اَغلب ہے کہ اُس فکر سے تیری جان بھی بچے، اور اپنے مطلب سے کامیاب ہو۔ یہ بھروسا دے کر، مجھے ساتھ لے کر، اُس جگہ جہاں بادشاہِ مَغفور یعنی والِد اِس فقیر کے سوتے بیٹھتے تھے، گیا۔ اور میری بہت خاطر جمع کی۔ وہاں ایک کُرسی بچھی تھی، ایک طرف مجھے کہا اور ایک طرف آپ پکڑ کر صَندلی کو سَرکایا، اور کُرسی کے تلے کا فرش اُٹھایا، اور زمین کو کھودنے لگا۔ ایک بارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قُفل اُس میں لگا ہے۔ مجھے بُلایا۔ میں اپنے دل میں مُقرّر یہ سمجھا کہ میرے ذبح کرنے اور گاڑ دینے کو یہ گڑھا اس نے کھودا ہے۔ موت آنکھوں کے آگے پھر گئی۔ لاچار چُپکے چُپکے کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا۔ دیکھتا ہوں تو اُس دَریچے کے اندر عمارت ہے اور چار مکان ہیں۔ ہر ایک دالان میں دس دس خُمیں سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی لٹکتی ہیں اور ہر ایک گولی کے مُنہ پر ایک سونے کی اِینٹ، اور ایک بندر جڑاؤ کا بنا ہوا بیٹھا ہے۔ اُنتالیس گولیاں چاروں مکان میں گنیں اور ایک خُم کو دیکھا کہ مونہا مونہ اشرفیاں بھری ہیں، اُس پر نہ میمون ہے نہ خِشت ہے اور ایک حَوض جواہر سے لبالب بھرا ہوا دیکھا۔ میں نے مُبارک سے پوچھا کہ اے دادا! یہ کیا طِلسم ہے، اور کس کا مکان ہے، اور یہ کس کام کے ہیں، بولا کہ یہ بوزنے جو دیکھتے ہو، ان کا یہ ماجرا ہے کہ تمھارے باپ نے جوانی کے وقت سے مَلِک صادق جو بادشاہ جنوں کا ہے، اُس کے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی۔

چناں چہ ہر سال میں ایک دفعہ کئی طرح کی تُحفہ خوشبوئیں اور اس ملک کی سوغاتیں لے جاتے، اور ایک مہینے کے قریب اُس کی خدمت میں رہتے۔ جب رُخصت ہوتے، تو مَلِک صادق ایک بندر زمرّد کا دیتا۔ ہمارا بادشاہ اُسے لا کر اس تہ خانے میں رکھتا۔ اِس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مُطّلع نہ تھا۔ ایک مرتبہ غُلام نے عرض کی کہ جہاں پناہ لاکھوں روپے کے تُحفے

لے جاتے ہیں اور وہاں سے ایک بوزنہ پتھر کا مُردہ آپ لے آتے ہیں، اس کا آخر فائدہ کیا ہے؟ جواب میری اس بات کا مسکرا کر فرمایا: خبردار، کہیں ظاہر نہ کیجو، خبر شرط ہے۔ یہ ایک ایک میمون بے جان جو تو دیکھتا ہے، ہر ایک کے ہزار دیو زبردست تابع اور فرماں بردار ہیں۔ لیکن جب تلک میرے پاس چالیسوں بندر پورے جمع نہ ہوویں، تب تلک یہ سب نکمّے ہیں۔ کچھ کام نہ آویں گے سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اُسی برس بادشاہ نے وفات پائی۔

اتنی محنت کچھ نیک نہ لگی، اُس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا۔ اے شاہ زادے! تیری یہ حالت بے کسی کی دیکھ کر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا، کسو طرح تجھ کو ملک صادق کے پاس لے چلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں۔ غالب ہے کہ وہ دوستی تمھارے باپ کی یاد کر کر، ایک بوزنہ جو باقی ہے۔ تجھے دے۔ تب اُن کی مدد سے تیرا ملک تیرے ہاتھ آوے۔ اور چین ماچین کی سلطنت تو بہ خاطر جمع کرے۔ اور بالفعل اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے۔ اگر اور کچھ نہ ہو، تو اس ظالم کے ہاتھ سے سوائے اس تدبیر کے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی۔ میں نے اُس کی زبانی یہ سب کیفیت سُن کر کہا کہ دادا جان! اب تو میری جان کا مختار ہے۔ جو میرے حق میں بھلا ہو، سو کر۔ میری تسلّی کر کے آپ عطر اور بخور اور جو کچھ وہاں سے لے جانے کی خاطر مُناسب جانا، خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اُس کافر چچا کے پاس جو بجائے ابوجہل کے تھا گیا اور کہا: جہاں پناہ! شہ زادے کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ہے، اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ وہ کم بخت خوش ہو کر بولا: وہ کیا تدبیر ہے؟ تب مبارک نے کہا کہ اُس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے۔ مگر میں اُسے باہر جنگل میں لے جا کر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ دبا کر چلا آؤں۔ ہرگز کوئی محرم نہ ہو گا کہ کیا ہوا۔ یہ بندش مبارک سے سُن کر

بولا کہ بہت مُبارک۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سلامت نہ رہے۔ اُس کا دَغدغہ میرے دل میں ہے۔ اگر مجھے اِس فکر سے تو چھڑاوے گا، تو اِس خدمت کے عوض بہت کچھ پاوے گا۔ جہاں تیرا جی چاہے لے جاکر کھپا دے اور مجھے یہ خوش خبری لادے۔

مبارک نے بادشاہ کی طرف سے اپنی دل جمعی کر کے مجھے ساتھ لیا۔ اور وے تحفے لے کر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا اور اُتّر کی سَمت چلا۔ ایک مہینے تلک پیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک بولا کہ شکرِ خدا کا اب منزلِ مقصود کو پہنچے۔ میں نے سُن کر کہا کہ دادا! یہ تو نے کیا کہا: کہنے لگا: اے شہ زادے! جنوں کا لشکر کیا نہیں دیکھتا؟ میں نے کہا: مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مُبارک نے ایک سرمے دانی نکال کر، سُلیمانی سرمے کی سَلائیاں میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں۔ وونہیں جنوں کی خَلقت اور لشکر کے تنبو قَنات نظر آنے لگے۔ لیکن سب خوش رُو اور خوش لباس۔ مبارک کو پہچان کر، ہر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملنا اور مِزاجیں کرتا۔

آخر جاتے جاتے بادشاہی سَراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ہوئے۔ دیکھتا ہوں تو روشنی قرینے سے روشن ہے۔ اور صَندلیاں طرح بہ طرح کی دو رُویہ بچھی ہیں، اور عالِم، فاضل، درویش اور امیر، وزیر، میر بخشی، دیوان اُن پر بیٹھے ہیں۔ اور یساوُل، گُرز بردار، اَحَدی، چیلے، ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اور درمیان میں ایک تختِ مُرَصّع کا بچھا ہے، اُس پر ملک صادق تاج اور چار قُب موتیوں کی پہنے ہوئے، مَسند پر تکیے لگائے بڑی شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔ میں نے نزدیک جا کر سلام کیا۔ مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا۔ پھر کھانے کا چرچا ہوا۔ بعد فراغت کے دستر خوان بڑھایا گیا۔ تب مبارک کی طرف مُتوجّہ ہو کر اَحوال میرا پوچھا۔ مُبارک نے کہا کہ اب اِن کے باپ کی جگہ پر چچا اِن کا بادشاہت کرتا ہے، اور اِن کا دُشمنِ جانی ہوا ہے، اِس لیے میں انھیں وہاں سے لے بھاگ کر آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں اور سلطنت اِن کا حق ہے۔

لیکن بغیر مُربّی کسو سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ حضور کی دست گیری کے باعث اِس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے۔ اِن کے باپ کی خدمت کا حق یاد کر کے، اِن کی مدد فرمائیے۔ اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجیے جو چالیسوں پورے ہوں۔ اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر۔ تمھارے جان و مال کو دُعا دیں۔ سوائے صاحب کی پناہ کے، کوئی اِن کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

یہ تمام کیفیت سُن کر، صادق نے تامّل کر کے کہا کہ واقعی حقوقِ خدمت اور دوستی پادشاہِ مغفور کے ہمارے اوپر بہت تھے۔ اور یہ بچارا تباہ ہو کر، اپنی سلطنتِ موروثی چھوڑ کر، جان بچانے کے واسطے یہاں تلک آیا ہے اور ہمارے دامنِ دولت میں پناہ لی ہے؛ تا مقدور ہم سے کسو طرح کمی نہ ہو گی اور دَرگذر نہ کروں گا۔ لیکن ایک کام ہمارا ہے، اگر وہ اِس سے ہو سکا اور خیانت نہ کی اور بہ خوبی انجام دیا اور اِس امتحان میں پورا اُترا؛ تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ زیادہ پادشاہ سے سُلوک کروں گا، اور جو یہ چاہے گا سو دوں گا۔ میں نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا کہ اِس فدوی سے تا بہ مقدور جو خدمت سرکار کی ہو سکے گی، بہ سر و چشم بجا لاوے گا۔ اور اُس کو بہ خوبی و دیانت داری اور ہوشیاری سے کرے گا، اور اپنی سعادت دونوں جہان کی سمجھے گا۔ فرمایا کہ تو ابھی لڑکا ہے، اِس واسطے بار بار تاکید کرتا ہوں۔ مَبادا، خیانت کرے اور آفت میں پڑے۔ میں نے کہا: خدا پادشاہ کے اقبال سے آسان کرے گا۔ اور میں حتّی المقدور کوشش کروں گا، اور امانت حضور تک لے آؤں گا۔

یہ سُن کر ملک صادق نے مجھ کو قریب بُلایا اور ایک کاغذ دستکی سے نکال کر میرے تئیں دکھلایا اور کہا: یہ جس شخص کی شبیہ ہے، اُسے جہاں سے جانے، تلاش کر کے، میری خاطر پیدا کر کے لا۔ اور جس گھڑی تو اُس کا نام و نشان پاوے اور سامھنے جاوے، میری طرف سے بہت اشتیاق ظاہر کیجو۔ اگر یہ خدمت تجھ سے سرانجام ہوئی؛ تو جتنی توقع تجھے منظور ہے، اُس سے

زیادہ غور پرداخت کی جائے گی۔ و الّا نہ، جیسا کرے گا ویسا پاوے گا۔ میں نے اُس کاغذ کو جو دیکھا، ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا۔ بہ زور مارے ڈر کے اپنے تئیں سنبھالا اور کہا: بہت خوب، میں رُخصت ہوتا ہوں۔ اگر خدا کو میرا بھلا کرنا ہے، تو بہ موجب حکم حضور کے مجھ سے عمل میں آوے گا۔ یہ کہہ کر مُبارک کو ہم راہ لے کر جنگل کی راہ لی۔ گانو گانو، بستی بستی، شہر شہر، مُلک مُلک پھرنے لگا اور ہر ایک سے اُس کا نام و نشان تحقیق کرنے۔ کسو نے نہ کہا کہ ہاں میں جانتا ہوں یا کسی سے مذکور سُنا ہے۔ سات برس تک اِسی عالم میں حیرانی و پریشانی سہتا ہوا ایک نگر میں وارد ہوا۔ عمارت عالی اور آباد، لیکن وہاں کا ہر ایک مُتنفّس اسمِ اعظم پڑھتا تھا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا تھا۔

ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا؛ لیکن کسو نے ایک کوڑی یا ایک نوالہ نہ دیا۔ مجھے تعجب آیا اور اُس کے اوپر رحم کھایا۔ جیب میں سے ایک اشرفی نکال کر اُس کے ہاتھ میں دی۔ وہ لے کر بولا کہ اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے، تو شاید مُسافر ہے، اِس شہر کا باشندہ نہیں۔ میں نے کہا: فی الواقع سات برس سے میں تباہ ہوا ہوں۔ جس کام سے نکلا ہوں، اُس کا سُراغ نہیں ملتا۔ آج اِس بلدے میں آ پہنچا ہوں۔ وہ بوڑھا دُعائیں دے کر چلا، میں اُس کے پیچھے لگ لیا۔ باہر شہر کے ایک مکانِ عالی شان نظر آیا، وہ اُس کے اندر گیا۔ میں بھی چلا۔ دیکھا تو جا بجا عمارت گر پڑی ہے اور بے مرمّت ہو رہی ہے۔

میں نے دل میں کہا کہ یہ محل لائق بادشاہوں کے ہے۔ جس وقت تیاری اِس کی ہوگی، کیا ہی مکانِ دل چسپ بنا ہوگا! اور اب تو ویرانی سے یہ صورت بن رہی ہے! پر معلوم نہیں کہ اُجاڑ کیوں پڑا ہے، اور یہ نابینا اِس محل میں کیوں بستا ہے۔ وہ کور لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی، جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے باپ! خیر تو ہے، آج سویرے کیوں پھرے آتے ہو؟ پیر مرد نے

سُن کر جواب دیا کہ بیٹی! خدا نے ایک جوان مُسافر کو میرے احوال پر مہربان کیا، اُس نے ایک مُہر مجھ کو دی۔ بہت دنوں سے پیٹ بھر کر اچھا کھانا نہ کھایا تھا، سو گوشت، مصالح، گھی، تیل، آٹا، لُون، مول لیا۔ اور تیری خاطر کپڑا جو ضرور تھا، خرید کیا۔ اب اِس کو قطع کر، اور سی کر پہن۔ اور کھانا پکا، تو کھا پی کے اُس سخی کے ہاتھ میں دُعا دیں۔ اگرچہ مطلب اُس کے دل کا معلوم نہیں، پر خدا دانا بینا ہے، ہم بے کسوں کی دُعا قبول کرے۔ میں نے یہ احوال اُس کی فاقہ کشی کا جو سُنا بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں اور اُس کو دوں لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا، تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اُسی معشوق کی تھی۔ تصویر کو نکال کر مُقابِل کیا۔ سرِ مُو تفاوُت نہ دیکھا۔ ایک نعرہ دل سے نکلا اور بے ہوش ہوا۔ مبارک میرے تئیں بغل میں لے کر بیٹھا اور پنکھا کرنے لگا۔ مجھ میں ذرا سا ہوش آیا، اُس کی طرف تاک رہا تھا، جو مُبارک نے پوچھا کہ تم کو کیا ہو گیا؟ ابھی مُنہ سے جواب نہ نکلا۔ وہ نازنین بولی کہ اے جوان! خُدا سے ڈر، اور بیگانی استری پر نگاہ مت کر، حیا اور شرم سب کو ضرور ہے۔ اِس لیاقت سے گفتگو کی کہ میں اُس کی صورت اور سیرت پر محو ہو گیا۔ مبارک میری خاطر داری بہت سی کرنے لگا، لیکن دل کی حالت کی اُس کو کیا خبر تھی؟ لاچار ہو کر میں پکارا کہ اے خدا کے بندو اور اس مکان کے رہنے والو! میں غریب مسافر ہوں؛ اگر اپنے پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو، تو بڑی بات ہے۔ اُس اندھے نے نزدیک بُلایا اور آواز پہچان کر گلے لگایا۔ اور جہاں وہ گُل بدن بیٹھی تھی، اُس مکان میں لے گیا۔ وہ ایک کونے میں چُھپ گئی۔ اُس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ اپنا ماجرا کہہ، کہ کیوں گھر بار چھوڑ کر اکیلا پڑا پھرتا ہے اور تجھے کس کی تلاش ہے۔ میں نے ملک صادق کا نام نہ لیا اور وہاں کا کچھ ذکر مذکور نہ کیا۔ اس طور سے کہا کہ یہ بے کس، شہزادہ چین و ماچین کا ہے۔ چناں چہ میرے ولی نعمت ہنوز پادشاہ ہیں۔ ایک سوداگر سے لاکھوں روپے دے کر

یہ تصویر مول لی تھی۔ اِس کے دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا، اور فقیر کا بھیس کر کر تمام دنیا چھان ماری۔ اب یہاں میرا مطلب ملا ہے، سو تمھارا اختیار ہے۔

یہ سُن کر اندھے نے ایک آہ بھری اور بولا: اے عزیز! میری لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔ کسو بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پاوے۔ میں نے کہا: اُمیدوار ہوں کہ مفصّل بیان کرو۔ تب اُس مردِ عجمی نے اپنا ماجرا اس طور سے ظاہر کیا کہ سُن اے بادشاہ زادے! میں رئیس اور اکابر اس کم بخت شہر کا ہوں۔ میرے بزرگ نام آور اور عالی خاندان تھے۔ حق تعالیٰ نے یہ بیٹی مجھے عنایت کی۔ جب بالغ ہوئی تو اس کی خوب صورتی اور نزاکت اور سلیقے کا شور ہوا۔ اور سارے مُلک میں مشہور ہوا کہ فلانے کے گھر میں ایسی لڑکی ہے کہ اُس کے حُسن کے مُقابل حور، پری شرمندہ ہے، انسان کا تو کیا مُنہ ہے کہ برابری کرے! یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سُنی۔ غائبانہ بغیر دیکھے بھالے عاشق ہوا، کھانا پینا چھوڑ دیا، اٹھوائی کھٹوائی لے کر پڑا۔

آخر بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی۔ میرے تئیں رات کو خلوت میں بُلایا اور یہ مذکور درمیان میں لایا اور مجھے باتوں میں پھُسلایا، حتّیٰ کہ نسبت ناتا کرنے میں راضی کیا۔ میں بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ہوئی، تو کسو نہ کسو سے بیاہا ہی چاہیے۔ پس اس سے کیا بہتر ہے کہ بادشاہ زادے سے منسوب کر دوں، اس میں بادشاہ بھی منّت دار ہوتا ہے۔ میں قبول کر کے رُخصت ہوا۔ اُسی دن سے دونوں طرف تیّاری بیاہ کی ہونے لگی۔ ایک روز اچھی ساعت میں قاضی، مفتی، عالم، فاضل، اکابر سب جمع ہوئے۔ نکاح باندھا گیا اور مہر مُعَیّن ہوا۔ دُلھن کو بڑی دھوم دھام سے لے گئے۔ سب رسم رُسومات کر کے فارغ ہوئے۔ نوشہ نے رات کو جب قصدِ جماع کا کیا؛ اُس مکان میں ایک شور و

غُل ایسا ہوا کہ جو باہر لوگ چوکی میں تھے، حیران ہوئے۔ دروازہ کوٹھری کا کھول کر چاہا دیکھیں یہ کیا آفت ہے، اندر سے ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے۔ ایک دم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی۔ پٹ کی چُول اُکھاڑ کر دیکھا تو دولھا سر کٹا ہوا پڑا تڑپھتا ہے، اور دُلھن کے مُنہ سے کف چلا جاتا ہے، اور اُسی مٹّی لہو میں لتھڑی ہوئی بے حواس پڑی لوٹتی ہے۔

یہ قیامت دیکھ کر سب کے ہوش جاتے رہے۔ ایسی خوشی میں یہ غم ظاہر ہوا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی، سر پیٹتا ہوا دوڑا۔ تمام ارکان سلطنت کے جمع ہوئے۔ پر کسو کی عقل کام نہیں کرتی کہ اُس احوال کو دریافت کرے۔ نہایت کو بادشاہ نے اُس قلق کی حالت میں حکم کیا کہ اِس کم بخت بھونڈ پیری دُلھن کا بھی سر کاٹ ڈالو۔ یہ بات بادشاہ کی زبان سے جو نہیں نکلی، پھر ویسا ہی ہنگامہ برپا ہوا۔ بادشاہ ڈرا، اور اپنی جان کے خطرے سے نکل بھاگا، اور فرمایا کہ اِسے محل سے باہر نکال دو۔ خواصوں نے اِس لڑکی کو میرے گھر میں پہنچا دیا۔ یہ چرچا دُنیا میں مشہور ہوا۔ جن نے سُنا، حیران ہوا۔ اور شہزادے کے مارے جانے کے سبب سے، خود بادشاہ اور جتنے باشندے اِس شہر کے ہیں، میرے دشمنِ جانی ہوئے۔

جب ماتم داری سے فراغت ہوئی اور چہلم ہو چکا، بادشاہ نے ارکانِ دولت سے صلاح پوچھی کہ اب کیا کیا چاہیے؟ سبھوں نے کہا: اور تو کچھ ہو نہیں سکتا، بظاہر میں دل کی تسلّی اور صبر کے واسطے، اُس لڑکی کو اُس کے باپ سمیت مروا ڈالیے اور گھر بار ضبط کر لیجیے۔ جب میری یہ سزا مُقرّر کی، کوتوال کو حکم ہوا۔ اُس نے آ کر چاروں طرف سے میری حویلی کو گھیر لیا، اور نرسنگا دروازے پر بجایا، اور چاہا کہ اندر گھسیں اور بادشاہ کا حکم بجا لاویں۔ غیب سے اینٹ پتھر ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لا سکی، اپنا سر مُنہ بچا کر جیدھر تیدھر بھاگ گئی اور ایک آواز مُہیب بادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سُنی کہ کیوں

کم بختی آئی ہے، کیا شیطان لگا ہے؟ بھلا چاہتا ہے تو اُس نازنین کے احوال کا مُتعَرّض نہ ہو۔ نہیں تو، جو کچھ تیرے بیٹے نے اُس سے شادی کر کر دیکھا، تو بھی اُس کی دُشمنی سے دیکھے گا۔ اب اگر اُن کو سنا دے گا، تو مزا پاوے گا۔

بادشاہ کو مارے دہشت کے تپ چڑھی۔ وونہیں حکم کیا کہ ان بدبختوں سے کوئی مُزاحم نہ ہو، کچھ کہو نہ سُنو، حویلی میں پڑا رہنے دو، زور ظلم اِن پر نہ کرو۔ اُس دن سے عامل، بادشاہ جان کر دُعا تعویذ، اور سیانے جَنتَر منتر کرتے ہیں اور سب باشندے اِس شہر کے اِسمِ اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ مُدّت سے یہ تماشا ہو رہا ہے، لیکن اب تک کچھ اَسرار معلوم نہیں ہوتا، اور مجھے بھی ہرگز اِطّلاع نہیں۔ مگر اِس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی کہ اور تو کچھ میں نہیں جانتی، لیکن یہ نظر آیا کہ جس وقت میرے خاوند نے قصدِ مُباشرت کا کیا، چھت پھٹ کر، ایک تخت مُرَصّع کا نکلا۔ اُس پر ایک جوان خوب صورت، شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اُس مکان میں آئے اور شہزادے کے قتل کے مُستَعِد ہوئے۔ وہ شخص سردار میرے نزدیک آئے اور بولا: کیوں جانی! اب ہم سے کہاں بھاگو گی؟ اُن کی صورتیں آدمی کی سی تھیں، لیکن پاؤں بکریوں کے سے نظر آئے۔ میرا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ اور خوف سے غش میں آ گئی۔ پھر مجھے کچھ سُدھ نہیں کہ آخر کیا ہوا۔

تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اِس چھوٹے مکان میں ہم دونوں جی پڑے رہتے ہیں۔ بادشاہ کے غصّے کے باعِث اپنے رفیق سب جُدا ہو گئے۔ اور میں گدائی کرنے جو نکلتا ہوں، تو کوئی کوڑی نہیں دیتا، بلکہ دُکان پر کھڑے رہنے کے روادار نہیں۔ اِس کم بخت لڑکی کے بدن پر لتّا نہیں کہ سَتر چھپا دے، اور کھانے کو مُیَسّر نہیں جو پیٹ بھر کھاوے۔ خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ موت ہماری آوے، یا زمین پھاٹے اور یہ ناشُدنی سماوے۔ اِس جینے سے مرنا بھلا ہے۔

خدا نے شاید ہمارے ہی واسطے تجھے بھیجا ہے، جو تو نے رحم کھا کر ایک مُہر دی۔ کھانا بھی مزیدار پکا کر کھایا اور بیٹی کی خاطر کپڑا بھی بنایا۔ خدا کی درگاہ میں شکر کیا اور تجھے دُعا دی۔ اگر اس پر آسیب جن یا پری کا نہ ہوتا، تو تیری خدمت میں لونڈی کی جگہ دیتا اور اپنی سعادت جانتا۔ یہ احوال اس عاجز کا ہے تو اس کے درپے مت ہو اور اس قصد سے درگزر۔

یہ سب ماجرا سُن کر، میں نے بہت منّت و زاری کی کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر۔ جو میری قسمت میں بدا ہوگا، سو ہوگا۔ وہ پیر مرد ہرگز راضی نہ ہوا۔ شام جب ہوئی، اُس سے رُخصت ہو کر سرا میں آیا۔ مبارک نے کہا: لو شہزادے! مُبارک ہو، خدا نے اسباب تو دُرست کیا ہے، بارے یہ محنت اکارت نہ گئی۔ میں نے کہا: آج کتنی خوشامد کی، پر وہ اندھا بے ایمان راضی نہیں ہوتا۔ خدا جانے دیوے گا یا نہیں۔ پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی کہ کب صبح ہو، تو پھر جا کر حاضر ہوں۔ کبھو یہ خیال آتا تھا: اگر وہ مہربان ہو اور قبول کرے، تو مبارک ملک صادق کی خاطر لے جائے گا۔ پھر کہتا: بھلا ہاتھ تو آوے، مبارک کو منا کر میں عیش کروں گا۔ پھر جی میں یہ خطرہ آتا کہ اگر مبارک بھی قبول کرے، تو جنوں کے ہاتھ سے وہی نوبت میری ہوگی جو بادشاہ زادے کی ہوئی۔ اور اس شہر کا بادشاہ کب چاہے گا کہ اُس کا بیٹا مارا جائے اور دوسرا خوشی منائے۔

تمام رات نیند اُچاٹ ہو گئی اور اسی منصوبے کے اُلجھیڑے میں کٹی۔ جب روز روشن ہوا، میں چلا۔ چوک میں سے اچھے اچھے تھان پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک و تر خرید کے، اُس بُزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت خوش ہو کر بولا کہ سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔ پس اگر میری جان بھی تیرے کام آوے، تو دریغ نہ کروں۔ اور اپنی بیٹی بھی تیرے حوالے کروں لیکن یہی خوف آتا ہے کہ اس حرکت سے تیری جان کو خطرہ نہ ہو کہ یہ داغ لعنت کا میرے

اور پر تا قیامت رہے۔ میں نے کہا: اب اِس بستی میں بے کس واقع ہوں، اور تم میرے دین دنیا کے باپ ہو۔ میں اِس آرزو میں مدت سے کیا کیا تباہی اور پریشانی کھینچتا ہوا اور کیسے کیسے صدمے اُٹھاتا ہوا یہاں تک آیا، اور مطلب کا کبھی سُراغ پایا۔ خدا نے تمھیں بھی مہربان کیا، جو بیاہ دینے پر رضا مند ہوئے۔ لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو۔ ذرا مُنصِف ہوکر غور فرماؤ، تو عشق کی تلوار سے سر بچانا اور اپنی جان کو چُھپانا کس مذہب میں دُرست ہے؟ ہرچہ باداباد۔ میں نے سب طرح اپنے تئیں برباد دیا ہے۔ معشوق کے وصال کو میں زندگی سمجھتا ہوں۔ اپنے مرنے جینے کی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ بلکہ اگر نا امّید ہوں گا تو بن اَجل مر جاؤں گا اور تمھارا قیامت میں دامن گیر ہوں گا۔

غرض اِس گفت وُشنید اور ہاں نا نہ میں، قریب ایک مہینے کے خوف و رَجا میں گزرا۔ ہر روز اُس بُزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا اور خوشامد برامد کیا کرتا۔ اِتّفاقاً وہ بوڑھا کاہلہ ہوا۔ میں اُس کی تیمارداری میں حاضر رہا ہمیشہ قارورہ حکیم کے پاس لے جاتا۔ جو نسخہ لکھ دیتا، اُسی ترکیب سے بنا کر پلاتا۔ اور شُوربا اور غذا اپنے ہاتھ سے پکا کر، کوئی نوالہ کِھلاتا۔ ایک دن مہربان ہوکر کہنے لگا: اے جوان تو بڑا ضِدّی ہے۔ میں نے ہر چند ساری قباحتیں کہہ سنائیں، اور منع کرتا ہوں کہ اِس کام سے باز آ۔ جی ہے تو جہان ہے۔ پر خواہ مخواہ کُنوئیں میں گرا چاہتا ہے۔ اچھّا آج اپنی لڑکی سے تیرا مذکور کروں گا، دیکھوں وہ کیا کہتی ہے۔ یا فُقرُاللہ! یہ خوش خبری سُن کر میں ایسا پھولا کہ کپڑوں میں نہ سمایا۔ آداب بجا لایا اور کہا کہ اب آپ نے میرے جینے کی فکر کی۔ رُخصت ہوکر مکان پر آیا اور تمام شب مبارک سے یہی ذکر مذکور رہا۔ کہاں کی نیند اور کہاں کی بھوک؟ صبح کو نُور کے وقت پھر جاکر موجود ہوا۔ سلام کیا۔ فرمانے لگا کہ لو، اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی، خدا مُبارک کرے۔ تم دونوں کو خدا کی حفظ وامان میں سونپا۔ جب تلک میرے دم میں دم ہے، میری آنکھوں کے سامھنے رہو۔ جب میری آنکھ

مُند جائے گی، جو تمہارے جی میں آوے گا سو کیجو، مختار ہو۔

کتنے دن پیچھے وہ مردِ بزرگ جاں بحق تسلیم ہوا۔ رو پیٹ کر، تجہیز و تکفین کیا۔ بعد نیچے کے اُس نازنین کو مبارک ڈولی کر کر کارواں سرا میں لے آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ یہ امانت مَلِک صادق کی ہے۔ خبردار، خیانت نہ کیجو اور یہ محنت مشقّت برباد نہ دیجو۔ میں نے کہا: اے کاکا! مَلِک صادق یہاں کہاں ہے؟ دل نہیں مانتا، میں کیوں کر صبر کروں؟ جو کچھ ہو سو ہو، جیوں یا مروں، اب تو عیش کر لوں۔ مبارک نے دِق ہو کر ڈانٹا کہ لڑکپن نہ کرو، ابھی ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ مَلِک صادق کو دور جانتے ہو جو اُس کا فرمانا نہیں مانتے ہو؟ اُس نے چلتے وقت پہلے ہی اُونچ نیچ سب سمجھا دی ہے۔ اگر اُس کے کہنے پر رہو گے اور صحیح سلامت اُس کو وہاں تک لے چلو گے، تو وہ بھی بادشاہ ہے۔ شاید تمہاری محنت پر توجّہ کر کے تمہیں کو بخش دے، تو کیا اچھی بات ہووے۔ ہیبت کی ہیبت رہے اور میت کا میت ہاتھ لگے۔

بارے اُس کے ڈرانے اور سمجھانے سے میں حیران ہو کر چپکا ہو رہا۔ دو سانڈنیاں خریدکیں، اور کجاؤں پر سوار ہو کر مَلِک صادق کے مُلک کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک میدان میں آواز غل شور کی آنے لگی۔ مبارک نے کہا شکرِ خدا کا، ہماری محنت نیک لگی، یہ لشکر جنوں کا آ پہنچا۔ بارے مبارک نے اُن سے مل جُل کر پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ نے تمہارے استقبال کے واسطے ہمیں تعینات کیا ہے، اب تمہارے فرماں بردار ہیں، اگر کہو تو ایک دم میں رُو بہ رُو لے چلیں۔ مبارک نے کہا: دیکھو، کس کس محنتوں سے خدا نے بادشاہ کے حضور میں ہمیں سُرخ رُو کیا، اب جلدی کیا ضرور ہے؟ اگر خدانخواستہ کچھ خلل ہو جاوے، تو ہماری محنت اکارت ہوا ور جہاں پناہ کی غضبی میں پڑیں۔ سبھوں نے کہا کہ اِس کے تم مختار ہو، جس طرح جی چاہے چلو۔ اگرچہ سب طرح کا آرام تھا، پر رات دن چلنے سے کام تھا۔

جب نزدیک جا پہنچے، میں مبارک کو سوتا دیکھ کر، اُس نازنین کے قدموں پر سر رکھ کر، اپنے دل کی بے قراری اور مَلِک صادق کے سبب سے لاچاری، نہایت مِنّت وزاری سے کہنے لگا۔ کہ جس روز سے تمہاری تصویر دیکھی ہے، خواب و خورِش اور آرام میں نے اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اب جو خدا نے یہ دن دکھایا تو محض بے گانہ ہو رہا ہوں۔ فرمانے لگی کہ میرا بھی دل تمہاری طرف مائل ہے، کہ تم نے میری خاطر کیا کیا ہَرج مَرج اُٹھایا اور کس کس مشقتوں سے لے آئے ہو۔ خدا کو یاد کرو۔ اور مجھے بھول نہ جائیو۔ دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر ایسی بے اختیار ڈاڑھ مار کر روئی کہ ہچکی لگ گئی۔ ایدھر میرا یہ حال، اُدھر اُس کا وہ احوال۔ اس میں مبارک کی نیند ٹوٹ گئی۔ وہ ہم دونوں مشتاقوں کا رونا دیکھ کر، رونے لگا اور بولا: خاطر جمع رکھو۔ ایک روغن میرے پاس ہے۔ اُس گل بدن کے بدن میں مَل دوں گا۔ اُس کی بو سے مَلِک صادق کا جی ہٹ جائے گا۔ غالب ہے کہ تمھیں کو بخش دے۔

مُبارک سے یہ تدبیر سُن کر دل کو ڈھارس ہو گئی۔ اُس کے گلے سے لگ کر لاڑ کیا اور کہا: اے دادا! اب تو میرے باپ کی جگہ ہے۔ تیرے باعث میری جان بچی۔ اب بھی ایسا کام کر، جس میں میری زندگانی ہو۔ نہیں تو اس غم میں مر جاؤں گا۔ اُس نے ڈھیر سی تسلّی دی۔ جب روزِ روشن ہوا، آواز جنوں کی معلوم ہونے لگی۔ دیکھا تو کئی خوّاص مَلِک صادق کے آئے ہیں اور دو سرے پا و بھاری ہمارے لیے لائے ہیں۔ اور ایک جُوڑول موتیوں کی تورڑ بڑی ہوئی، اُن کے ساتھ ہے۔ مبارک نے اُس نازنین کو وہ تیل مل دیا۔ اور پوشاک پہنا، بناؤ کر وا کر مَلِک صادق کے پاس لے چلا۔ بادشاہ نے دیکھ کر مجھے بہت سَرفراز کیا، اور عزّت و حُرمت سے بٹھایا، اور فرمانے لگا کہ تجھ سے میں ایسا سُلوک کروں گا کہ کسو نے آج تک کسو سے نہ کیا ہو گا۔ بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے۔ علاوہ اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہوا۔ یہ توجّہ کی باتیں کر رہا تھا، اتنے میں وہ نازنین بھی رُوبہ رو

آئی۔ اُس رُوغن کی بُو سے یک بہ یک دماغ پراگندہ ہوا، اور حال بے حال ہوگیا، تاب اُس باس کی نہ لاسکا، اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اور ہم دونوں کو بُلوایا اور مبارک کی طرف مُتوجّہ ہو کر فرمایا کہ کیوں جی! خوب شرط بجا لائیے!!

میں نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر خیانت کروگے، تو خفگی میں پڑوگے۔ یہ بو کیسی ہے؟ اب دیکھو تمھارا کیا حال کرتا ہوں۔ بہت جز بز ہوا۔ مبارک نے مارے ڈر کے اپنا اِزار بند کھول کر دکھایا کہ بادشاہ سلامت! جب حضور کے حکم سے اِس کام کے ہم مُتعیَّن ہوئے تھے؛ غلام نے پہلے ہی اپنی علامت کاٹ کر، ڈبیا میں بند کر کے، سَر بہ مُہر سرکار کے خزانچی کے سُپُرد کر دی تھی، اور مرہم سلیمانی لگا کر روانہ ہوا تھا۔ مُبارک سے یہ جواب سُن کے، میری طرف آنکھیں نکال کے گھورا، اور کہنے لگا: تو یہ تیرا کام ہے!! اور طیش میں آکر مُنہ سے بُرا بھلا کہنے لگا۔ اُس وقت اُس کے بَت کہاؤ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید جان سے مجھے مروا ڈالے گا۔ جب میں نے اُس کے بُشرے سے یہ دریافت کیا! اپنے جی سے ہاتھ دھو کر اور جان کھو کر، سَر غلاف مبارک کی کمر سے کھینچ کر ملک صادق کی تُوند میں ماری۔ چُھری کے لگتے ہی نہڑا اور جُھو نما۔ میں نے حیران ہو کر جانا کہ مقرر مر گیا۔ پھر اپنے دِل میں خیال کیا کہ زخم تو ایسا کاری نہیں لگا، یہ کیا سبب ہوا؟ میں کھڑا دیکھتا تھا کہ وہ زمین پر لوٹ لاٹ، گیند کی صورت بن کر آسمان کی طرف اُڑ چلا۔ ایسا بلند ہوا کہ آخر نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر ایک پَل کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصّے میں کچھ بے معنی بکتا ہوا نیچے آیا، اور مجھے ایک لات ماری کہ میں تیوارا کر چاروں شانے چت گر پڑا، اور جی ڈوب گیا۔ خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا۔ آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں کہ جہاں سوائے کیکڑ اور ٹنیٹی اور جھڑ بیری کے درختوں کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اب اُس گھڑی عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں! نااُمّیدی سے ایک آہ بھر کر ایک طرف کی راہ لی۔ اگر کہیں کوئی آدمی کی صورت نظر پڑتی تو

ملک صادق کا نام پوچھتا۔ وہ دیوانہ جان کر جواب دیتا کہ ہم نے تو اُس کا نام بھی نہیں سُنا۔

ایک روز پہاڑ پر جاکر میں نے بھی ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا کر ضائع کروں۔ جوں مُستعِد گرنے کا ہوا، وہی سوار، صاحبِ ذُوالفقار، برقع پوش آپہنچا۔ اور بولا کہ کیوں تو اپنی جان کھوتا ہے؟ آدمی پر دُکھ درد سب ہوتا ہے۔ اب تیرے بُرے دن گئے اور بھلے دن آئے۔ جلد رُوم کو جا، تین شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں۔ اُن سے ملاقات کر اور وہاں کے سُلطان سے مل۔ تم پانچوں کا مطلب ایک ہی جگہ ملے گا۔ اِس فقیر کی سَیر کا یہ ماجرا ہے جو عرض کیا۔ بارے، بشارت سے اپنے مولا مُشکل کُشا کی مُرشدوں کے حضور میں آپہنچا ہوں۔ اور بادشاہِ ظلّ اللہ کی بھی ملازمت حاصل ہوئی۔ چاہیے کہ اب سب کی خاطر جمع ہو۔

یے باتیں چار درویش اور بادشاہ آزاد بخت میں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ایک محلّی بادشاہ کے محل ہی سے دوڑا ہوا آیا، اور مبارک بادکی تسلیمیں بادشاہ کے حضور بجا لایا اور عرض کی کہ اِس وقت شاہ زادہ پیدا ہوا کہ آفتاب و مہتاب اُس کے حُسن کے رُوبہ رُو شرمندہ ہیں۔ بادشاہ نے مُتعجّب ہو کر پوچھا کہ ظاہر میں تو کسو کو حمل نہ تھا، یہ آفتاب کس کے برجِ حمل سے نمود ہوا؟ اُس نے التماس کیا کہ ماہ رُو خواص، جو بہت دنوں سے غضبِ بادشاہی میں پڑی تھی، بے کسوں کی مانند ایک کونے میں رہتی تھی اور مارے ڈر کے اُس کے نزدیک کوئی نہ جاتا نہ احوال پوچھتا تھا۔ اُس پر یہ فضلِ الٰہی ہوا کہ چاند سا بیٹا اُس کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

بادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادی مرگ ہو جائے۔ چاروں فقیر نے بھی دُعا دی کہ بھلا بابا! تیرا گھر آباد رہے، اور اُس کا قدم مبارک ہو، تیرے سایے کے تلے بوڑھا بڑا ہو۔ بادشاہ نے کہا: یہ تمہارے قدم کی برکت ہے۔ واللہ، اپنے تو سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ اجازت ہو تو جا کر دیکھوں۔

درویشوں نے کہا: بسم اللہ، سدھاریے۔ پادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ شہزادے کو گود میں لیا اور شکر پروردگار کی جناب میں کیا۔ کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ وونہیں چھاتی سے لگائے ہوئے لاکر، فقیروں کے قدموں پر ڈالا۔ درویشوں نے دُعائیں پڑھ کر جھاڑ پھونک دیا۔ پادشاہ نے جشن کی تیّاری کی دوہری نوبتیں جھڑنے لگیں۔ خزانے کا مُنہ کھول دیا۔ داد و دہش سے ایک کوڑی کے محتاج کو لکھ پتی کر دیا۔ ارکانِ دولت جتنے تھے، سب کو دو چند جاگیر و منصب کے فرمان ہو گئے۔ جتنا لشکر تھا، اُنھیں پانچ برس کی طلب انعام ہوئی۔ مشائخ اور اکابر کو مددِ معاش اور آلتمغا عنایت ہوا۔ بے نواؤں کے مِینتے اور ٹکڑ گداؤں کے چھلے اشرفی اور روپوں کی کھچڑی سے بھر دیے اور تین برس کا خزانہ رعیّت کو مُعاف کیا، کہ جو کچھ بوویں جوتیں، دونوں حصّے اپنے گھروں میں اُٹھا لے جائیں۔

تمام شہر میں، ہزاری بزاری کے گھروں میں، جہاں دیکھو وہاں تھئی تھئی ناچ ہو رہا ہے۔ مارے خوشی کے ہر ایک ادنا اعلا بادشاہِ وقت بن بیٹھا۔ عین شادی میں ایک بارگی اندرونِ محل سے رونے پیٹنے کا غم اُٹھا۔ خواصیں اور ترکنیاں اور اُردا بیگنیاں اور محلّی، خوجے، سر میں خاک ڈالتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اور بادشاہ سے کہا کہ جس وقت شہزادے کو نہلا دُھلا کر دائی کی گود میں دیا، ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو انگا بے ہوش پڑی ہے اور شہزادہ غائب ہو گیا۔ یہ کیا قیامت ٹوٹی! بادشاہ یہ تعجّبات سُن کر حیران ہو رہا۔ اور تمام مُلک میں واوَیلا پڑی۔ دو دن تلک کسو کے گھر ہانڈی نہ چڑھی۔ شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے۔

غرض زندگانی سے لاچار تھے جو اس طرح جیتے تھے۔ جب تیسرا دن ہوا، وہی بادل پھر آیا۔ اور ایک پنگھولا جڑاؤ، موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی لایا۔ اُسے محل میں رکھ کر آپ ہوا ہوا۔ لوگوں نے شہزادے کو اُس میں انگوٹھا چوستے ہوئے پایا۔ پادشاہ بیگم نے جلدی بلائیں لے کر، ہاتھوں میں اُٹھا کر، چھاتی سے لگا لیا۔

دیکھا تو کُرتا آبِ رواں کا، موتیوں کا در دامن ٹکا ہوا گلے میں ہے، اور اُس پر شلوکا تمامی کا پہنایا ہے۔ اور ہاتھ پانو میں کھڑوے مُرصّع کے۔ اور گلے میں ہنبکل نورتن کی پڑی ہے۔ اور جھنجھنا، چُسنی، چٹّے بٹّے جڑاو، دھرے ہیں۔ سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگیں اور دُعائیں دینے لگیں کہ تیری ماں کا پیٹ ٹھنڈا رہے اور تو بوڑھا آڑھا ہو۔

بادشاہ نے ایک بڑا محل نیا تعمیر کرواکر، اور فرش بچھوا، اُس میں درویشوں کو رکھا۔ جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتی، تب آ بیٹھتے اور سب طرح سے خدمت اور خبر گیری کرتے۔ لیکن ہر چاند کی نوچندی جُمیرات کو وہی پارۂ ابر آتا اور شہزادے کو لے جاتا۔ بعد دو دن کے تُحفے، کھلونے اور سوغاتیں ہر ایک مُلک کی اور ہر ایک قسم کی شہزادے کے ساتھ لے آتا، جن کے دیکھنے سے عقلِ انسان کی حیران ہو جاتی۔ اسی قاعدے سے بادشاہ زادے نے خیریت سے ساتویں برس میں پانو دیا۔ عین سال گرہ کے روز بادشاہ آزاد بخت نے فقیروں سے کہا کہ سائیں اللہ! کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لے جاتا ہے اور پھیر دے جاتا ہے؟ بڑا تعجّب ہے۔ دیکھیے انجام اس کا کیا ہوتا ہے۔ درویشوں نے کہا: ایک کام کرو، ایک شُقّۂ شوقیّہ اس مضمون کا لکھ کر شہزادے کے گہوارے میں رکھ دو کہ تُمھاری مہربانی اور محبت دیکھ کر، اپنا بھی دل مُشتاق ملاقات کا ہوا ہے۔ اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجیے، تو خاطر جمع ہو اور حیرانی بالکل دفع ہو۔ بادشاہ نے موافق صلاح درویشوں کے، افشانی کاغذ پر ایک رُقعہ اسی عبارت کا رقیم کیا، اور مہدِ زرّیں میں رکھ دیا۔ شہزادہ بہ موجب قاعدۂ قدیم کے غائب ہوا۔ جب شام ہوئی، آزاد بخت درویشوں کے بستروں پر آکر بیٹھے اور کلمہ کلام ہونے لگا۔ ایک کاغذ لپٹا ہوا بادشاہ کے پاس آ پڑا۔ کھول کر پڑھا تو جواب اُسی شُقّے کا تھا۔ یہی دو سطریں لکھی تھیں کہ ہمیں بھی اپنا مُشتاق جانیے۔ سواری کے لیے تخت جاتا ہے، اس وقت اگر

تشریف لائیے تو بہتر ہے، باہم ملاقات ہو۔ سب اسباب عیش و طرب کا مُہیّا ہے، صاحب ہی کی جگہ خالی ہے۔ بادشاہ آزاد بخت درویشوں کو ہم راہ لے کر تخت پر بیٹھے۔ وہ تخت حضرت سلیمان کے تخت کے مانند ہوا پر چلا۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اُترے کہ عمارتِ عالی شان اور تیاری کا سامان نظر آتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اتنے میں کسو نے ایک ایک سلائی سُلیمانی سُرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں۔ پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ استقبال کی خاطر گُلاب پاشیں لیے ہوئے اور رنگ بہ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے کھڑا ہے۔

آزاد بخت آگے چلے، تو دُو رویہ ہزاروں پری زاد مؤدّب کھڑے ہیں اور صدر میں ایک تخت زُمرّد کا دھرا ہے۔ اُس پر ملک شہبال شاہ رُخ کا بیٹا تکیے لگائے بڑے تزُک سے بیٹھا ہے اور ایک پری زاد لڑکی رُو بہ رُو بیٹھی، شہزادۂ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے اور دونوں بغل میں کُرسیاں اور صندلیاں قرینے سے بچھی ہیں، اُن پر عمدہ پری زاد بیٹھے ہیں۔ ملک شہبال بادشاہ کو دیکھتے ہی سَرو قد اُٹھا، اور تخت سے اُتر کر بغل گیر ہوا، اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑے اپنے برابر تخت پر لا کر بٹھایا۔ اور بڑے تپاک اور گرم جوشی سے باہم گفتگو ہونے لگی۔ تمام روز ہنسی خوشی کھانے اور میوے اور خوشبوؤں کی ضیافت رہی اور راگ رنگ سُنا کیے۔ دوسرے دن جب پھر دونوں بادشاہ جمع ہوئے، شہبال نے بادشاہ سے درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیّت پوچھی۔

بادشاہ نے چاروں بے نواؤں کا ماجرا جو سُنا تھا، مُفصّل بیان کیا اور سفارش کی اور مدد چاہی کہ انھوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے۔ اب صاحب کی توجّہ سے اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم ہے اور یہ مُخلص بھی تمام عمر شکر گزار رہے گا۔ آپ کی نظرِ توجّہ سے اِن سب کا بیڑا پار ہوتا ہے۔ ملک شہبال نے سُن کر کہا کہ بہ سَر وچشم، میں تمھارے فرمانے سے قاصر نہیں۔ یہ تمام

کہہ کر، نگاہِ گرم سے دیووں اور پریوں کی طرف دیکھا۔ اور بڑے بڑے جن، جو یہاں سردار تھے، اُن کو نامے لکھے کہ اِس فرمان کے دیکھتے ہی اپنے تئیں حضورِ پُرنور میں حاضر کرو۔ اگر کسی کے آنے میں توقّف ہوگا، تو اپنی سزا پاوے گا، اور پکڑا ہوا آوے گا۔ اور آدم زاد خواہ عورت خواہ مرد، جس کے پاس ہو، اُسے اپنے ساتھ لیے آوے۔ اگر کوئی پوشیدہ کر رکھے گا اور ثانیِ الحال ظاہر ہوگا، تو اُس کا زن و بچّہ کولھو میں پِیرا جائے گا اور اُس کا نام نشان باقی نہ رہے گا۔

یہ حکم نامہ لے کر دیو چاروں طرف مُتعَیّن ہوئے۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں صُحبت گرم ہوئی اور باتیں اختلاط کی ہونے لگیں۔ اُس بیں ملک شہبال درویشوں سے مُخاطب ہو کر بولا کہ اپنے تئیں بھی بڑی آرزو لڑکے کے ہونے کی تھی اور دِل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹا دے یا بیٹی، تو اُس کی شادی بنی آدم کے یہاں جو لڑکا پیدا ہو گا، اُس سے کروں گا۔ اِس نیّت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ بیگم پیٹ سے ہیں۔ بارے، دن اور گھڑیاں اور مہینے گنتے گنتے پورے دن ہوئے اور یہ لڑکی پیدا ہوئی۔ مُوافق وعدے کے، تلاش کرنے کے واسطے عالمِ جنّیات کو میں نے حکم کیا: چار دانگ دنیا میں جُستجو کرو، جس بادشاہ یا شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہو، اُس کو بہ جنسِ احتیاط سے جلد اُٹھا کر لے آؤ۔ وہ بہ مُوجب فرمان کے پری زاد چاروں سمت پراگندہ ہوئے۔ بعد دیر کے اِس شہزادے کو میرے پاس لے آئے۔

میں نے شکر خدا کا کیا اور اپنی گود میں لے لیا۔ اپنی بیٹی سے زیادہ اِس کی مُحبّت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جُدا کروں۔ لیکن اِس خاطر بھیج دیتا ہوں کہ اگر اِس کے ماں باپ نہ دیکھیں گے تو اُن کا کیا احوال ہوگا۔ لہٰذا ہر مہینے میں ایک بار منگا لیتا ہوں۔ کئی دن اپنے نزدیک رکھ کر، پھر بھیج دیتا ہوں۔ اِنشاءَ اللہ تعالیٰ اب ہمارے تمہارے مُلاقات ہوئی، اُس کی کتخدائی کر دیتا ہوں۔ موت حیات سب کو لگی پڑی ہے، بھلا جیتے جی

ان کا سہرا دیکھ لیں۔

پادشاہ آزاد بخت یے باتیں ملک شہبال کی سُن کر اور اُس کی خوبیاں دیکھ کر، نہایت محظوظ ہوئے اور بولے: پہلے ہم کو شہزادے کے غائب ہو جانے اور پھر آ جانے سے عجب عجب طرح کے خطرے دِل میں آتے تھے۔ لیکن اب صاحب کی گفتگو سے تسلّی ہوئی۔ یہ بیٹا اب تمہارا ہے جس میں تمہاری خوشی ہو سو کیجیے۔ غرض دونوں پادشاہوں کی صُحبت مانند شکّر شیر کے رہنی، اور عیش کرتے دس پانچ دن کے عرصے میں بڑے بڑے پادشاہ گلستانِ ارم کے اور کوہستان کے اور جزیروں کے، جن کی طلب کی خاطر لوگ تعینات ہوئے تھے، سب آ کر حُضور میں حاضر ہوئے۔ پہلے ملک صادق سے فرمایا کہ تیرے پاس جو آدم زاد ہے حاضر کر۔ اُس نے نہایت غم غصّہ کھا کر، لاچار اُس گل عِذار کو حاضر کیا۔ اور ولایتِ عمّان کے پادشاہ سے شہزادی جن کی، جس کے واسطے شہزادہ مُلکِ نیم روز کا گاؤ سوار ہو کر سودائی بنا تھا، مانگی۔ اُس نے بھی بہت سی عُذر مَعذِرت کر کے حاضر کی۔ جب بادشاہِ فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا، سب مُنکر پاک ہوئے اور حضرت سلیمانؑ کی قسم کھانے لگے۔

آخر دریائے قُلزم کے پادشاہ سے جب پوچھنے کی نوبت آئی تو وہ سر نیچا کر کے چُپ ہو رہا۔ ملک شہبال نے اُس کی خاطر کی، اور قسم دی، اور اُمّیدوارِ سرفرازی کا کیا، اور کچھ دَھونس دَھڑکا بھی دیا۔ تب وہ بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ پادشاہ سلامت! حقیقت یہ ہے کہ جب بادشاہ اپنے بیٹے کے استقبال کی خاطر دریا پر آیا اور شہزادے نے مارے جلدی کے گھوڑا دریا میں ڈالا، اِتّفاقاً میں اُس روز سیر و شکار کی خاطر نکلا تھا، اُس جگہ میرا گزر ہوا۔ سواری کھڑی کر کے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اِس میں شہزادی کو بھی گھوڑی دریا میں لے گئی۔ میری نگاہ جو اُس پر پڑی، دِل بے اِختیار ہوا۔ پری زادوں کو حُکم کیا کہ شہزادی کو بہ مع گھوڑی لے آؤ۔ اُس کے پیچھے بہزاد خاں نے گھوڑا اچھینکا۔ جب وہ بھی

غوطے کھانے لگا، اُس کی دِلاوری اور مردانگی پسند آئی اُس کو بھی ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا۔ اُن دونوں کو لے کر میں نے سواری پھیری۔ سو وے دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں۔

یہ احوال کہہ کر دونوں کو رُو بہ رُو بلایا۔ اور سلطانِ شام کی شہزادی کی تلاش بہت کی اور سبھوں سے بہ سختی و ملائمت اِستفسار کیا۔ لیکن کسو نے حامی نہ بھری اور نہ نام و نشان بتایا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ کوئی بادشاہ یا سردار غیر حاضر بھی ہے، یا سب آ چکے ہیں؟ جنوں نے عرض کی کہ جہاں پناہ! سب حضور میں آئے ہیں، مگر ایک مسلسل جادو جس نے کوہِ قاف کے پردہ میں ایک قلعہ جادو کے علم سے بنایا ہے، وہ اپنے غرور سے نہیں آیا ہے۔ اور ہم غلاموں کو طاقت نہیں جو بہ زور اس کو پکڑ لاویں۔ وہ بڑا قلب مکان ہے، اور وہ خود بھی بڑا شیطان ہے۔

یہ سُن کر ملک شہبال کو طیش آیا اور لڑاکی فوج جنوں اور عفریتوں اور پری زادوں کی تعینات کی اور فرمایا: اگر راستی میں اُس شہزادی کو ساتھ لے کر حاضر ہو، فبہا۔ وَ اِلّا نہ، اُس کو زیر و زبر کر کے مشکیں باندھ کر لے آئے۔ اور اُس کے گڑھ اور ملک کو نیست نابود کر کے، گدھے کا ہل پھروا دو۔ وو نہیں حکم ہوتے ہی ایسی کتنی فوج روانہ ہوئی کہ ایک آدھ دن کے عرصے میں ویسے جوش خروش والے سرکش کو حلقہ بہ گوش کر کے پکڑ لائے۔ اور حضور میں دست بستہ کھڑا کیا۔ ملک شہبال نے ہر چند سرزنش کر کے پوچھا، لیکن اُس مغرور نے سوائے نا نہ کے ہاں نہ کی۔ نہایت غصّے ہو کر فرمایا کہ اِس مردود کے بند بند جدا کرو، اور کھال کھینچ کر بھُس بھرو۔ اور پری زاد کے لشکر کو تعیّن کیا کہ کوہِ قاف میں جا کر ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پیدا کرو۔ وہ لشکرِ متعیّنہ شہزادی کو بھی تلاش کر کے لے آیا، اور حضور میں پہنچایا۔ اُن سب اسیروں نے اور چاروں فقیروں نے ملک شہبال کا حکم اور انصاف دیکھ کر دُعائیں دیں اور شاد ہوئے۔ پادشاہ آزاد بخت بھی

بہت خوش ہوا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ مردوں کو دیوانِ خاص بیں اور عورتوں کو شاہی محل میں داخل کرو۔ اور شہر میں آئینہ بندی کا حکم کرو۔ اور شادی کی تیّاری جلدی ہو۔ گویا حکم کی دیر تھی۔

ایک روز نیک ساعت اور مبارک مُہورت دیکھ کر، شہزادہ بختیار کا عقد اپنی بیٹی روشن اختر سے باندھا۔ اور خواجہ زادۂ یمن کو دمشق کی شہزادی سے بیاہا۔ اور مُلکِ فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کر دیا۔ اور عجم کے بادشاہ زادے کو فرنگ کی ملکہ سے منسوب کیا۔ اور نیم روز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا۔ اور شہزادۂ نیم روز کو جِن کی شہزادی حوالے کی۔ اور چین کے شہزادے کو اُس پیرِ مُردِ عجمی کی بیٹی سے، جو ملک صادق کے قبضے میں تھی، کتخدا کیا۔ ہر ایک نامُراد، بہ دولت ملک شہبال کے، اپنے اپنے مقصد اور مُراد کو پہنچا۔ بعد اس کے چالیس دن تلک جشن فرمایا اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے۔

آخر ملک شہبال نے ہر ایک بادشاہ زادے کو تُحفے اور سوغاتیں اور مال اسباب دے دے کر، اپنے اپنے وطن کو رُخصت کیا۔ سب بہ خوشی و خاطر جمعی روانہ ہوئے، اور بہ خیر و عافیت جا پہنچے، اور بادشاہت کرنے لگے مگر ایک بہزاد خاں اور خواجہ زادہ یمن کا اپنی خوشی سے بادشاہ آزاد بخت کی رَفاقت میں رہے۔ آخر یمن کے خواجہ زادے کو خانساماں، اور بہزاد خاں کو میر بخشی شہزادۂ صاحب اقبال یعنی بختیار کی فوج کا کیا۔ جب تلک جیتے رہے، عیش کرتے رہے۔ الٰہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مُراد کو پہنچے، اِسی طرح ہر ایک نامُراد کا مقصدِ دِلی اپنے کرم اور فضل سے بر لا، بہ طُفیل پنجتنِ پاک، دُوازدہ امام، چہاردہ معصوم عَلَیْہِمُ الصَّلوٰۃ والسَّلام کے۔ آمین یا الٰہ العٰلمین۔

جب یہ کتاب فضلِ الٰہی سے اختتام کو پہنچی، جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اُسی میں تاریخ نکلے۔ جب حساب کیا تو بارہ سو پندرہ ہجری کے آخر سال میں کہنا شروع کیا تھا۔ باعث عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سنہ کی ابتدا میں انجام ہوئی۔ اس فکر میں تھا کہ دل نے کہا "باغ و بہار" اچھا نام ہے کہ ہم نام و ہم تاریخ اس میں نکلتی ہے۔ تب میں نے یہی نام رکھا۔ جو کوئی اس کو پڑھے گا، گویا باغ کی سیر کرے گا۔ بلکہ باغ کو آفت خزاں کی بھی ہے اور اس کو نہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز رہے گا۔

مُرتّب ہوا جب یہ باغ و بہار
تھی سنہ بارہ سو سترّہ در شمار
کرو سیر اب اس کی تم رات دن
کہ ہے نام و تاریخ "باغ و بہار"
خزاں کا نہیں اس میں آسیب کچھ
ہمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار
مرے خونِ دل سے یہ سیراب ہے
اور لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جاویں گے سب بعدِ مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھ کو کرے
یہی قاریوں سے مرا ہے قرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو مُعاف
کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں مُرکّب ز سہو و خطا
یہ چُوکے گا، ہر چند ہو ہوشیار
میں اس کے سوا چاہتا کچھ نہیں
یہی ہے دُعا میری اے کردگار
تری یاد میں میں رہوں دم بہ دم
کٹے اس طرح میرا لیل و نہار
نہ پُرسش کی سختی ہو مجھ پہ کبھو
نہ شب گُور کی اور نہ روزِ شمار
تو کونین میں لُطف پر لُطف رکھ
خُدایا! بہ حقّ رسولِ کبار

فرہنگ

(الف)

آب دار خانہ: پانی رکھنے کا مکان، وہ مکان جس میں بادشاہوں یا امیروں کے پانی پینے کا سامان رہتا ہو۔ (آصفیہ، امیر اللغات)

آبِ رواں: ایک قسم کی نہایت باریک ململ یا ڈوریا۔

آبشورہ: کھٹّا پانی، جو کچّی اِملی یا امچور اور رہڑ کو بھگو کر، نتھار کر، اور حسبِ ضرورت گرم مسالا ملا کر، خوش ذائقہ بنا لیا جاتا ہے اِس کو جل زیرا، جل سونٹھ، پنّا بھی کہتے ہیں۔
(فرہنگ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)

ابُو جہل: رسولؐ اللہ کے زمانے کا مشہور کافر۔ اس کا نام عمر بن ہشام تھا۔ رسولؐ اللہ کے ساتھ کمال عداوت تھی اور جہالت اِس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آپ نے اس کو ابو جہل فرمایا۔ نام کی جگہ یہی کنیت مشہور ہو گئی۔
(مراد ہے سخت دشمن اور حاسد سے۔ (ص ۱۸۰)

اُبیرالا: مدد۔

اُبیرالا کرنا: حمایت کرنا۔ مدد کرنا۔ (فوربس)

اُتارا: (پریوں کا اُتارا) پڑاو۔ مقام (ص ۴۷)

آٹھوں جام: دن رات (ص ۱۱۳)

اَجان: بے جان (ص ۷۸)

اَچھوانی: اجوائن کے شیرے کو شکر ملا کر، کڑکڑاتے گھی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جب وہ پک جاتا ہے تو سونٹھ ڈال کر زچّہ کو پلاتے ہیں (ص ۱۷۱)

اِحتیاج : حاجت، ضرورت۔

اَحَدی : سپاہی۔ اکبر نے ایک قسم کے تیراندازوں کا نام اَحَدی رکھا تھا۔ جو کسی فوج کے زمرے میں تو نہیں ہوتے تھے مگر علاحدہ گھر بیٹھے کسی خاص وقت کے لیے تنخواہ پاتے تھے یا سرکش زمینداروں سے روپیا وصول کرنے کو بھیجے جاتے تھے (آصفیہ) (ص ۱۸۱)

اَدَرْقِچَہ : چادر جسے بہ طورِ آرائش پلنگ پر بچھاتے ہیں اور اس پر بچھونا بچھاتے ہیں اس کا آدھ آدھ گز کے قریب حاشیہ نیچے لٹکتا رہتا ہے۔ یہ حاشیہ کارچوبی یا کلابتونی کام سے مزیّن ہوتا ہے۔ (آصفیہ)

آدانت سُکھی : ہمیشہ خوش رہنے والے۔ (ص ۷۰)

اُدھار : سہارا۔ (ص ۱۷۱)

اَدّھی : آدھی دمڑی۔ (ص ۱۷۰)

اُردابیگنی : وہ مردانہ لباس کی ہتھیار بند عورت، جو شاہی محلوں میں پہراچوکی دیتی اور حکم احکام پہنچاتی ہے۔
شاہی محلوں میں اہتمام کرنے والی ترک عورت۔

اَرکان : رُکن کی جمع۔ اصول۔

اِڑانا : اڑیری میں ڈالنا۔ پاتو میں پہننا۔ (عبدالحق)

آسَن : کمبل یا بستر وغیرہ جس پر پوجا کرتے وقت بیٹھتے ہیں۔ گدّی۔ اَستھان۔

اِستادے : شامیانے کے بانس۔ (ص ۵۷)

اَستھان : جگہ۔ مقام۔ بزرگوں کے رہنے کی جگہ۔

آفتابہ : ایک قسم کا لوٹا جس کے پیچھے ہاتھ کے بچاؤ کے لیے دستی لگی ہوتی ہے اور اُس کے مُنہ پر سرپوش ہوتا ہے۔ اس

میں گرم پانی لے کر مُنہ ہاتھ دھوتے یا دُھلاتے ہیں (آصفیہ)

اَفشانی کاغذ: چھِڑکا ہوا کاغذ جس پر سنہری بندکیاں پڑی ہوئی ہوں۔

اَکابِر: بڑے۔

اُکَت: (بہ کافِ عربی) اُپَج، ذہانت۔

آگیّا: حکم۔ اجازت۔

اَلتَمغا: انعام میں دی گئی یا بخشی گئی جاگیر کی سند۔

اُلاق: سواری۔ ڈاک چوکی کا گھوڑا۔ (غیاث)
ایک قسم کی چھوٹی کشتی۔ (فوربس)

اَلاَمرُ فَوقَ الاَدَب: حکم کا درجہ ادب سے بڑا ہے۔

اَلجُوع: بھوک۔

اُلَش: کسی بزرگ یا معزز آدمی کا جھوٹا کھانا۔ آگے کا اٹھا ہوا کھانا۔

اَلماس: ہیرا۔

اَلَنگ: پہلو۔ سمت۔ قلعے کی دیوار (ص ۱۲۶)

اَن بول: نہ بولنے والے (ص ۶۹)

آنچل پلّو:
آنچل: دوپٹے کا عریض کنارہ جس کے کونوں پر ترنج بنا دیتے ہیں۔
پلّو: آنچل کے آگے، بادلے کا بنا ہوا تقریباً آدھ گز چوڑا حاشیہ۔
(آصفیہ)

انار داؤدی: [داؤدی: ایک زرد و سفید رنگ پھول کا نام۔ اسے گُل داؤدی بھی کہتے ہیں۔]
وہ انار جس سے گُلِ داؤدی جھڑیں۔

اَن چیت: اچانک۔ (فوربس)

اِنصِرام: انجام کو پہنچانا۔ انتظام۔ بندوبست۔

اُنگا : دایہ۔
اَنگشتری : انگوٹھی۔
اَن گِنا مہینا : حمل کا آٹھواں مہینا۔
انگوٹھا چومنا : پیر چومنا۔ (ص ۱۱۳)
انوٹھی : انوکھی۔ (ص ۱۲۹)
اُولُوالعزم : بڑے ارادے والا۔ عالی ہمّت۔ عالی حوصلہ۔ مستقل مزاج۔
اونٹ چڑھے کُتّا کاٹے : (مثل) (۱) عقل کے خلاف اور ناممکن بات کے لیے کہتے ہیں، یعنی جو شخص اونٹ پر سوار ہے اُسے کُتّا کاٹ سکتا ہے!
(۲) جب شامت آتی ہے تو لاکھ احتیاط کیجیے مگر نقصان پہنچ ہی جاتا ہے (امیر اللغات)
آویزہ : ایک قسم کا زیور جو کان میں پہنا جاتا ہے۔ لٹکن۔ بُندا۔
اُوبچی : (واو مجہول) : پانچوں ہتھیار باندھے ہوئے سپاہی۔
اُوسَر چوکی ڈومنی گاوے تال بے تال :
اُوسَر : موقع۔ راگوں کا وقت۔
اُوسر چوکنا : بے سُرا ہونا۔
موقع پر چوک جانا بُرا ہے۔ کام بگڑ جانے کے بعد آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔
اَصاغِر : چھوٹے۔

(ب)

باٹ : راستہ۔
بادلا : سونے اور چاندی کے چپٹے تار، جو گوٹا بُننے اور کلابتون بٹنے کے کام میں آتے ہیں۔
زری کا کپڑا، جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔
(آصفیہ)

بادلہ : زری کا کپڑا، جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔
باعِث ہوا فرمایش کی۔ اصرار کیا۔ (ص ۱۶۷)
بادیہ : تانبے کا بڑا کٹورا یا پیالہ۔ جنگل۔
بارہ اُبھَرن : ابھرن : زیور۔ بارہ ابھرن : بارہ جگہ پہننے کے زیور۔ اِس تفصیل سے : سر، پیشانی، کان، ناک، گلا، سینہ، بازو، ہاتھ، ہاتھ کی انگلیاں، کمر، پانو، پانو کی اُنگلیاں۔

(امیر اللغات)

باری دار : پہرے دار۔ دربان۔ چوکیدار۔
باشا : ایک شکاری پرندہ۔
باقر خانی : شیر مال۔ میدے میں گھی ملا کر اور دودھ سے گوندھ کر، تندور میں پکائی ہوئی اعلا قسم کی روغنی روٹی۔ اس میں چاشنی پیدا کرنے اور خمیر اُٹھانے کو حسبِ ضرورت نمک اور دہی بھی ملایا جاتا ہے۔ شمالی ہند میں اپنے موجد کے نام سے باقر خانی اور جنوبی ہند میں شیر مال کے نام سے مشہور ہے۔

(فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

باگھ : شیر :
بالاپوش : پلنگ پوش۔
بال باندھی کوڑی مارنا : نشانہ خطا نہ کرنا۔ (ص ۱۸۱)
بازدار : شاہی ملازم جس کے ذمّے باز کی تربیت ہوتی ہے۔
بالفعل : فی الحال، اِس وقت۔
بادِ بَتاس : آسیب۔ سایہ۔ (ص ۱۸۷)
باور : یقین۔
بپتا : مصیبت۔

بَت کہاو : گفتگو کا انداز۔ بات چیت۔

بَتیانا : باتیں کرنا۔

بَجرا : ہلکی پھلکی سیر و تفریح کی سُبک رفتار چھوٹی کشتی، جس کو ایک آدمی یا خود سوار آسانی سے کھے لے۔

بُجھرا : وہ سرپوش جس سے گھڑوں کو ڈھانکتے ہیں

بَچَن : قول۔ کلام۔

بَخُور : خوشبودار چیزیں مثلاً عود، لوبان وغیرہ۔ (ص ۱۷۱)

بَدرَرو : موری۔ پانی باہر جانے کا راستہ۔

بَدرَہ : تھیلی۔

بد طالع : بدنصیب۔

بَدُّو : ڈاکو۔ لٹیرے (ص ۱۲۷)

بَرقَنداز : بندوقچی۔ (ص ۱۴۱)

بِس : زہر۔

بسائی : بس۔ طاقت (ص ۱۱۳)

بِسیکھ (یائے مجہول): عادت۔ سبھاو۔ خاصیت۔ (ص ۱۷۴)

بُشرہ : چہرہ۔

بغدادی اونٹ : سب سے اچھا اونٹ۔ اونٹ کی ایک قسم جو بہت بیش قیمت ہوتا ہے۔

بُقچہ : کپڑوں کی گٹھری۔

بَکاوَل : باورچی۔

بَکاولی : ایک قسم کی نشتری۔ (نور اللغات)

بگانی تریا : غیر عورت۔

بَلدہ : شہر۔

بَلَئی : بے وقوف۔ گاودی۔ بے سلیقہ۔

بَلَیّاں لوں : بلائیں لوں۔ صدقے جاؤں۔

بُنات : باناتـ۔ ایک قسم کا اونی کپڑا جو نہایت دبیز اور گرم ہوتا ہے۔

بندی : کوئی آرائش کی چیز جیسے مرصّع پٹی۔ (ص ۶۸)

بندی خانہ: جیل خانہ۔

بُندوڑ: (نون غنہ۔ واو مجہول) [باندی کی تصغیر] نہایت ذلیل اور کم رتبہ لونڈی۔

بَن کھنڈی : وہ سادھو جو جنگلوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ (ص ۶۹)

بُوزنہ (واو معروف): بندر:

بُوقلموں : رنگ بہ رنگی۔

بوقلموں ہوگیا: سارا مکان طرح طرح کے رنگوں سے چمک اُٹھا۔ (ص ۱۷۳)

بَول: پیشاب۔

بُونٹ (واو معروف): ہرا چنا۔

بَہا : قیمت۔

بھاٹ : خوشامدی۔ ہر کس و ناکس کی جھوٹی تعریف کرنے والا۔
ایک قوم کا نام جو نسب نامے یاد رکھتی ہے۔

بھاگ: قسمت۔

بَھبھوت وہ راکھ جس کو جوگی یا سنیاسی اپنے بدن پر ملتے ہیں۔

بُھچپیا: ایک طرح کی آتش بازی۔ (فوربس)

بہری: چندہ۔

بَھسَم: راکھ۔

بَھگتیا: سوانگ بھرنے والا۔ ناچنے والا۔ عورتوں کے سے کپڑے پہن کر ناچنے والا۔

بَھگنا: بھائی۔

بَہلیا: پرندوں کا شکاری۔ تیر و کمان سے مسلّح رہنے والا۔ (آصفیہ)

بہ مجرد سننے اس قصّے کے: اِس قصّے کے سننے ہی۔ (ص ۱۶۶)

بھَنور کلی: لوہے یا پیتل وغیرہ کا حلقہ جیسے کتّے، بکری وغیرہ کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ پٹّا۔

بھونڈ پیری: منحوس۔ (ص ۱۸۶)

بھوئی: (واو معروف۔ نیز بہ واو مجہول) حمّال۔ کہار۔ (فوربس)

بھیچک: ہکّا بکّا۔ حیران۔ بھوچکّا۔

بیاکل: بے چین۔

بے بہا: بہت قیمت کا۔ جس کی قیمت کا اندازہ ہی نہ لگایا جاسکے۔

بے چوبہ (واو مجہول): وہ خیمہ جس میں چوبیں نہیں لگائی جاتیں۔

بیر: بہادر۔

بیرن: بھائی۔

بے سر: بغیر سردار کے۔

بے سر و پائی: حیرانی پریشانی۔ بے سر و سامانی۔

بیل نہ کودا، کودی گون
یہ تماشا دیکھے کون: (مثل) جس کا موقع ہو بولنے کا وہ نہ بولے، اور جس کا موقع نہ ہو وہ بول اُٹھے۔ عموماً اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں کوئی امید کے خلاف کام کرے۔ یا دخل در معقولات دے۔

بے محابا: بلا لحاظ۔ بغیر سوچے سمجھے۔

بے وسواس: بے کھٹکے۔

(پ)

پارہ: ٹکڑا (۱۹۵)

پاکھر: زرہ کی مانند ایک لوہے کی پوشاک جو اکثر لڑائی کے موقع پر گھوڑے کو پہناتے ہیں۔

پَت : لاج ۔ عزّت ۔
پَٹری : باغ کا چھوٹا سا راستہ جس پر گھاس بو دیتے ہیں ۔ روش ۔ تختی ۔
پَٹیلی (پٹیلی) : چوڑے پیندے کی کشتی جس پر تختے بچھا کر بیل گاڑی کو پار لگاتے ہیں ۔
پَچھل پائی : چڑیل ۔ ڈائن ۔
پذیرا ہوا : قبول ہوا ۔
پَر پَنچ (نون ساکن) : فریب ۔ دھوکا ۔
پَرچانا : باتوں میں لا کر فریب دینا ۔ باتیں بنا کر راضی کرنا ۔
پَر چھا ہونا : بھیڑ چھٹنا ۔ (ص ۱۶۲)
پَر چھا ہونے لگا : صبح کی سفیدی ظاہر ہونے لگی ۔ (ص ۵۶)
پرداز : (ص ۷۶) اصل معنی آرائش ۔ نقش و نگار وغیرہ ۔ لیکن یہاں آئینے کے چوکھٹے مراد ہیں ۔
پَرَند : اُڑنے والا ۔ بہت تیز رفتار (گھوڑا) (ص ۱۵۸)
پَروانگی : اجازت ۔
پَسُو : جانور ۔
پَکھاوَج : طبلے کی وضع کی لمبوتری ڈھولک ۔ مِردَنگ ۔
پَلاس : ٹاٹ ۔ موٹا کپڑا ۔
پَلیشت : فاحشہ ۔ بیسوا ۔ ناپاک ۔
پَلوار : بار برداری کی کشتی جو پندرہ یا بیس ٹن بوجھ لے جا سکے ۔ بجرے کی قسم کی سامنے سے چوڑی اور پیچھے سے نکونی ناو ۔ (فرہنگ اصطلاحات)
پَن بَھتّا : اُبال کر پکائے ہوئے چاول جو پتلے ہوں اور بہت گل گئے ہوں ۔ گلتھّی ۔

CENTRA' URDU LIBRARY
URDU HAL

پَنڈا : پُجاری۔ مندر کی خدمت کرنے والا۔

پَنڈت خانہ : قید خانہ۔

پَنڈ ھلانا : پُھسلانا۔

پنگھولا [پنگورا] (نون غنّہ) : ایک قسم کا جھولا جس میں چھوٹے بچّے کو نیند آجانے کے واسطے لِٹا کر جھونٹے دیتے ہیں (آصفیہ)

پوکھر : تالاب۔ جوہڑ۔

پھانکڑا : بانکا ترچھا۔ مسٹنڈا۔ لفنگا۔

پُھساہندا۔ بدبودار۔ نامعقول۔

پھوئیاں : پھوار۔

پھینٹا (یائے مجہول) : چھوٹی پگڑی۔ صافہ۔

پپیپھڑی : ہونٹوں کی خشکی۔ گرمی یا پیاس کے سبب ہونٹوں کے خشک ہو کر، پپڑی سی بندھنے کو پپیپھڑی کہتے ہیں۔

پَیٹھنا : گھسنا۔ داخل ہونا۔ (ص ۱۷۵)

پیت (پریت) : دوستی۔ اخلاص۔

پیت کی پیت رہے اور میت کا میت ہاتھ لگے : دوستی بھی قائم رہے اور مقصد بھی حاصل ہوجائے۔ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

پیر (یائے معروف) : دردِزہ۔

پیریں لگنا : دردِزہ ہونا۔ (ص ۱۵۱)

پَیزار : جوتی۔

پیکھنا (یائے مجہول) : پُتلیوں کا کھیل۔ تماشا۔ (فیلن)

(ت)

تارکشی : کڑھائی کے لیے عمدہ قسم کے کپڑے میں سے نکالا ہوا کچّا تاگا۔ سونے چاندی کے تاروں کو باریک کرنا۔

تار کشی کا رومال : عمدہ کڑھا ہوا رومال۔

تالیقہ (تعلیقہ) : مال اسباب کی ضبطی۔ اسباب کی فہرست۔

تَنتَڑی : آوارہ عورت۔

تُجّار : تاجر کی جمع۔

تجھ سار کے : تیری طرح۔

تُحفہ علّت :
تحفہ : عجیب۔ انوکھی۔
علّت : بیماری۔ خراب اور ناکارہ چیز۔

تختہ نَرد : ایک کھیل کا نام جسے اردشیر بابک یا بزرجمہر نے ایجاد کیا تھا شطرنج کے جواب میں، اسے چار پانسوں سے کھیلتے تھے

ترازو ہونا : نصف تیر کا نشانے سے باہر گزر کر لٹکا رہنا۔ (ص ۱۴۹)

تِرپولیا : وہ مقام جہاں ایک سمت میں برابر تین دروازے ہوں۔ وہ بڑا تین در کا پھاٹک جو بادشاہوں وغیرہ کی سواری کا جلوس بہ آسانی نکل جانے کی غرض سے محل کے سامنے یا بیچ بازار میں بنا دیا جاتا ہے۔ (آصفیہ)

تُرت : فوراً۔

ترقیم : لکھنا۔

ترکِ حیوانات : گوشت، دودھ، دہی وغیرہ سے پرہیز کرنا۔ عامل چلّہ کھینچنے کے دوران عموماً ان چیزوں کو ترک کر دیتے ہیں۔

تصدیع : تکلیف۔

تَعَفُّن : بد بو۔

تَغَیُّر کرنا : الگ کرنا (ملازمت یا عہدے سے) بدل دینا۔

تَفَاوُت : فرق۔

تَفَنُّد : تاکید۔
تَنْکَشْ : ترکش۔
تَکِینی : چھوٹا تکیہ۔
تکیہ : فقیر کے رہنے کی جگہ۔ فقیر کا گھر۔ (ص ۱۵۶)
تَگ و دَو : دوڑ دھوپ۔
تَل : ٹیلا۔
تَلَپھنا : تڑپنا۔ (ص ۱۵۳)
تَمامی : رُوپہلی سنہری تاروں کا بنا ہوا ایک دھاری دار ریشمی کپڑا۔
(آصفیہ)

تُم سار : تم جیسا۔ (ص ۱۳۲)
تَمَلُّق : خوشامد۔
تُنکی : ایک قسم کی نہایت باریک اور خستہ روٹی (آصفیہ)
بہت پتلی اور چوڑی چپکلی روٹی جو عام طور سے پلاؤ وغیرہ کی قابوں پر ڈھکنے کو پکائی جاتی ہے تاکہ چاول گرم اور نرم رہیں۔
(فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

تُنگیانا : (ڈنگیانا) گھوڑے کو اٹیڑ لگانا۔
تواضع کیا : بخشنا۔ عطا کیا۔
تورا (واو مجہول) [تورہ] مختلف کھانوں کا ایک خوان یا کئی خوان جو امیروں میں شادی وغیرہ کے موقع پر کچھ روز بیشتر تقسیم کیے جاتے ہیں۔
تُورا پوش : خوان پوش۔ وہ سرپوش جو تورے کے خوانوں پر بانس کا بنا ہوا ڈھانکا جاتا ہے۔
توڑ [تور] : میانے یا پالکی کا پردہ۔ جھالر۔
تُوَنگر : مالدار۔

توَقُّف : ٹھہرنا۔

تہ پوشی : وہ پاجامہ جو ساری کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ وہ کپڑا جو ساری کے نیچے لپیٹ لیا جاتا ہے۔

تھَل : زمین۔

(ٹ)

ٹُک : ذرا۔ کچھ۔ ذرا سی دیر۔

ٹُنڈیاں : آدمی کے دونوں بازو۔

ٹُنڈیاں کسنا : مجرم کے بازوؤں کو جکڑ دینا۔

ٹُھڈِیاں : ٹھڈّی، بھنے ہوئے ناج کا وہ دانہ جو کِھلا نہ ہو۔ (آصفیہ)

ٹھہرا اور سادھ کر : دیکھ بھال کر۔ درست کر کے۔ ٹھیک کر کے۔

ٹھیپ (یائے معروف) : وہ ٹھیکرا جس میں فقیر آگ رکھتے ہیں (عبدالحق) ایک طرح کا چراغ۔ (فوربس)

ٹینٹی : ایک خاردار جھاڑی (کریل) کا پھل جس کا اچار بناتے ہیں۔

(ث)

ثابت خانی : مسلّح سپاہی۔ (فوربس)

ثانیُ الحال : اُس کے بعد (ص ۱۹۷)

(ج)

جاہی : چنبیلی کی ایک قسم۔ ایک طرح کی آتش بازی جس میں اس قسم کے پھول نکلتے ہیں۔ (فوربس)

جائیٔ : بیٹی۔

جٹادھاری : جوگی، جس کے بالوں کی بڑی بڑی لٹیں ہوں۔ گیسو دراز۔

جُدِی جُدِی (جدا جدا) : الگ الگ۔

جُرّہ : نر باز (جرہ کی مادہ کو باز کہتے ہیں) (غیاث)

جز بز ہونا : ناک بھوں چڑھانا۔ آزردہ ہونا۔

جَس : ثواب۔ برکت۔ شہرت۔

جس کی نہ پھٹی ہو بوائی کیا جانے پیر پرائی : جس پر کبھی مصیبت نہ پڑی ہو وہ دوسرے کی تکلیف کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

جُلد دست : تیز دست۔ تیز کام کرنے والے۔ (ص ۷۹)

جلد کیا : (گھوڑے کو) تیز کیا۔ (ص ۱۲۲)

جلَو : ساتھ۔ (ص ۱۴۰)

جُوگا : (واو مجہول) لائق۔ مناسب۔

جوگنی : جُھتنی۔ دیبی۔ وہ روحیں جن کے اختیار میں اچھے اور بُرے وقت ہوتے ہیں۔

جوگنی کو پیٹھ دے کر : بُری ساعت بچا کر۔ نحس وقت گزار کر۔

جونرا بھونرا : تہ خانہ۔ الگ مکان۔

جوہی : ایک قسم کی جنگلی چنبیلی۔ ایک قسم کی آتش بازی جس میں بہت سے پھول نکلتے ہیں۔

جھاڑا جھٹکا : پاخانہ۔

جُھلا بُور (واو مجہول) زرق برق۔ چمکیلا۔ جگمگاتا۔

جُھلَم : زنجیروں کی وہ نقاب جو خود سے لٹکتی رہتی ہے۔ لڑائی کے وقت منہ پر ڈال لی جاتی ہے۔

جُھلَم کا ٹوپ : وہ ٹوپ جس میں جھلم لگی ہوئی ہو۔ (ص ۱۶۷)

جینا بھی حیف ہے : زندہ رہنا بے کار ہے۔

(چ)

چار آئینہ : ایک قسم کی زرہ جس میں لوہے کی چار تختیاں بانات یا مخمل سے منڈھ کر، سینے اور پشت پر لگاتے ہیں۔

چار دانگ : دنیا کی چاروں سمتیں۔ ساری دنیا۔

چار قُب : ایک طرح کا لباس جس کو اُمرا پہنتے ہیں۔ (غیاث)
[قُب۔ صدری کا سا ایک لباس ہوتا ہے۔ عبدالحق]

چار قب موتیوں کی: موتیوں سے آراستہ چار قب۔ (ص ۱۸۱)

چار گُردے کے گھوڑے: بڑے مضبوط اور دُم خم کے گھوڑے۔ (ص ۵۶)

چاندنی: سفید فرش۔ وہ سفید چادر جو دری کے اوپر بچھائی جاتی ہے۔

چاو چوز (واو مجہول): لاڈ پیار۔

چِبِلّا : چھچھورا۔ سِفلا۔ نہایت کم عقل اور بے لیاقت آدمی۔

چُٹلا : سونے یا چاندی کا گچھا سا، جس کو عورتیں چوٹی کے نیچے لگا لیتی ہیں۔

چَرِتُر : چالاکی۔ چھل فریب۔ (ص ۱۵۵)

چَرَن : پاؤں۔ جوتا۔

چَرَن برداری : خدمت۔ (ص ۱۷۲)

چَڑھواں جوتا: [چَڑھواں] اُٹھی ایڑی کا مردانہ جوتا۔

چَلمک : (چقماق) وہ پتھر جس سے آگ نکلتی ہے۔

چِلّا: [چِلّہ] چالیس دن کی مُدّت۔

چِلّہ : کمان کی تانت کا وہ حِصّہ جہاں پر تیر جوڑا جاتا ہے۔ (ص ۱۵۸)

چِلّے بیٹھنا : سب سے الگ کسی گوشے میں کوئی عمل یا وظیفہ پڑھنے کے لیے چالیس دن تک بیٹھنا۔

چُماق : لوہے کا شش پہلو گُرز۔ موٹا ڈنڈا جس کا سر گرہ دار ہو۔

چمڑا : بھیک کا کاسہ۔

چَندے : کچھ دنوں تک۔ (ص ۱۵۶)

چَنگیر : پھول رکھنے کا برتن۔ پھولوں کی ٹوکری۔

چَوپَڑ : چَوسَر، پچیسی۔ اس میں ۱۶ مُہرے ہوتے ہیں چھالیہ کی ڈلی کی شکل کے چار رنگ کے، انھیں نرد یا گوٹ کہتے ہیں۔ چَوسَر، پانسے سے کھیلی جاتی ہے۔ اور پچیسی، کوڑیوں سے۔

چَوجُگی : بہت پُرانا۔

چَوڈُول (واو مجہول) : (بمعنی چاروں طرف باڑ والا) نام جھام کی قسم کی سواری جس کو کہار کندھوں پر اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ چو پہلا، سکھ پال۔ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

چوکی گاڑھی : سخت پہرا۔

چوگوشہ : سامان رکھنے کی کشتی۔ سینی۔ (فورلبس)

چَوگھڑے : چار خانوں کا سونے، چاندی یا تانبے کا بنا ہوا ظرف، جس میں کھلوریاں، لونگ، الائچی اور چکنی سپاری رکھتے تھے۔

چھاپ : مُہر۔

چھاتی پر سانپ پھرنا : صدمہ پہنچنا۔ حسد ہونا۔

چھار : راکھ۔

چَھب تختی : سینے اور جسم کی خوب صورتی۔ خوش وضعی۔

چَھب تختی سے دُرست ہونا : مناسب قد اور مناسب جسم ہونا۔

چُہچُہا : نہایت شوخ سُرخ رنگ۔

چَھڑیاں۔ جھنڈیاں : چھڑیوں کا میلا۔ وہ میلا جو کسی بزرگ کی جھنڈیوں کے نام سے کیا جاتا ہے جیسے مدار کی چھڑیاں میراں جی کی چھڑیاں۔ (آصفیہ)

چھلاوا ہو جانا : غائب ہو جانا۔ آنکھوں سے اوجھل ہو جانا۔ (ص ۱۵۸)

چھوچھو : کھلائی۔ بچّوں کے کپڑے (پوتڑے) دھونے والی عورت۔

چیلا : بندۂ خاص۔ شاہی غلام۔ (ص ۱۸۱)

(ح)

حاضرات: جن۔ بھوت پریت اور بُری روحوں کو بلانا۔ جو اکثر عامل کیا کرتے ہیں۔

حاضری: کھانا جو صبح کے وقت کھاتے ہیں۔ ناشتہ۔

حَباب: بُلبُلا۔ شیشے کے کنول۔ شراب رکھنے کا شیشہ جو حباب کی شکل کا ہو۔ (آخری معنی کسی لغت میں نہیں ملتے لیکن میر امن نے ص ۵۰ پر یہ لفظ استعمال کیا ہے)

حرامی: لُٹیرے۔ ڈاکو۔

حرف زندگی پر ہے: (ص ۶۹) سزائے موت مل سکتی ہے۔

حصار: قلعہ۔

حَظ: لُطف۔

حَیص بَیص: بحث۔ تکرار۔

خاتَم: انگوٹھی۔

خالص بردار: ایک قسم کے سپاہی جو بادشاہ یا امیروں کی سواری کے آگے کندھوں پر بندوقیں رکھ کر چلتے ہیں۔ (آصفیہ)

خاگینہ: تلے ہوئے انڈے اور کترا ہوا پیاز ملا کر، قیمے کی طرح پکایا ہوا سالن۔

خانساماں: میر ساماں۔ داروغہ۔ ایک اعلا شاہی عہدہ۔

خانہ زاد: غلام۔

خاوَند: مالک۔ آقا۔ (ص ۱۸۲)

خَراج: سالانہ محصول۔ وہ روپیہ جو سالانہ بادشاہ یا بالادست امیر کو دیا جائے۔

خَریطہ: تھیلی۔ وہ لفافہ جس میں امیروں کے نام رُقعہ بھیجا جائے۔

خِشت: اینٹ۔
خُم: مٹکا۔
خوابِ خرگوش: غفلت کی نیند۔
خودرُو: اپنے آپ اُگنے والا۔
خَواص پُرا: محل کا وہ حصہ جو ملازمین (خواصوں) کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو۔
خورجی: جھولا۔ وہ تھیلا جو ٹٹو کی پیٹھ پر ضروری اسباب کے واسطے باندھ دیتے ہیں۔ (نور اللغات)
خوزادی: جس میں فطری حُسن نمایاں ہو۔ بناو سنگار کے بغیر۔
خوگیر: نمدزین۔ وہ گدّی جو کاٹھی کے نیچے، پسینہ جذب کرنے اور گھوڑے کی پیٹھ نہ چھلنے کی غرض سے رکھی جاتی ہے۔

(د)

دادا: بڑی عمر والا۔ پُرانا بوڑھا ملازم (ص ۱۰۰)
دادِ الٰہی: خدا کی دین۔
داد و دِہش: سخاوت۔
دارُالشّفا: شفاخانہ۔
دارو: شراب۔ (ص ۱۴۵)
دارو دَرمَن: دوا علاج۔
دُبدھا: شک۔ تذبذب۔ پس و پیش۔
دَدا: وہ عورت جو بچّوں کی پرورش کے واسطے نوکر ہو۔ کھلائی۔ (آصفیہ)
دَرخرچی: فضول خرچی
دَرِ دامن: گوٹ۔ جھالر۔

درماہا :	تنخواہ۔
دِسا :	سمت۔
دِسا کریں :	سفر کریں۔ چلیں۔
دست بہ سر ہوا :	سلام کیا۔
دست پناہ :	چمٹا۔
دُستکی :	چھوٹی سی جیبی کتاب، جو یادداشت وغیرہ لکھنے کے کام آتی ہے۔ پاکٹ بک۔ (ص ۱۸۲)
دستگیر کر کے :	گرفتار کر کے۔
دشتِ قبچاق :	توران اور ترکستان کے درمیان ایک طویل میدان وہاں کے ترک بے رحمی میں مشہور تھے اور قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے
دِل چلا کر :	ہمّت کر کے۔
دَل بادَل سا خیمہ	بہت بڑا خیمہ۔ درباری خیمہ۔
دَلدا بیش گیر :	چھوٹا سا نمگیرا۔ جو پلنگ یا چھپر کھٹ کے آگے لگایا جاتا ہے۔ [نمگیرا: وہ کپڑا جو اوس کی نمی سے محفوظ رہنے کے واسطے پلنگ پر چھت گیری کی طرح لگا دیتے ہیں۔]
دَلق :	گُدڑی۔ پشمینے کا لباس جو اکثر درویش پہنتے ہیں۔
دِلگیر :	غمگین۔
دُلمِیاں :	بٹوا۔ تھیلی۔ (ص ۱۶۳)
دم پُخت :	وہ سالن جس کو دم لگا کر گلایا گیا ہو۔ (دم لگانا: دیگ کی بھاپ روکنے کے لیے آٹے وغیرہ سے منہ بند کر دینا)
دو پیازا :	کتری ہوئی پیاز بطور ترکاری ڈال کر پکایا ہوا گوشت۔ کچّی پیاز ڈال کر پکایا ہوا گوشت۔ چونکہ اس کے ساتھ بھنی ہوئی پیاز

بھی ڈالی جاتی ہے اس لیے دو پیازا سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دور پار: خدا نہ کرے۔

دوجی سے ہونا: حاملہ ہونا۔

دودِلا: جس کے دل میں کسی بات کے متعلق شک و شبہہ ہو۔

دودھ بڑھانا: بچّے کا دودھ چھڑانا۔

دوسار: آر پار۔ (ص ۱۶۵)

دَھر: دھار۔ [نہ دھر ماروں: پیشاب بھی نہ کروں۔]

دِہرا: مندر۔

دِھرا ہر: کمرہ۔ مکان۔

دَھول دھپّڑ: گھونسا لات۔ مار پیٹ۔ (ص ۱۵۲)

دہ یکّی: (دس۔ ایک) دس فی صد (محصول)

دیدار (واو معروف): شکیل۔ وجیہہ۔ صورت شکل کا اچھا (فوربس۔ آصفیہ)

دیرینہ: پُرانا۔ بُزرگ۔

دیوارگیری: وہ کپڑا جو دیواروں پر خوش نمائی کے لیے لگا دیا جاتا ہے۔

دَیّا: دائی۔

(ڈ)

ڈُریانا: گھوڑے کے ڈوری یا لگام لگانا۔ (ص ۱۲۷)

ڈونگا (واو مجہول۔ نون مخلوط): کسی ظرف سے پانی نکالنے کا برتن جس میں ڈنڈی لگی ہوئی ہو۔ وہ آبخورہ جس میں ڈنڈی لگی ہوئی ہو۔

(آصفیہ۔ نور اللغات)

ڈَھلیت: وہ شخص جو ڈھال باندھے رہے۔ گانو کا چوکیدار۔ (آصفیہ)

(ر)

راتب: روزمرہ کی معمولی خوراک۔ وظیفہ۔

راست آنا : بن آنا۔ تدبیر بن جانا۔ (ص ۱۷۸)

رانْدے ہوئے : مردود۔ دھتکارے ہوئے۔ (ص ۱۴۸)

راورے : تمھارے۔

رَجا : اُمّید۔

رُحم : چاولوں کا کچّا حلوا جو خاص اللہ میاں کی نذر کے لیے کسی خوشی کی تقریب یا بیاہ میں عورتیں بناتی ہیں۔

رِقّت آنا : دل بھر آنا۔ (ص ۱۵۴)

رَمّال : علمِ رمل جاننے والا۔ جوتشی

رَمق : ذرا سا۔ تھوڑی سی جان۔

رنڈی : عورت۔

رنگترا : سنترا۔

رو بکار ہوا : ظاہر ہوا۔ واقع ہوا۔ (ص ۱۷۶)

روزنامہ : روزنامچہ۔

رومالی : وہ رومال جو عورتیں سر سے باندھ لیتی ہیں۔ لڑکیوں کے اوڑھنے کا دوپٹا : (آصفیہ)

رَوَنّا : وہ نوکر جو عورتوں کا کام کاج کرنے اور سودا سلف لانے کے لیے دروازے پر رہتا ہے۔ (آصفیہ)

رُوہت (واوِ معروف) : نرمی۔ تازگی۔ چہرے کی رونق۔ (نور اللغات)

رَہوار : گھوڑا۔ (ص ۱۵۸)

ریش (یاے معروف) داڑھی۔

رَین : رات۔

ریوڑھی کا پھیر : ریوڑی کھانے کا ایک کھیل جس میں اس قسم کی شرط بدتے تھے کہ تم کتنی ریوڑیاں کھا سکتے ہو کہ ہر ایک ریوڑی کا

کا دو چند کرتے چلے جاؤ (یعنی دو، پھر چار، پھر آٹھ، پھر سولہ، وغیرہ) مُراد ہے زیادہ تعداد سے۔ (آصفیہ)

(ز)

زاد بوم: وہ جگہ جہاں آدمی پیدا ہوا ہو۔ وطن۔

زرگری: سُنار کا کام۔

زیرانداز: وہ کپڑا یا چمڑا جو حُقّے کے نیچے پانی وغیرہ سے حفاظت کے واسطے رکھتے ہیں۔ چلمچی وغیرہ کے نیچے بچھانے والا کپڑا۔

(س)

ساقِ عروس: ایک قسم کی مٹھائی۔ (عبدالحق)

سامی: بلند۔ عالی۔

سُپنا: خواب۔

سَتّار: عیب ڈھانکنے والا۔ (خدا کا ایک نام ہے)

سَتوانسا: وہ بچّہ جو ساتویں مہینے پیدا ہو۔ حمل کا ساتواں مہینا۔

سنٹھوارا: سٹھورا۔ وہ میٹھا جو زچّہ کے لیے سونٹھ اور میوہ ڈال کر بنایا جاتا ہے۔

سَعْد: نحس کی ضد۔ مُبارک۔

سَراپردہ: وہ اونچی قنات جو خیمے کے آس پاس بہ طور چہار دیواری کے لگائی جاتی ہے۔ شاہی بارگاہ۔

سَراچہ: خیمہ۔

سرانجام: انتظام۔ ضروری سامان۔ (ص ۸۹)

سَرپیچ: پگڑی۔

سُرت: ہوش۔ سُدھ۔

سَرزَنِش کرنا: جھڑکنا۔ تنبیہہ کرنا۔ سرواہ: پگڑی۔

سرے سرواہ : سر ہے تو پگڑی بھی ہے۔ سردار ہے تو فوج بھی ہے (ص ۲۲)
سَرو چراغاں : لکڑی کے ٹکڑوں سے سرو کی شکل بناتے ہیں اور اُس کی شاخوں پر چراغ روشن کرتے ہیں۔ (نور اللُّغات)

سَرو قد اُٹھنا : سیدھا کھڑا ہونا۔

سِرے پاو : خلعت۔
سُکھپال : آرام پالکی۔ ایک قسم کی زنانہ پالکی۔
سلُخ : وہ دن جس کی شام کو چاند دیکھا جائے۔
سَلسَبیل : جنّت کی ایک نہر کا نام۔
سِنجاف (نون ساکن) : گوٹ۔
سُنگت (نون ساکن) : دھرم شالا۔ ڈیرا۔
سنگسار کرنا : پتّھر مار مار کر مار ڈالنا۔
سِنگھاسن : شاہی تخت۔
سُور : بہادر۔
سُوزنی : وہ فرش جس کے اندر پتلی پتلی روئی بھر کر اوپر سوئی کا باریک کام کیا گیا ہو۔ پھول بیل بوٹے بنائے گئے ہوں۔
سُون (واو مجہول) : قسم
سَہائی : مدد کرنے والا۔
سِیانا : جھاڑ پھونک کرنے والا۔
سِیج بند : وہ ڈوری جس سے پلنگ کی چادر کو پایوں سے کس کر باندھتے ہیں۔
سیر ہونا : جی بھرنا۔
سیس : سر۔
سیس بھاری جٹا دیکھے : وہ سادھو دیکھے جن کے سروں پر بھاری جٹائیں تھیں۔ (ص ۶۹)

سیف : تلوار۔ لمبی تلوار۔

سیلی (یائے مجہول): بالوں کی ڈوری، سیاہ ریشم یا تاگوں کی لڑی جو اکثر جوگی یا معشوق گلے میں پہنتے ہیں۔ (آصفیہ)

سیوڑا سرچھول: وہ سادھو جنھوں نے سر کے بال بالکل صاف کرادیے ہوں۔ (ص ۶۹)

(ش)

شاطِر: چالاک۔ خبر لانے والا۔ تیز اور چالاک۔ سپاہیوں کا گروہ جو ایک خاص لباس میں بادشاہوں اور امیروں کی سواری کے آگے دوڑتے ہوئے چلتے ہیں۔ (غیاث)

شاگرد پیشہ: اہلکار۔ خدمت گار۔

شال باقی: ایک طرح کا سُرخ کپڑا۔

شاید کہ باشد: ممکن ہے کہ ہو۔

شب دیگ: ایک خاص قسم کا قورما ہوتا ہے جس میں سالم شلجم ڈالا جاتا ہے اور انھیں کی شکل جیسے قیمے کے مسالے دار کباب بھی ڈالے جاتے ہیں اور رات بھر دم دے کر ہلکی آنچ پر پکایا جاتا ہے۔

شبنم: نہایت باریک ململ۔

شَبیہہ: تصویر۔

شُتر: دشمن۔ (ص ۱۱۳)

شَطرنجی: مختلف قسم کے سوت سے بنی ہوئی دری (جس میں خانے بنے ہوئے ہوں) ایک طرح کا دبیز سوتی فرش۔

شُقّہ: خط۔ حکم نامہ۔

شکار بند: وہ تسمہ جو گھوڑے کی دُم کے قریب شکار لٹکا لینے یا ضروری سامان باندھ لینے کے واسطے لگا ہوا ہوتا ہے (آصفیہ)

شِلَنگ : توپوں یا بندوقوں کی باڑھ۔ توپ یا بندوق کی آواز۔
شَلیتہ: ٹاٹ کا بڑا تھیلا۔
شُور بُور: شرابور۔
شُولا : ایک قسم کا کھانا کہ چاولوں کو گوشت کے شوربے میں ہریسہ کی طرح نہایت گلا کر پکایا جاتا ہے۔ پتلی کھچڑی کو بھی کہتے ہیں (آصفیہ)
شہر پناہ : وہ دیوار جو شہر کے آس پاس بنائی جاتی تھی، حفاظت کی غرض سے۔
شیر برنج : کھیر۔
شیر مال : دیکھیے باقر خانی۔
شیورات : (شیوراتری) ہندوؤں کے ایک بڑے تہوار کا نام جو شو کی یادگار میں پھاگن بدی چودس کو منایا جاتا ہے۔ اس دن برت رکھتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ (آصفیہ)

(ص)

صافی : چھاننے کا کپڑا۔
صافی نامہ : تصدیق کا خط۔ فارغ خطی۔
صانع : بنانے والا۔ خالق۔
صُبح خیزا (صبح خیزیا): وہ چور جو مسافروں سے پیشتر اُٹھ کر ان کا مال و اسباب چُرا لے جاتا ہے۔ (نور اللغات)
صد و بست : ایک سو بیس۔
صَندلی : کرسی۔ ایک قسم کی اونچی تپائی جو مخروطی شکل کی ہوتی ہے۔

(ط)

طاقِ کسریٰ : نوشیرواں کا مشہور محل۔
طاقِ کسریٰ کا جُفت: نوشیرواں کے محل کی طرح۔
طعام بخش : ڈوئی۔ بڑا چمچہ۔ (فوربس)

طِلا بافی : وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے نقش و نگار بنائے گئے ہوں۔ یا جس کی بنائی میں سونے کے تار شامل ہوں۔

طَلَب : تنخواہ۔ (ص ۱۹۳)

(ظ)

ظِلّ : سایہ۔

ظِلِّ سُبحانی : خدا کا سایہ۔ پادشاہ۔

(ع)

عِشقِ مُشک : محبّت کی پوشیدہ ملاقاتیں۔ (ص ۱۲۳)

عِفرِیت : دیو۔ (ص ۱۹۹)

عَلَی الاِطلاق : مطلق۔ بے قید۔ بلا شرط۔

عُمدہ : رئیس۔ سردار۔ معتبر سردار۔

عمل : حکومت۔

عَمُو : (وا و معروف): چچا۔

عُود سوز : عود جلانے کی انگیٹھی۔
[عود: ایک قسم کی سیاہ لکڑی جو جل کر نہایت عمدہ خوشبو دیتی ہے۔ ہندی میں اُسے اگر کہتے ہیں۔]

عُہدہ : سرکاری منصب۔ عہدے کا نشان جیسے عصا وغیرہ۔

(غ)

غَٹ : ہجوم۔

غُراب : ایک قسم کا جہاز۔

غُرّہ : چاند کی پہلی تاریخ۔ چاند رات۔

غلام کافری : کافر قوم کا غلام۔ نواح کابُل میں ایک قوم ہے جن کی عورتوں کو کافری کہتے ہیں۔ (بہارِ عجم)

غور پرداخت : دیکھ بھال۔

غبیانی : بدکار عورت۔

(ف)

فالودہ: پکّا اور جما ہوا نشاستہ، جس کے تنتوں کو باریک باریک کتر کر شربت کے ساتھ گرمی کے موسم میں پیتے ہیں۔

فانوسِ خیال : وہ فانوس جس کے اندر ہاتھی، گھوڑے وغیرہ کا چکّر بنا کر لگا دیتے ہیں اور وہ ہوا یا چراغ کے دھوئیں سے گردش کرکے، بچّوں کو بادشاہ کی سواری کا لطف دکھاتا ہے (آصفیہ)

فبہا : بہت خوب۔ مراد حاصل۔

فحوائے کلام : بات چیت کا انداز۔

فرّاشی سلام : وہ سلام جس کے لیے فرش تک سر جھکایا جائے۔ نہایت ادب و تعظیم کا سلام۔

فرد : وہ کاغذ جس پر سامان کی فہرست وغیرہ لکھی ہوئی ہو (ص ۱۶۲)

فرسخ : کوس۔ تین میل کا فاصلہ۔

فی الجملہ : تھوڑی سی۔ (ص ۱۵۵)

(ق)

قافلہ باشی : قافلے کی سرداری۔

قباحت : برائی۔

قبولی : چنے کی دال کی بھنی کھچڑی۔ عام طور سے ایک حصّہ دال اور دو حصّے چاول ملا کر، گھی میں بھون کر پکائی جاتی ہے۔ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

قبیلہ : بیوی۔ خاندان۔

قحبہ : بدکار عورت۔ رنڈی۔

قَرَاوُل : بندوق کا شکاری ۔ لشکر کے آگے آگے چلنے والا ۔

قُربان : وہ تسمہ جس میں ترکش بندھا ہوا پیٹھ پر لٹکتا رہتا ہے اس میں کمان رکھنے کا خانہ بنا ہوتا ہے ۔

قِطعہ : ٹکڑا ۔

قَلُب : کڈھب رستہ ۔ پہاڑ کی پیچ در پیچ راہ ۔ (ص ۱۹۹)

قَلَمرو : سلطنت ۔ حکومت ۔

قِلمُاقنی : وہ ترکن یا حبشن جو پانچوں ہتھیاروں سے مسلّح، شاہی محلوں میں سپاہیوں کی طرح پہرہ چوکی دیتی اور شاہی احکام شہزادیوں کو پہنچاتی ہے (آصفیہ)

قَلْیا : سادہ سالن ۔ بغیر ترکاری کے شوربے دار پکا یا ہوا گوشت ۔

قَلیان : حُقّہ ۔

قُوت (واو معروف) خوراک ۔ کھانا ۔ (ص ۱۶۶)

قورما پلاؤ : دیکھیے یخنی پلاؤ ۔

(ک)

کاٹھ ہو جانا : بالکل بے حس و حرکت ہو جانا ۔ گم سُم ہو جانا ۔ پتّھر بن جانا ۔

کاذِب : جھوٹا ۔

کاوے دینا : گھوڑے کو پھرانا ۔ شہ سواری کے کرتب دکھانا ۔

کاہلہ : بیمار :

کب : بھاٹ ۔ کوی ۔ ہندی کا شاعر ۔

کتخدا کرنا : شادی کرنا ۔ (ص ۱۴۹)

کُجاوہ : اونٹ کی وہ کاٹھی جس پر دو آدمی آمنے سامنے بیٹھتے ہیں ۔

کچکول : کشکول : فقیروں کا کاسہ جس میں بھیک رکھتے ہیں ۔

کدھو : کبھی ۔

کرچھال : چوکڑی۔ (ص ۱۵۸)
کرم کی ریکھا: قسمت کا لکھا۔
کرّ و بیاں : مقرّب فرشتے۔
کرُ بال : جانوروں کے مزے سے بے کھٹکے بیٹھ کر اپنے بازوؤں کو کھجلانے اور سہلانے کی حالت۔
کُربال میں غُلیلا لگنا : کوئی مقصد حاصل ہونے کو ہو کہ بیچ میں کوئی خلل پیدا ہو جائے۔ رنگ میں بھنگ۔
کَسُب : فن۔ ہنر۔
کس برتے پر تتّا پانی : (مثل) کس بھروسے پر گرم پانی کی فرمائش۔
کَشِش : کھینچنا۔ (کمان کا چلّہ کھینچنا) (ص ۱۵۸)
کفِ دست میدان : وہ لق و دق میدان جس میں دور تک درخت اور آبادی کا نام نہ ہو۔
کلاوَنت : گویّا۔ جس کا پیشہ گانا بجانا ہو۔
کَنجھواں : سانولا۔ سیاہی مائل۔
کماؤ : کمانے والا۔ شوہر۔
کماؤ کی پگڑی قائم رہے : شوہر زندہ رہے۔ (ص ۱۷۰)
کنچنیاں : ناچنے والیاں۔
کُندلا : خیمہ :
کنّیا : لڑکی۔
کواکِب : کوکب کی جمع۔ ستارے۔
[ساتوں کواکب : ساتوں ستارے : چاند، سورج، زہرہ، مشتری، عطارد، زحل، مریخ۔]
کوٹ (واو مجہول) : قلعہ۔

کوٹ باندھ کر بیٹھنا: پلتھی مار کر بیٹھنا۔ (ص ۱۵۷)
کوُر: اندھا۔
کوُکا: دودھ شریک بھائی۔
کوَلا: گود۔ آغوش۔
کھپرا: چوڑے پھل کا تیر۔ (ص ۱۵۱)
کھِلوریاں: بُھنا ہوا دھنیا۔ سونف وغیرہ، جسے کھانا کھانے کے بعد مُنہ صاف کرنے کے واسطے کھاتے ہیں۔
کِھلنے: کھیلنا: ایک قسم کی کشتی۔ (فوربس)
کیتکی: ایک مشہور خوشبودار پودے کا نام جو کیوڑے کے درخت سے مشابہ اور اس کا پھول انڈے کے مانند ہوتا ہے (آصفیہ)
کینچلی سی ڈال دی: صورت ہی بدل گئی۔ رنگ نکھر آیا۔
کیکڑ (کیکر): ببول۔
کیفی: نشے میں مست۔

(گ)

گاودیدہ:
گاوزبان: شیرمال، باقرخانی یا خمیری روٹی عام طور سے دو شکل کی، گول اور لمبوتری پکانے کا اکثر چلن ہے۔ گول روٹی کے لیے گاودیدہ اور لمبوتری کے لیے گاوزبان عرف بن گئے تھے۔
(فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

گبرو: جوان۔ نئی عمر کا۔
گپُت رکھی: چھپائے رکھی۔
گجَ موتی: عمدہ قسم کا بہت بڑا موتی۔
گرُسنگی: بھوک۔
گھر گھالنا: گھر برباد کرنا۔

گرمابہ : حمام۔

گزربان : شہر سے باہر جانے والے راستوں کے پہرے دار۔ (ص ۱۷۰)

گزری : وہ بازار جو شام کے وقت رہ گزر پر (فٹ پاتھ) لگتا تھا۔
شام کا بازار۔

گزری کا وقت ہو چکا : بازار کا وقت ختم ہو گیا۔

گل تکیہ : (بہ فتحِ گ) وہ چھوٹا سا گول تکیہ، جس کو اُمرا سوتے وقت رُخساروں
کے نیچے رکھتے ہیں۔

گماشتہ : کارندہ۔ مختار۔

گمٹ : [گمَٹ] ٹولی۔ سنگت۔ (فیلن۔ آصفیہ)
[ایک گمٹ : ایک ساتھ]

گنی : جن میں گن ہوں۔

گنجیفہ : ایک کھیل کا نام جو تاش کی طرح کھیلا جاتا ہے۔ اس میں
۹۶ پتے اور آٹھ رنگ ہوتے ہیں اور تین کھلاڑی کھیلتے ہیں۔ اس
کا پتا گول اوسط درجے میں انگریزی روپے کے برابر ہوتا ہے
(تفصیل کے لیے دیکھیے فرہنگ اصطلاحاتِ پیشہ وراں جلد ششم)

گوشپیچ : دستار کا طُرّہ، یا دستار میں آرائش کی کوئی چیز۔
(عبدالحق)

گوکھرو : تکھونٹا مُڑا ہوا گوٹا۔
عورتیں مقیش، دھنک، یا گوٹے سے گوکھرو کے مانند
بنا کر اس میں اُنگلیوں سے شکنیں اور پیچ ڈال کر، لباس
کی زیبائش کے واسطے گرداگرد لگاتی ہیں۔

گولی : (واو مجہول)

گھر سینا (یائے مجہول) : گھر میں پڑے رہنا۔ کاہل ہو جانا۔

گھر میں رہے نہ تیرتھ گئے، ساری محنت ضائع ہوئی۔ (نجم الامثال)

مونڈ منڈا فضیحت بھئے: (مثل)

گیدی (یائے معروف): بے غیرت۔ بُزدل۔

گیروا: گیرو کے رنگ کا۔ گہرا گلابی۔ وہ رنگ جسے اکثر جوگی سنیاسی فقیر پسند کرتے ہیں اور اس رنگ کا لباس پہنتے ہیں۔

گیروا بِستَر: گیروا لباس۔ [بستر (بہ فتح اوّل) کپڑا۔ لباس]

(ل)

لات منات: بُت۔ (دو مشہور بتوں کے نام)

لَپ: دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر جو پیالہ سا بن جاتا ہے۔

لُترے: چغلی کھانے والے۔ اِدھر کی اُدھر کہنے والے۔

لچکا: سیر و تفریح کی کشتی۔ بجرا۔

لَخلَخہ: چند خوشبودار چیزوں (عنبر، مشک، عود، وغیرہ) کا مجموعہ۔ جسے دماغ کی تقویت کے لیے مریض کو سُنگھاتے ہیں۔

لُڑھنا: لُڑھکنا۔

لَنبوٹ (واو مجہول): لمبی کشتی۔

لَن ترانی والا: شیخی بگھارنے والا۔ ڈینگیں مارنے والا۔

لنگری: لگن۔

لُوبھ: لالچ۔ حرص

لُوتھ (یائے مجہول): لاش۔

لوزیات: بادام کا حلوا۔ (نور اللغات)

لَہر: گوٹے یا لچکے وغیرہ کی لہر دار ٹنکائی۔ عورتیں عموماً دوپٹے، رضائی پر ٹانکتی ہیں۔

(آصفیہ)

(م)

مَاجائی: سگی بہن۔
مان مَہت: تعظیم۔ (ص ۱۴۰)
ما باکے پور: مالدار۔ (ص ۶۹)
مَبادا: ایسا نہ ہو۔
مُباف: (موباف) کپڑے کی دھجّی یا پٹّی جس کو عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں۔
مُتبنّٰی: لے پالک۔
مِتّر: دوست۔
مُتعرّض: روکنے والا۔ مزاحم۔
مُتعَہ: کچھ مُدّت کے واسطے عورت سے نکاح کرلینا۔ (شیعہ مذہب میں)
مُتنجَن: پُرتکلّف پکے ہوئے میٹھے چاول جس میں خشک میوے مثلاً بادام اور پستے کے علاوہ گوشت بھی بھون کر ڈالا جاتا ہے۔
(فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

مُتنفّس: جاندار۔ انسان۔
مَٹھ: کُٹی۔ ہندو فقیروں کے رہنے کا مکان۔
مِثقال: ساڑھے چار ماشے کا وزن۔
مُجرائی: مصاحب۔ درباری۔
مُجوّز: جائز رکھنے والا۔
مُجوّز ہوتا تھا: اصرار کرتا تھا۔
محبوس خانہ: قید خانہ۔
مَحرَم: راز کا جاننے والا۔ (ص ۱۸۰)
مُحصّل: محصول وصول کرنے والا۔
مَحلّی: خواجہ سرا۔

مُخلصی : رہائی۔
مَدارُالمہام : وہ شخص جس پر سلطنت کے کاموں کا دار ومدار ہو۔ وزیر اعظم
مُرچھانا : غش آنا۔
مردک : مرد کی تصغیر۔ حقیر آدمی۔
مُرفّہ الحال : خوش حال۔ مالدار۔
مرگ چھالا : ہرن کی کھال۔
مزید کرو : دستر خوان بڑھاؤ۔
مسکہ : مکھّن۔ تازہ نکلا ہوا کچّا گھی۔
مُشرِف : میر منشی۔ نگراں۔ چیزوں کی حفاظت، جانوروں کا شمار اور خرچ کا حساب اس کے ذمّے ہوتا تھا۔
مُشقاب : بڑی قاب۔ بڑا طباق۔ چاول کھانے کا بڑا برتن۔ وہ بڑی پلیٹ جس میں چاول رکھے جاتے ہیں۔
مُصَمَّم : پختہ۔ مضبوط۔
مصنوع : مخلوق۔
مُغَرَّق : جگمگاتا ہوا۔ سونے یا چاندی میں لپا ہوا۔ (آصفیہ)
مُقطّع : تراش خراش کر سجایا ہوا۔ زائد چیزوں سے پاک۔ (ص ۹۰)
مُقلّبُ القلوب : دلوں کا پھیرنے والا۔ (خدا)
مُقیَّش : سونے چاندی کے تار۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا۔ (آصفیہ)
مَکر چکر : حیلہ بہانہ۔ فریب۔ (ص ۱۶۰)
مُلغُوبہ (واو مجہول) : لفظی معنی ہیں۔ وہ چیز جو مختلف چیزوں سے مل کر گاڑھی ہو گئی ہو۔ (نور اللّغات) مراد ہے مختلف ترکاریوں کو ملا کر پکانے سے۔

مَلِکُ التُّجّار : تاجروں کا بادشاہ۔ سب سے بڑا سوداگر۔
مَلِین (یائے معروف): غمگین۔ رنجیدہ۔ (ص ۱۷۲)
مَنڈَپ : مندر (ص ۱۴۲)
منّت دار : ممنون۔
منکر پاک ہوئے : صاف انکار کرنے لگے (ص ۱۹۸)
منگل کوٹی : ایک قسم کا قالین جو منگل کوٹ میں بنتا تھا۔ (عبدالحق)
مور پنکھی : ایک قسم کی خوب صورت کشتی جو مور کی شکل کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔
مورکھ : نادان۔
مَونی : وہ فقیر جو بولتے ہی نہیں۔
موئی مٹّی کی نشانی : مرے ہوئے آدمی کی نشانی۔
مَہد : پالنا۔ گہوارہ۔ (ص ۱۹۵)
مُہر : اشرفی۔ (ص ۱۸۴)
مہیب : ہیبت ناک۔
میر شکار : شکاری پرندوں کی نگرانی کرنے والے ملازموں کا سردار۔
مِیت : (یائے معروف): دوست۔ ساتھی۔
مِیتا : پیالہ۔ رکابی۔ (خصوصاً فقیروں کی)
میر بخشی : وہ شخص جو سب کی تنخواہ تقسیم کرے۔ سلطنت کا ایک اعلا عُہدے دار۔
مَیمُوں : بندر۔
میوڑا : ملازم (میو، کی تصغیر۔ میو : میواتی) وہ نوکر جو قوم کا میواتی ہو۔

(ن)

نا شُدنی : بدنصیب۔ نالائق۔

نافرمان : لالہ کی ایک قسم، جس کا پھول اودے رنگ کا ہوتا ہے۔
نافرمانی جوڑا : گلِ نافرمان کے رنگ کا لباس۔
نافِ شہر : وسطِ شہر۔ شہر کے بیچوں بیچ۔
ناکتخدا : جن کی شادی نہ ہوئی ہو۔
نامَحرَم : ناواقف۔ وہ شخص جس سے نکاح درست ہو اور اس سے عورت کو پردہ واجب ہو۔
ناوک : تیر۔
نِپَٹ : بالکل۔ تمام۔ بہت۔
نجسُ العَین : جو کبھی پاک نہ ہو سکے۔
نِجھانا : غور سے دیکھنا۔
ندان : آخر کار۔
نِدھڑک : بے دھڑک۔
نَرسنگا (نون ساکن) : ایک قسم کا بجانے کا سینگ۔ بِگُل۔
نَرگاو : بَیل۔
نَرگس دان : وہ گُلدان جس میں نرگس کے پھول ہوں۔
نَعل بندی : خراج۔ وہ مقررہ رقم جو نواب یا رئیس اپنے علاقے یا ملک کی آمدنی سے بہ طور نذرانہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔
نُعمان : عرب کا ایک مشہور بادشاہ نعمان بن منذر، جس نے بہرام گور کے لیے ایک مشہور محل بنوایا تھا۔ اس محل کا نام خورنق تھا (غیاث)
نَفَر : سائیس۔ (ص ۱۲۷)
نقش کَالحَجَر : پتّھر کی لکیر۔
نَک گِھسنی : خوشامد۔
نِکھٹّو : وہ شخص جو کچھ نہ کمائے۔ ناکارہ۔

نکھ سِکھ : سر سے پیر تک۔

نکھ بن کٹّا دیکھیے : لمبے ناخون والے سادھو دیکھے۔

نَمِش : دودھ کا مصنوعی جھاگ، سردی کے موسم میں دودھ کو تھوڑی مصری کے ساتھ خوب گاڑھا پکا کر اور رات میں اوس میں رکھ کر صبح سویرے اُچھال کر بنایا جاتا ہے (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

نَم گیرا : دیکھیے دلدا پیش گیر۔

ننگیا لیں گے : سب کچھ چھین لیں گے۔ (ص ۱۲۷)

نِواڑا : چھوٹی کشتی۔ بجرا۔

نوبت جھَڑنا : نوبت بجنا۔

نورتن : نو جواہر: لعل، موتی، پکھراج، زمرد، مونگا، لاجورد، نیلم، ہیرا، یاقوت۔ (نور اللغات) (ص ۱۹۵)

نول : کرایہ۔

نہایت : انتہا۔ (ص ۱۵۰)

نہُڑ کر : جُھک کر۔

نیابت کرنا : غائب ہونا۔ قائم مقامی کرنا۔

نیّرِ اعظم : سب سے بڑا روشن ستارہ۔ سورج۔

نیڑے (یائے مجہول) : پاس۔

نیمہ آستین : آدھی آستین کی جیکٹ (مرزئی نما) یہ انگرکھے کے اوپر پہنی جاتی تھی۔

نیہہ : پریم۔

(و)

واتیں : اُس سے۔

واتیں کچھو ناہیں کاجا : اُس سے کچھ کام نہیں (ص ۱۱۳)

واجبُ القتل : جس کا قتل کرنا واجب ہو۔
واری پھیری ہونا : بلائیں لینا۔
وَ اِلاّ نہ : ورنہ۔ (ص ۱۹۹)
وام : قرض۔
ورغلانا : ورغلایا۔ بہکایا۔
وُقوف : شعور۔ سمجھ۔ سلیقہ۔ ہوشیاری۔
ولی نعمت : آقا۔

(ہ)

ہتھ پھول : ہلکی بارود کی نمایشی پھول دار آتش بازی، جو ہاتھ پر رکھ کر چھوڑی جا سکے۔ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)
ہدایا : ہدیہ کی جمع۔ تحفے۔ پیش کش۔
ہرج مرج : مصیبتیں۔ پریشانیاں۔
ہرچہ بادا باد : جو ہو سو ہو۔
ہَرنا : کاٹھی کا اگلا اُبھرا ہوا حصّہ۔
ہریسا (ہریسہ) : ایک قسم کا حلیم (کھچڑا) جس میں گیہوں اُبال کر، کوٹ کر ڈالے جاتے ہیں اس میں گوشت زیادہ ڈالا جاتا ہے اور حلیم کے برخلاف گلایا نہیں جاتا۔
ہزاری بزاری : خاص و عام۔ چھوٹے بڑے۔
ہَفتُ قلم : سات مشہور خط : ثلث، محقق، توقیع، ریحان، رقاع، نسخ، تعلیق۔ وہ شخص جو سات خط جانتا ہو۔
ہَلاہل : قاتل زہر جس کا علاج نہ ہو سکے۔
ہَل بلا کر : ہڑبڑا کر۔
ہمیانی : روپے رکھنے کی وہ پتلی سی تھیلی جسے کمر سے باندھ لیتے تھے۔

ہواو : ہمّت۔

ہوائی : ایک قسم کی آتش بازی جسے ختنگا (خدنگا) اوراگنی بان یا اگن بان بھی کہتے ہیں۔

ہژدہ ہزار : اٹھارہ ہزار۔

ہیکل : ایک زیور جو گلے میں پہنا جاتا ہے اور اس میں تعویذ کی طرح گھر بنے ہوئے ہوتے ہیں۔
روپے یا اشرفیوں کا ہار جسے عورتیں گلے میں پہنتی ہیں (ص ۱۴۴)

ہیلہ (ہیلا) : ریلا۔ دھکّا۔

ہیلہ مارنا : پانی میں دھکّا دینا۔

ہیلہ مارکر : تیزی سے گھوڑا کُداکر یا گھوڑا بڑھاکر۔ (ص ۱۷۴)

(ی)

یتیم : نوکر۔ غلام۔ (ص ۱۰۹)

یخنی پلاو : بغیر مسالے کا پلاو جس میں خوشبو کے لیے گرم مسالا ڈالا جاتا ہے۔ یخنی پلاو، اور مسالے دار پلاو، قورما پلاو اور قلیہ پلاو کہلاتا ہے۔

یساوُل : چوب دار۔ نقیب۔

یکتا : (دیکہ) اکیلا۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی نئی اور اہم مطبوعات

تحقیقی مضامین	(تحقیق)		مالک رام	٦٠/-
باتیں کچھ سریلی سی	(سوانح ماہرین موسیقی)		داؤد رہبر	٣٦/-
خسرو نامہ	(تحقیق)		مجیب رضوی	٢١/-
تعلیم و تربیت اور والدین	(تعلیم)		ڈاکٹر محمد اکرام خاں	٥١/-
کولمبس کے دیس میں	(سفرنامہ)		جگن ناتھ آزاد	٢٥/-
پتھر بوئے چمن ـــ	(ڈرامے)		عمیق حنفی	٢٥/-
ریت کی دیواریں	(ناول)		رفعت سروش	٢١/-
منجمد بادل	(ناول)		کشمیری لال ذاکر	٢٣/-
دائروں میں پھیلی لکیر	(شعری مجموعہ)		کشور ناہید	٣٠/-
آنکھ میں سمندر	(شعری مجموعہ)		زاہد ڈار	٣٠/-
تذکرہ	(ناول)		انتظار حسین	٥٢/-
ذرے کی کہانی	(سائنس)		مہدی جعفر	٢١/-
حیات جامی	(سوانح)		مولانا اسلم جیراج پوری	١٢/-
مسلمانان ہند سے وقت کے مطالبات	(خطبہ)		پروفیسر ریاض الرحمٰن شیروانی	٨/-
نقش ذاکر	(مضامین)		مرتب: عبدالحق خاں	٥١/-
ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تعلیمی تحریک (جامعہ ملیہ اسلامیہ)	(تاریخ)		شمس الرحمٰن محسنی	٥٠/-
دنیا کے بڑے مذہب	(علمی)		عمادالحسن آزاد فاروقی	٨٥/-
تحلیل نفسی کے پیچ و خم اور دیگر مضامین	(مضامین)		ڈاکٹر سلامت اللہ	٣٥/-
تعلیم اور رہنمائی	(تعلیم)		ڈاکٹر محمد اکرام خاں	٢٥/-
ہم اردو کیسے پڑھائیں	(تعلیم)		معین الدین	١٥/-
یادوں کا اجالا	(آپ بیتی)	جگتوان سنگھ	مترجم نعیم حنفی	٤٠/-
ہندوستان میں اسلامی علوم و ادبیات	(مضامین)		مرتبہ: عمادالحسن آزاد فاروقی	٤٠/-
پشکن کے دیس میں	(سفرنامہ)		پروفیسر جگن ناتھ آزاد	٢٥/-
آنکھ اور خواب کے درمیان	(شعری مجموعہ)		ندا فاضلی	٢١/-
صدا بہار چاندل	(افسانے)		رام لعل	٣٠/-
دل دریا	(افسانے)		شرون کمار ورما	٢٥/-
رانگ نمبر	(انشائیے)		شفیقہ فرحت	١٦/-
رات کے مسافر	(شعری مجموعہ)		مرتبہ: انور سجاد	٢٨/-
زوال کا عروج	(ڈراما)	برخت	مترجم انور عظیم	٣٩/-
اثبات و نفی	(تنقیدی مضامین)		شمس الرحمٰن فاروقی	٤٠/-
مالک رام - ایک مطالعہ	(مجموعۂ مضامین)		مرتبہ: علی جواد زیدی	٥٠/-
فی الحال	(مزاحیہ مضامین)		یوسف ناظم	١٥/-
حرف حرف روشنی	(شعری مجموعہ)		حمایت علی شاعر	٢٥/-
فرار	(ناول)		ظفر پیامی	٢٠/-
تین چہرے، تین آوازیں	(افسانے)		صالحہ عابد حسین	١٨/-
نقد حرف	(تنقیدی مضامین)		پروفیسر [illegible] حسین	٤٥/-
گداز شب	(شعری مجموعہ)		معین احسن جذبی	٢٠/-
سرسید کی تعلیمی تحریک (مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سو سالہ سفر کی روداد)	(روداد)		[illegible]	٢٥/-
گفتار غالب	(مضامین)		مالک رام	٤٠/-

مطبع: برلی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ)، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی